معارف القرآن



6

تصنیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور



المائدہ، الانعام، الاعراف، الانفال

6

تصنیف

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر

حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدظلہ

سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ

رابطہ نمبر: 0300-0321-9458876



☼ سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼ پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور
☼ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼ سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور
☼ امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼ صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ
☼ متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼ خطیب ٹاؤن ھال لاہور

ضابطہ

نام کتاب۔۔۔

معارف الفرقان جلد ⑥

سورۃ المائدہ	۱۱	قصہ ہابیل و قابیل	۸۶
ایفائے عہد و پیمان، چوپایوں کے احکام	۱۲	ایک جان کا قتل، ایک جان کا بچانا	۹۳
حرام کی گئی اشیاء، اسلام کی پسندیدگی	۱۳	زمین پر فساد مچانے والوں کی شرعی سزا	۹۴
تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں	۲۲	تائبین اور کفار	۱۰۲
اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان سے نکاح	۲۸	چور، چوری اور اس کی حد	۱۰۴
والمحصنات من المومنات	۴۴	اللہ کی حاکمیت، یہود کی شرارت	۱۰۹
وضو کے فرائض	۵۰	قصاص کا حکم	۱۱۲
نعمت ہائے ربانیہ کو یاد کرنے کا حکم	۵۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل	۱۱۸
عدل و انصاف کا مقام اور فضیلت	۵۵	ہر امت کیلئے شریعت اور منہاج	۱۱۹
اہل ایمان سے وعدہ مغفرت	۵۹	فیصلہ حق سچ کا، کسی کی خواہش پر نہیں	۱۲۸
عہد و پیمان کا فائدہ	۶۱	یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے کی ممانعت	۱۳۰
نصاریٰ نے جب عہد و پیمان توڑ ڈالا	۶۶	منافقین کی چالبازی	۱۳۱
تمام اہل کتاب کو خطاب	۶۸	مسلمانوں کیلیے پیغام ربانی	۱۳۲
نصاریٰ کا ایک واضح کفریہ عقیدہ	۷۰	اہل کتاب کو ملامت	۱۳۴
یہود کا دعوائے باطل و بے دلیل	۷۶	یہودیوں کا ایک شر انگیز جملہ	۱۳۷
زمانہ فترت کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟	۷۸	ایمان، تقویٰ، آسمانی کتابوں پر ایمان	۱۳۹
بنی اسرائیل، ارض مقدس، داخلے کا حکم	۸۰	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت	۱۴۱
یوشع بن نون اور کالب کی ایمانی پختگی	۸۳	تورات، انجیل کے بعد قرآن پر ایمان	۱۴۵
موسیٰ: قوم کے خلاف بد دعا، اسکا نتیجہ	۸۵	معاذ اللہ: کیا اللہ تین میں تیسرا ہے؟	۱۵۰

کفریہ عقیدہ رکھنے والے توبہ کریں	۱۵۱	مشرکوں کے مشرکانہ کام	۱۷۵
حضرت عیسیٰ معبود نہیں	۱۵۲	جاہل آباؤاجداد کے پیروکار	۱۷۶
من دون اللہ کی پوجا کیوں؟	۱۵۳	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک	۱۷۷
دین میں غلو نہ کرو	۱۵۴	وصیت کے وقت دو عادل گواہ	۱۷۸
بنی اسرائیل پر لعنت کا سبب	۱۵۵	بروز محشر انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال	۱۸۰
شاہ حبشہ نجاشی دائرہ اسلام میں	۱۵۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۱۸۱
کافروں کا انجام بد	۱۶۰	حواریان عیسیٰ علیہ السلام کو الہام	۱۸۲
اللہ کی حلال کردہ کو حرام قرار دینا ممنوع	۱۶۱	آسمانی دستر خوان کا نزول	۱۸۳
قسم کی تین اقسام	۱۶۱	اللہ وعیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مکالمہ قیامت	۱۸۴
شراب، جوا، بت اور فال کے تیر	۱۶۴	قیامت کے دن سچائی نفع دے گی	۱۸۶
شراب، جوے کے دینی ودنیوی نقصانات	۱۶۷	**سورۃ الانعام**	۱۸۸
اللہ، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت	۱۶۷	قرآنی آیت میں یعدلون کا مطلب	۱۸۹
تحریم سے پہلے پی گئی شراب کا گناہ نہیں	۱۶۸	اجلاً اور اجلٌ میں فرق	۱۹۱
حالت احرام میں شکار، اطاعت خداوندی	۱۶۹	چھپے اور کھلے راز اللہ ہی جانتا ہے	۱۹۲
حالت احرام میں شکار ممنوع	۱۷۰	آیت مبارکہ میں الحق سے کیا مراد؟	۱۹۳
حالت احرام: سمندری شکار حلال	۱۷۱	بڑی بڑی اقوام کی تباہی کے اسباب	۱۹۴
کعبہ مکرمہ کی تعظیم	۱۷۲	مشرکین کے عجیب سوالات	۱۹۵
رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری	۱۷۳	پوری کائنات میں اللہ کی حاکمیت	۱۹۶
خبیث وطیب برابر نہیں	۱۷۳	نبی کریم ﷺ کی رسالت پر اللہ کی گواہی	۱۹۹
بے جا سوالات سے گریز لازم ہے	۱۷۴	یہود ونصاریٰ، آپ ﷺ کو خوب پہچانتے	۲۰۰

لوگوں میں سب سے بڑا ظالم کون؟	۲۰۱	حجت سے مراد، اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر	۲۴۰
قیامت میں مشرکوں کی رسوائی	۲۰۲	توحید کی اہمیت، شرک کی قباحت	۲۴۱
انسان کونسی چیز اپنی پیٹھ پر اٹھائے گا؟	۲۰۷	انبیاء کی ہدایت، وحی کی حقانیت، قرآن	۲۴۳
دنیا کی حقیقت، آخرت کی برتری	۲۰۹	جھوٹے مدعیان نبوت	۲۴۵
دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے زندہ	۲۱۱	قیامت کی تنہائی سے کائناتی ہدایت تک	۲۴۷
نشانیوں کی حکمت	۲۱۳	مستقر اور مستودع کیا ہے؟	۲۵۰
حشر جانوراں اور لوح محفوظ	۲۱۳	زیتون اور انار کے درخت میں مشترکات	۲۵۱
کفر و سرکشی، اللہ کی آزمائش اور عبرت	۲۱۵	خود تراشیدہ معبود اور معبود حقیقی	۲۵۲
جو لوگ اللہ کی ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھائیں	۲۱۷	رویت باری تعالیٰ	۲۵۴
ظالموں کی تباہی و بربادی	۲۱۸	ہدایت کا فائدہ اور گمراہی کا وبال	۲۶۶
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی	۲۱۹	اُمی کی زبان سے حیران کن فصیح کلام	۲۶۷
مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن سے ہدایت	۲۲۰	اتباع وحی اور ذمہ داری رسالت	۲۷۱
مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۲۲۲	دعوت کا ادب، معجزات کا اختیار	۲۷۲
حق و باطل کا امتیاز، اہل ایمان سے شفقت	۲۲۳	ہدایت اللہ کے اختیار میں، باطل کے داعی	۲۷۴
غیب کی چابیاں	۲۲۶	اکثریت کی پیروی گمراہی کا پیش خیمہ	۲۷۷
غالب، قادر، قاہر ذات کی کاریگریاں	۲۲۷	ذبح میں اللہ کا نام، حلال و حرام کھانے	۲۷۸
ایک آیت، دو بار یتقون کا مفہوم	۲۳۱	حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل	۲۸۱
باطل رویّے اور الٰہی گرفت	۲۳۲	مشرکین کی مکاری اور اللہ کی حکمت	۲۸۲
ابراہیمی توحید، ابطال معبودان باطلہ	۲۳۴	اہل ہدایت کے سینے	۲۸۳
امن و اطمینان کے حقدار کون لوگ؟	۲۳۸	دارالسلام سے کیا مراد ہے؟	۲۸۶

قیامت، حشر جن وانس، رسولوں کا اعجاز	۲۸۶	اتباع کتاب اور اتباع سنت نبوی ﷺ	۳۲۳
اللہ کی بے نیازی، انجام کفر، بدعات	۲۸۹	بستیوں کی تباہی آرام کے اوقات میں؟	۳۲۳
کارہائے شیطانی	۲۹۱	قیامت کے دن اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟	۳۲۵
اولاد کُشی کی ہلاکت اور رزق حدود اللہ	۲۹۲	زمین میں ٹھکانے، معاش کا تقاضا شکر	۳۳۶
حمولۃً اور فرشاً سے کیا مراد ہے؟	۲۹۴	حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ	۳۳۶
جانوروں کی آٹھ اقسام	۲۹۵	لباس تقویٰ سے کیا مراد ہے؟	۳۴۵
مسلمانوں کے لیے حرام کی گئی چیزیں	۲۹۷	شیطان سے خبردار رہنے کی نصیحت	۳۴۷
یہود پر حرام کی گئی چیزیں	۲۹۸	اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا	۳۴۸
باطل حجتوں کا رد اور اللہ کے قطعی احکام	۳۰۱	نماز کیلیے زیب وزینت اختیار کرنیکا حکم	۳۴۹
عامۃ الناس کیلیے حرام کی گئی چیزیں	۳۰۳	حلال چیزوں کو کون حرام قرار دے سکتا ہے	۳۵۲
دلائل وبراہین کے انبار	۳۰۴	وہ چیزیں جو حرام قرار دی گئی ہیں	۳۵۴
ایسا وقت جس میں ایمان لانا مفید نہیں	۳۰۶	ہر امت کا وقت مقرر، اہل ایمان، اہل کفر	۳۵۵
دین میں فرقہ واریت کی ممانعت	۳۱۰	نصیب کا لکھا ملتا رہے گا	۳۵۶
نیکی اور بدی کا حساب	۳۱۲	جہنم میں پیشواؤں اور پیروکاروں کا انجام	۳۵۸
ہدایت کاملہ اور ملت ابراہیمی کی حقیقت	۳۱۶	کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے	۳۵۹
توحید خالص	۳۱۷	دوزخیوں کا اوڑھنا اور بچھونا	۳۶۲
توحید ربوبیت، قیامت کے دن کا فیصلہ	۳۱۸	اہل جنت واہل جہنم کا مکالمہ	۳۶۲
مراتب ودرجات میں فرق کی حکمت	۳۱۹	جنت دوزخ کے درمیان اعراف	۳۶۴
سورۃ الاعراف	۳۲۱	اصحاب اعراف کا حال، اہل جہنم پر ملامت	۳۷۰
داعی کے لیے مشعل راہ	۳۲۲	دوزخ والوں پر حرام کی گئی چیزیں	۳۷۱

انکارآخرت کا انجام، حجیت قرآن	۳۷۳	تورات میں وعظ ونصیحت کی باتیں	۴۳۲
دعا مانگنے کے آداب	۳۷۵	قوم موسیٰ کی گوسالہ پرستی	۴۳۴
قدرت والے کی کاریگری کا عظیم شاہکار	۳۸۲	گوسالہ پرستی کے بعد شرمندگی	۴۳۵
پاکیزہ اور ردی زمین کی مثال	۳۸۳	گوسالہ پرستی نے موسیٰ کو غصہ دلایا	۴۳۵
حضرت نوح علیہ السلام اور ان کا پیغام	۳۸۴	غضب کے بعد رحمت، توبہ کی قبولیت	۴۳۷
حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی دعوت	۳۸۶	کوہ طور پر ہلاکت کے بعد زندگی	۴۳۸
حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت	۳۹۰	ھدنا کا مطلب کیا ہے؟	۴۴۰
قوم لوط کا ناپسندیدہ کام	۳۹۴	تورات اور انجیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات	۴۴۲
حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت	۳۹۹	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمگیر نبی	۴۴۳
خوشحالی اور بدحالی، قوموں کی تباہ حالی	۴۰۵	قوم موسیٰ میں ایک ہدایت یافتہ امت	۴۴۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو عظیم معجزات	۴۱۲	میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر فضل	۴۴۶
جادوگران مصر کی شکست فاش	۴۱۳	بنی اسرائیل پر آسمان سے عذاب	۴۴۷
فرعون کا جبر اور اہل ایمان کی ثابت قدمی	۴۱۵	بنی اسرائیل ذلیل بندر کیوں بنائے گئے	۴۴۸
قحط اور میووں میں کمی	۴۱۷	یہود کی دائمی ذلت	۴۴۹
اچھائی کا کریڈٹ اپنے نام، برائی کا دوسروں کو	۴۱۷	یہود ٹکڑیوں میں تقسیم	۴۵۰
فرعونی سرکشی کا انجام	۴۱۸	بعد والے یہودی پہلوں سے زیادہ بدتر	۴۵۲
نئے معبودوں کی تلاش	۴۲۲	جب پہاڑ سائبان بن گیا	۴۵۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چلہ طور پر	۴۲۴	عالم ارواح میں لیا گیا عہد وپیمان	۴۵۶
حضرت موسیٰ نے توبہ کیوں کی تھی؟	۴۲۸	بلعم بن باعوراء کا قصہ	۴۵۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان	۴۲۹	جہنم کی طرف جانے والی مخلوق	۴۶۳

اللہ کے ناموں میں الحاد کرنیوالے	۴۶۵	اللہ ہی مددگار ہے	۵۰۶
الحاد کی لغوی واصطلاحی تحقیق	۴۶۶	بدر میں کافروں کا انجام، آخرت کی وعید	۵۰۸
عصر حاضر کے ملحدین اور الحاد کی فکری تحریک	۴۶۸	میدان جہاد سے بھاگنے کی سزا	۵۰۸
امت سے کونسی امت مراد ہے؟	۴۷۰	فعل نبی کا طاقت اللہ کی	۵۱۱
نرمی اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانیکا	۴۷۱	حق کی فتح	۵۱۴
رسول ﷺ پر جنون کے الزام کی تردید	۴۷۲	یہود، مشرکین اور منافقین کا قول	۵۱۵
قیامت کب آئے گی؟	۴۷۳	مخلوق میں اللہ کے ہاں بدترین	۵۱۶
علم غیب	۴۷۴	اللہ انسان اور انسانی دل کے درمیان حائل	۵۱۸
تخلیق انسانی اور دعوت توحید	۴۷۸	کیا صرف گناہگار ہی پکڑ میں آئیں گے؟	۵۲۰
بت پرستی اور دعوت توحید	۴۸۰	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کا احسان	۵۲۲
بلند اخلاق اختیار کرنے کا حکم	۴۸۲	مسلمانوں کی اصلاح	۵۲۴
شیطانی وساوس کا توڑ	۴۸۴	تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ	۵۲۶
تلاوت کے وقت خاموشی کا حکم	۴۸۷	نبی کریم ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش	۵۲۷
ذکر جلی اور ذکر خفی	۴۸۹	نضر بن حارث کی شر انگیزی کا ذکر	۵۳۱
مقربین بارگاہ خداوندی کی اطاعت	۴۹۴	نبی کریم ﷺ کی موجودگی، استغفار	۵۳۲
سورۃ الانفال	۴۹۸	سیٹیاں اور تالیاں	۵۳۳
مال غنیمت	۴۹۹	شمع اسلام کو بجھانے کیلیے مال لٹانیوالوں کا انجام	۵۳۵
سچے ایمان والے	۵۰۰	اسلام میں آجانے سے پچھلے گناہ معاف	۵۳۷
جہاد کے لیے اللہ نے نکالا	۵۰۱	شرک وکفر کے خاتمے تک جدوجہد جاری	۵۳۸
اللہ حق کا بول بالا چاہتے ہیں	۵۰۴	مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ	۵۳۹

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جنگ بدر	۵۴۱	کافر جلد یا بدیر پکڑے جائیں گے	۵۵۸
صحابہ کرام کیلیے بدر میں قدرت کا ظہور	۵۴۳	دشمن کے مقابلے میں تیاری	۵۵۹
نصرت الٰہی کے حصول کے اسباب	۵۴۵	عصر حاضر میں دفاعی سازوسامان کی اہمیت	۵۶۰
شیطان کیسے بہکاتا ہے؟	۵۴۵	اسلام میں صلح، اعتماد اور نصرت الٰہی	۵۶۳
توکل علی اللہ کی دولت	۵۵۰	ڈٹ جانے والے تھوڑے بھی بہت	۵۶۵
کافروں کی موت کا منظر	۵۵۰	قیدی قتل کیا جائے یا فدیہ لیکر چھوڑا جائے	۵۶۶
نعمتیں کیوں چھن جاتی ہیں؟	۵۵۱	مال غنیمت اور فدیہ حلال ہے	۵۶۸
یہود اور مشرکین	۵۵۳	حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ	۵۷۰
اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت	۵۵۵	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقات	۵۷۵

سورۃ المائدہ

تعارف

سوال سورۃ المائدہ کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ المائدہ قرآن مجید کی پانچویں سورت ہے، مدنی سورتوں میں شمار ہوتی ہے اور اس میں ۱۲۰ آیات ہیں۔ اس سورت میں شریعت کے اہم احکام، حلال و حرام، عہد و پیمان، اہل کتاب سے تعلقات اور بعض اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

وجہ تسمیہ :اس سورت کا نام "المائدہ" اس میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی درخواست پر آسمان سے "مائدہ" (دستر خوان) کے نزول کے واقعہ کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ "مائدہ" سے مراد وہ دستر خوان ہے جس پر کھانا رکھا گیا ہو۔ عربی لغت کے مطابق، مائدہ اصل میں **مفعولة** کے وزن پر ہے، یعنی وہ چیز جس سے کسی کو کھلایا جائے یا جس پر کھانا رکھا جائے۔ بعض کے نزدیک مائدہ اس خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا ہو، اور اگر اس پر کھانا نہ ہو تو اسے "خوان" کہا جاتا ہے۔

زمانہ نزول :سورۃ المائدہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اکثر مفسرین کے مطابق یہ سورت ۶ ہجری کے بعد اور ۱۰ ہجری کے درمیان مختلف اوقات میں نازل ہوئی اور اس میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہونے والی آیات بھی شامل ہیں یہ سورت مدنی سورتوں میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔

مرکزی خیال :سورۃ المائدہ کا مرکزی مضمون شریعت کے احکام، حلال و حرام کی وضاحت، عہد و پیمان کی پابندی، اہل کتاب کے ساتھ تعلقات، اور مسلمانوں کو اجتماعی نظم وضبط کی تلقین ہے۔ اس میں مسلمانوں کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے اصول، عدل و انصاف اور اللہ کے احکام کی پابندی کی تاکید کی گئی ہے، اس کے علاوہ، یہود و نصاریٰ کی غلطیوں اور ان کے ساتھ تعلقات کے اصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔

اہم واقعات کی مختصر فہرست: حلال و حرام اشیاء اور شکار کے احکام۔ وضو، تیمم اور طہارت کے احکام۔ عہد و پیمان کی پابندی کی تاکید۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ تعلقات اور ان کے عقائد کی تردید۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی درخواست پر آسمان سے مائدہ (دستر خوان) کے نزول کا واقعہ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا) کی آیت کا نزول۔ قصاص اور حدود کے احکام۔ مسلمانوں کو عدل و انصاف اور تقویٰ کی تلقین۔ شراب اور جوا کی حرمت۔ مسلمانوں کو آپس میں تعاون اور نیکی کے کاموں میں مدد کی ہدایت۔ یہ سورت مسلمانوں کے لیے ایک جامع ضابطہ حیات اور اجتماعی نظم وضبط کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

ایفائے عہد و پیمان، چوپایوں اور شکاری جانوروں کے بعض احکام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝{۱} يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۲} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو، تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان چیزوں کے جو تمہیں آگے بتائی جائیں گی ہاں تم احرام کی حالت میں شکار کو جائز مت سمجھو بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کی بے حرمتی مت کرنا اور نہ محترم مہینہ کی اور نہ قربانی کے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوں اور نہ محترم گھر کا قصد کرنے والوں کی جو اپنے رب کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور جب تم

احرام اتار دو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تم کو زیادتی پر آمادہ کر دے اور (دیکھو) نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد مت کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ: الخ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ ہر قسم کے عہد و معاہدات (خواہ وہ اللہ سے ہوں یا انسانوں کے آپس میں) پورے کریں۔ اس کے بعد بتایا گیا کہ عام طور پر چوپایوں کا گوشت تمہارے لیے حلال ہے، سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت آگے بیان کی جائے گی۔ حالتِ احرام میں شکار کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق احکام جاری فرماتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ: الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی نشانیوں (حج کے شعائر)، حرمت والے مہینوں، قربانی کے جانوروں اور ان جانوروں کی (جو قربانی کے لیے مخصوص ہوں اور جن کے گلے میں نشانی کے طور پر پٹے ڈالے گئے ہوں) بے حرمتی نہ کریں۔ اسی طرح ان حاجیوں کی بھی عزت کریں جو بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ جب احرام ختم ہو جائے تو شکار کی اجازت ہے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت دی کہ کسی قوم کی دشمنی اور ان کا مسجد حرام سے روکنا تمہیں ظلم و زیادتی پر نہ اُبھارے۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، گناہ اور زیادتی میں ہر گز مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو، وہ سخت سزا دینے والا ہے۔

حرام کی گئی اشیاء۔ اسلام کی پسندیدگی

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر بیان کریں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۳} (المائدہ ۵)

جواب ترجمہ: تم پر مردار اور لہو اور سؤر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے جو گلا گھوٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مر گیا ہو اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں آج تمہارے دین سے کافر ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

تفسیر: سورۃ المائدہ کی اس آیت میں بہت سے مسائل بیان فرمائے گئے ہیں، ان میں مسئلہ اول حلال جانوروں سے متعلق ہے، جن کا گوشت انسانی جانوں کے لیے نقصان دہ ہے، چاہے یہ نقصان انسانی جسم کے لیے ہو کہ اسے استعمال کرنے سے انسانی بدن میں بیماری پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے، چاہے روحانی اعتبار سے انسان کے لیے نقصان دہ ہوں، قرآن کریم نے انہیں حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ گندی چیزیں ہیں، یہ خبائث ہیں اور جن جانوروں کا گوشت استعمال کرنے سے انسانی جان کو کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں، خطرہ چاہے جسمانی لحاظ سے ہو یا روحانی لحاظ سے انہیں حلال قرار دیا اور انہیں پاکیزہ فرمایا گیا ہے کہ یہ طیب ہیں۔

مردار جانور: اس آیت میں سب سے پہلے مردار جانور کو حرام قرار دیا گیا ہے، مردار سے مراد وہ جانور ہے جو شرعی ذبح کے بغیر کسی بیماری، حادثے یا طبعی موت کے سبب مر جائے، ایسے جانور کا گوشت انسانی صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور دینی اعتبار سے بھی اس میں قباحت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں شریعت کے مقرر کردہ طریقے کی پابندی نہیں کی گئی، البتہ سنتِ نبویہ میں دو چیزوں کو

اس عمومی حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی، جو بغیر ذبح کے بھی حلال ہیں۔

بہنے والا خون: دوسری حرام چیز خون ہے، قرآنِ کریم کی دوسری آیت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے بہنے والے خون کو مراد قرار دیا گیا ہے، اس بنا پر وہ خون جو جانور کے جسم میں جما ہوا ہو، جیسے جگر اور تلی، اس حکم میں شامل نہیں۔ احادیث میں جہاں مردار سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، وہیں خون سے جگر اور تلی کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

خنزیر کا گوشت: تیسری حرام چیز خنزیر کا گوشت ہے، یہاں گوشت سے مراد صرف مخصوص حصہ نہیں بلکہ خنزیر کا پورا جسم ہے، جس میں چربی، گوشت، پٹھے اور دیگر تمام اجزاء شامل ہیں، سب حرام ہیں۔

غیر اللہ کے لیے نامزد: چوتھی قسم وہ جانور ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر مخصوص کیا گیا ہو، اگر ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام لیا جائے تو یہ صریح شرک ہے اور ایسا جانور بالاتفاق مردار کے حکم میں آتا ہے اور اگر ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا جائے لیکن جانور کو کسی غیر اللہ کی نذر مان کر یا اس کی خوشنودی کے لیے قربان کیا گیا ہو، تو جمہور اہلِ علم کے نزدیک وہ بھی **ما أُهِلَّ لغير الله به** کے تحت حرام ہے۔

منخنقہ: پانچویں قسم منخنقہ ہے، یعنی وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے، خواہ کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو یا وہ خود کسی رسی، جال یا اسی قسم کی چیز میں پھنس کر دم گھٹنے سے ہلاک ہو جائے، اگرچہ یہ بھی مردار ہی کی ایک صورت ہے، مگر چونکہ زمانۂ جاہلیت میں اسے حلال سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کا الگ ذکر کیا گیا۔

موقوذۃ: چھٹی قسم موقوذۃ ہے، یعنی وہ جانور جو سخت ضرب لگنے سے مر جائے، جیسے لاٹھی، پتھر یا کسی بھاری چیز سے مارا گیا ہو۔ اسی حکم میں وہ شکار بھی داخل ہے جو تیر یا کسی آلے کی دھار کے بجائے صرف اس کی ضرب سے ہلاک ہو جائے۔ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ایسی صورت میں وہ جانور حرام ہو گا۔ اسی بنا پر اہلِ علم نے بندوق یا اسی نوع کے ہتھیار سے صرف ضرب کے ذریعے مرنے والے جانور کو بھی موقوذۃ قرار دیا ہے اور اس کے حرام ہونے پر ائمہ فقہ کا اتفاق ہے۔

مترد یہ: ساتویں قسم مترد یہ ہے، یعنی وہ جانور جو کسی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے، خواہ وہ پہاڑ ہو، ٹیلہ ہو، عمارت ہو یا کنواں وغیرہ۔ اگر شکار کو تیر لگا ہو مگر وہ گرنے کے بعد مرے اور یہ احتمال ہو کہ موت گرنے کے صدمے سے ہوئی ہے، تو وہ بھی مترد یہ میں داخل ہو گا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہو گا، اسی طرح اگر کوئی پرندہ زخمی ہو کر پانی میں گر جائے اور مر جائے تو احتمالِ غرق کی وجہ سے اس کا کھانا بھی ممنوع ہے۔

نطیحہ: آٹھویں قسم نطیحہ ہے، یعنی وہ جانور جو ٹکر یا تصادم سے مر جائے، جیسے کسی گاڑی کی زد میں آ کر یا کسی دوسرے جانور کی ٹکر سے ہلاک ہو جانا۔

درندے کا پھاڑا ہوا جانور: نویں قسم وہ جانور ہے جسے کسی درندے نے پھاڑ کر ہلاک کر دیا ہو، اگر درندے کے حملے سے اس کی جان چلی جائے تو وہ بھی حرام ہے۔ ان تمام نو اقسام کے بیان کے بعد ایک اہم استثناء ذکر فرمایا گیا ہے، إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ، یعنی اگر ان میں سے کسی جانور کو تم زندہ پالو اور شرعی طریقے کے مطابق ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

محل استثناء: یہ استثناء ابتدائی چار اقسام سے متعلق نہیں ہو سکتا، کیونکہ مردار اور بہنے والے خون میں ذبح کا کوئی امکان ہی نہیں اور خنزیر کا گوشت نیز وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر مخصوص کیا گیا ہو، اپنی ذات ہی میں حرام ہیں، ان میں ذبح کیا جانا یا نہ کیا جانا دونوں صورتوں میں حکم یکساں رہتا ہے۔

اسی بنا پر سلف کے جلیل القدر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ استثناء پہلی چار اقسام کے بعد مذکور جانوروں سے متعلق ہے، یعنی منخنقہ اور اس کے بعد آنے والی تمام صورتیں۔ چنانچہ مفہوم یہ قرار پاتا ہے کہ اگر ان جانوروں میں سے کسی کو زندہ حالت میں پالیا جائے، اس میں زندگی کی علامتیں موجود ہوں اور اسی حالت میں اللہ کے نام پر شرعی طریقے سے ذبح کر لیا جائے تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے، خواہ وہ گلا گھٹنے سے متاثر ہوا ہو، ضرب سے زخمی ہو، بلندی سے گرا ہو، ٹکر سے زخمی ہوا ہو یا درندے کے حملے سے متاثر ہوا ہو، ان سب میں معیار زندگی کا باقی ہونا ہے، محض زخم یا نقصان نہیں۔

نُصُب پر ذبح کیا گیا: دسویں قسم وہ جانور ہے جو نُصُب پر ذبح کیا گیا ہو، نُصُب ان پتھروں کو کہا جاتا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کے اطراف نصب کیے گئے تھے، جنہیں معبود سمجھا جاتا تھا، لوگ ان کے پاس جانور لا کر ذبح کرتے اور اسے عبادت تصور کرتے تھے۔ چونکہ یہ عمل صریح شرک پر مبنی تھا، اس لیے ایسے جانور کو شریعت نے قطعی طور پر حرام قرار دیا۔ اہلِ جاہلیت ان تمام جانوروں کو کھانے کے عادی تھے جو ناپاک اور خبیث چیزوں میں شمار ہوتے تھے، مگر قرآنِ کریم نے واضح طور پر ان سب کو حرام قرار دے کر انسانی فطرت اور دینی پاکیزگی کی حفاظت فرمائی۔

استقسام بالازلام: گیارہویں ممنوع چیز استقسام بالازلام ہے، ازلام دراصل مخصوص تیروں کو کہا جاتا تھا جو جاہلیت کے دور میں قسمت معلوم کرنے اور فیصلے کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے، یہ چند تیر ہوتے تھے جن پر مختلف الفاظ لکھے ہوتے، جیسے اجازت یا ممانعت کے اشارات۔ لوگ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں فیصلہ جاننے کے لیے ان تیروں کے ذریعے قرعہ اندازی کرتے اور اسے غیب کا علم سمجھتے تھے۔

حرام جانوروں کے بیان میں اس عمل کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ عربوں کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ کئی لوگ مل کر جانور ذبح کرتے، مگر گوشت کی تقسیم شراکت کے مطابق کرنے کے بجائے انہی جوئے کے تیروں کے ذریعے کرتے تھے، جس میں کسی کو کچھ نہ ملتا اور کسی کو حد سے زیادہ۔ اس طرح ظلم اور قمار دونوں جمع ہو جاتے تھے۔ اسی لیے جانوروں کی حرمت کے ساتھ اس تقسیم کے طریقے کی حرمت بھی واضح کر دی گئی۔

اہلِ علم نے تصریح فرمائی ہے کہ غیب جاننے یا مستقبل کے فیصلے معلوم کرنے کے جتنے بھی طریقے رائج ہیں، خواہ وہ حسابی رموز سے ہوں، ہاتھ کی لکیروں سے، فال نکالنے سے یا اسی نوع کی کسی اور صورت سے، سب اسی حکم میں داخل ہیں، کیونکہ ان سب کی بنیاد وہی باطل تصور ہے۔

اسی طرح استقسام بالازلام کا اطلاق قمار اور جوئے پر بھی ہوتا ہے، جہاں قرعہ اندازی یا لاٹری جیسے طریقوں سے حقوق اور حصے متعین کیے جاتے ہیں، یہ سب قرآن کی نص کے مطابق ممنوع ہیں،

جنہیں میسر یعنی جوا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مختلف قوموں میں رائج کھیل اور طریقے، جن کے ذریعے نفع و نقصان یا حصے طے کیے جاتے ہیں، حقیقت میں اسی ممنوع عمل کی مختلف شکلیں ہیں، اگرچہ ان کے نام اور صورتیں بدل گئی ہوں۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ: میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آج کے دن کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں، یعنی اب انہیں اس بات کی کوئی امید نہیں رہی کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے ہٹا سکیں گے یا اسے باطل کر سکیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرما دیا، اور کفار کو یقین ہو گیا کہ اب وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے نہیں ہٹا سکتے۔ ابن عباس، سدی اور دیگر مفسرین کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار اس بات سے مایوس ہو گئے کہ مسلمان اپنے دین کو چھوڑ کر دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے، یا وہ دین اسلام کو باطل کر سکیں گے۔ بعض روایات کے مطابق یہ آیت یوم عرفہ، حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، جب اسلام کو مکمل غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ: یہاں مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ اب تمہیں کفار سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف مجھ سے ڈرو، اس میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب اللہ نے دین کو غالب کر دیا اور کفار مایوس ہو گئے، تو اب تمہیں ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرنا چاہیے، اصل خوف اور خشیت اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیے، کیونکہ وہی سب پر قادر ہے۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ :الخ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے یوم عرفہ میں رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی، جبکہ مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا، پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی قانون جاری تھا، اس پر فرمایا کہ آپ سے پہلے جو کفار یہ منصوبے بنایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کی جماعت ہمارے مقابلہ میں کم بھی ہے

اور کمزور بھی ان کو ختم کر دیا جائے۔ اب نہ ان میں یہ حوصلے باقی رہے، نہ ان کی وہ طاقت رہی۔ اس لئے مسلمان ان سے مطمئن ہو کر اپنے رب کی اطاعت و عبادت میں لگ جائیں۔

اس آیت کے نزول کی خاص شان ہے، عرفہ کا دن ہے جو تمام سال کے دنوں میں سید الایام ہے اور اتفاق سے یہ عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا۔ جس کے فضائل معروف ہیں۔ مقام میدان عرفات کا جبل رحمت کے قریب ہے، جو عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ رحمت کا خاص مقام ہے۔ وقت عصر کے بعد کا ہے، جو عام دنوں میں بھی مبارک وقت ہے۔ اور خصوصاً یوم جمعہ میں کہ قبولیتِ دعا کی گھڑی بہت سی روایات کے مطابق اسی وقت آتی ہے اور عرفہ کے روز اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول ہونے کا خاص وقت ہے۔

حج کے لئے مسلمانوں کا سب سے بڑا پہلا عظیم اجتماع ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں، رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جبلِ رحمت کے نیچے اپنی ناقہ عضباء پر سوار ہیں اور حج کے اَب بڑے رکن یعنی وقوف عرفات میں مشغول ہیں۔

ان فضائل و برکات اور رحمتوں کے سایہ میں یہ آیت کریمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت بذریعہ وحی نازل ہوئی تو حسبِ دستور وحی کا ثقل اور بوجھ اتنا محسوس ہوا کہ اونٹنی اس سے دبی جارہی تھی یہاں تک کہ مجبور ہو کر بیٹھ گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے۔ اس کے بعد کوئی آیت احکام سے متعلق نازل نہیں ہوئی، صرف ترغیب و ترہیب کی چند آیتیں ہیں۔ جن کا نزول اس آیت کے بعد بتلایا گیا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں صرف اکیاسی روز بقیدِ حیات رہے، کیونکہ ۱۰ ہجری کی نویں ذی الحجہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ۱۱ ہجری کی بارہویں ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

یہ آیت جو اس خاص شان اور اہتمام سے نازل ہوئی اس کا مفہوم بھی ملتِ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری اور بھاری انعام اور اسلام کا طُرائے امتیاز ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ دین حق اور نعمت الٰہی کا انتہائی معیار جو اس عالم میں بنی نوع انسان کو عطا ہونے والا تھا، آج وہ مکمل کر دیا گیا۔ گویا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جو دین اور نعمت الٰہیہ کا نزول اور ترویج شروع کی گئی تھی اور ہر زمانہ اور ہر خطہ کے مناسب حال اس نعمت کا ایک حصہ اولادِ آدم کو عطا ہوتا رہا آج وہ دین اور نعمت مکمل صورت میں خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو عطا کر دی گئی۔

اس میں تمام انبیاء ورُسل کے زمرہ میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت اور امتیازی شان کا تو اظہار ہے ہی اس کے ساتھ تمام امتوں کے مقابلہ میں امت مرحومہ کی بھی ایک خاص امتیازی شان کا واضح ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ چند علماء یہود، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمھارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوئی تو وہ اس کے نزول کا ایک جشنِ عید مناتے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ وہ کونسی آیت ہے۔ انہوں نے یہی آیت الیوم اکملت لکم دینکم پڑھ دی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی۔ اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا ایک عرفہ دوسرے جمعہ۔ (معارف القرآن)

یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تین خصوصی انعامات عطا فرمانے کی بشارت دی ہے، ایک اکمال دین، دوسرے اتمام نعمت، تیسرے شریعت اسلام کا اس اُمت کے لئے انتخاب۔

اکمال دین کا مطلب: اکمال دین کے معنی ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ آج دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیے گئے ہیں، اب اس میں نہ کسی اضافہ اور زیادتی کی ضرورت باقی ہے اور نہ کمی کا احتمال (روح المعانی)۔

یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد احکامِ اسلام میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا جو چند آیتیں اس کے بعد نازل ہوئیں، ان میں یا تو ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں، اور یا اُنہیں احکام کی تاکید جن کا بیان

پہلے ہو چکا تھا۔ اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ اصول و اجتہاد کے ماتحت ائمہ مجتہدین نئے نئے پیش آنے والے واقعات و حالات کے متعلق اپنے اجتہاد سے احکام شرعیہ بیان کریں کیونکہ قرآن کریم نے جس طرح احکام شرعیہ کے حدود و فرائض وغیرہ بیان فرمائے ہیں اسی طرح اصول اجتہاد بھی قرآن ہی نے متعین فرما دئے ہیں۔ ان کے ذریعہ جو احکام قیامت تک نکالے جائیں وہ سب ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کئے ہوئے احکام ہیں۔ کیونکہ ان اصول کے ماتحت ہیں جو قرآن نے بیان کئے۔

اتمامِ نعمت سے مراد: مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور مکہ مکرمہ کی فتح اور رسومِ جاہلیت کے مٹانے سے اور اس سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

یہاں الفاظِ قرآن میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ دین کے ساتھ لفظِ اکمال استعمال فرمایا گیا اور نعمت کے ساتھ لفظِ اتمام، حالانکہ یہ دونوں لفظ بظاہر ایک دوسرے کے ہم معنی اور مرادف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ان دونوں کے مفہوم میں ایک فرق ہے جس کو مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کسی چیز کا "اکمال" اور "تکمیل" اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز سے جو غرض اور مقصود تھا وہ پورا ہو گیا۔ اور لفظ اتمام کے معنی یہ ہیں کہ اب دوسری چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں رہی۔ اسی لئے "اکمال دین" کا حاصل یہ ہوا کہ قانون الٰہی اور احکام دین کے اس دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا وہ آج پورا کر دیا گیا۔ اور اتمامِ نعمت کا مطلب یہ ہوا کہ اب مسلمان کسی کے محتاج نہیں۔ ان کو خود حق تعالیٰ جل شانہ نے غلبہ، قوت اور اقتدار عطاء فرما دیا جس کے ذریعہ وہ اس دین حق کے احکام کو جاری اور نافذ کر سکیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں نسبت تو مسلمانوں کی طرف فرمائی گئی ہے اور نعمت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف، وجہ یہ ہے کہ دین کا ظہور ان اعمال و افعال کے ذریعہ ہوتا ہے جو اُمت کے افراد کرتے ہیں اور نعمت کی تکمیل براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر ابن قیم)

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اکمالِ دین آج ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا دین ناقص تھا۔ بلکہ جیسا تفسیر محیط میں بحوالہ قفال مروزی رحمہ اللہ نقل کیا ہے کہ دین تو ہر نبی و رسول کا اس کے زمانہ کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا۔ یعنی جس زمانہ میں جس پیغمبر پر کوئی شریعت و دین اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا اس زمانہ اور اس قوم کے لحاظ سے وہی کامل و مکمل تھا۔ لیکن اللہ جل شانہ کے علم میں یہ تفصیل پہلے سے تھی کہ جو دین اس زمانہ اور اس قوم کے لئے مکمل ہے وہ اگلے زمانہ اور آنے والی قوموں کے لئے مکمل نہ ہو گا، بلکہ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین و شریعت نافذ کی جائے گی۔ بخلاف شریعت اسلام کے جو سب سے آخر میں نازل کی گئی کہ وہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔ نہ وہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی خاص خطہ، ملک یا قوم کے ساتھ۔ بلکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر قوم کے لئے یہ شریعت کامل و مکمل ہے۔

تیسرا انعام جو اس اُمت مرحومہ کے لئے اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس اُمت کے لئے اللہ جل شانہ نے اپنے تکوینی انتخاب کے ذریعہ دین اسلام کو منتخب فرمایا جو ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔ اور جس پر نجات کا انحصار ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ اُمت مرحومہ کے لئے دین اسلام ایک بڑی نعمت ہے جو ان کو بخشی گئی ہے۔ اور یہی دین ہے جو ہر حیثیت اور جہت سے کامل و مکمل ہے، نہ اس کے بعد کوئی دین آئے گا اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جائے گی۔

تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ {۴} المائدۃ

جواب ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال ہے کہہ دو تمہارے واسطے سب پاکیزہ

چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکور الصدر جواب وسوال میں شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لئے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں۔

اول یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمھارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے اور باز کے لئے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہو گا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمھارے لئے کرتے ہیں اپنے لئے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمھارا شکار سمجھا جائے گا اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمھارے بُلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمھارا نہیں رہا۔ اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کرلیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ مکلبین سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں۔ پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحب جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمھارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان (مما امسکن علیکم) سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمھارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمھارے لئے حلال نہ ہو گا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر قاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہو گا۔ آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ شکاری جانور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حلال تو کر دیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

مفتی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں سورۃ مائدہ کی پہلی آیت میں بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ یعنی پالتو جانور بکری، گائے، بھینس وغیرہ کا حلال ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور تیسری آیت میں نو قسم کے حرام جانوروں کی تفصیل ہے مگر اس تفصیل سے اس کے ابتدائی جملہ میں اس پورے باب کا خلاصہ اس طرح بیان فرما دیا ہے کہ اس میں جانوروں کی حلت و حرمت کا خاصہ بھی معلوم ہو گیا۔ اور اس کا ایک معیار و اصول بھی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ: یعنی آج تمہارے لئے حلال ہوئیں سب صاف ستھری چیزیں، آج سے مراد وہ دن ہے جس میں یہ آیت اور اس سے پہلی آیات نازل ہوئی ہیں، یعنی حجۃ الوداع ۱۰ یوم عرفہ، مطلب یہ ہے کہ جیسے آج تمہارے لئے دین کامل مکمل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت تم پر مکمل ہو گئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ چیزیں جو پہلے بھی تمھارے لئے حلال تھیں، دائمی طور پر حلال رکھی گئیں اور ان کے منسوخ ہونے کا احتمال ختم ہوا، کیونکہ سلسلہ وحی ختم ہونے والا ہے۔

اس جملہ میں طیبات حلال ہونے کا بیان ہے اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ، یعنی حلال کرتا ہے ان کے لئے طیبات اور حرام کرتا ہے ان

پر خبائث، اس میں طیبات کے بالمقابل خبائث لاکر ان دونوں لفظوں کی حقیقت واضح کر دی گئی۔

لُغت میں طیبات صاف ستھری اور مرغوب چیزوں کو کہا جاتا ہے اور خبائث اس کے بالمقابل گندی اور قابلِ نفرت چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آیت کے اس جملہ نے یہ بتلا دیا کہ جتنی چیزیں صاف ستھری مفید اور پاکیزہ ہیں وہ انسان کے لئے حلال کی گئیں، اور جو گندی قابل نفرت اور مضر ہیں وہ حرام کی گئی ہیں، وجہ یہ ہے کہ انسان دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ اس کا مقصد زندگی دنیا میں کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور جینے مرنے تک محدود ہو۔ اس کو قدرت نے مخدوم کائنات کسی خاص مقصد سے بنایا ہے اور وہ مقصد اعلیٰ پاکیزہ اخلاق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے بد اخلاق انسان در حقیقت انسان کہلانے کے قابل نہیں۔

اسی لئے قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: بَل هُم اَضَل، یعنی وہ چوپاؤں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور جب انسان کی انسانیت کا مدار اصلاح اخلاق پر ہو تو ضروری ہے کہ جتنی چیزیں انسانی اخلاق کو گندہ اور خراب کرنے والی ہیں ان سے اس کا مکمل پرہیز کرایا جائے۔ انسان کے اخلاق پر اس کے گرد و پیش کی چیزوں اور اس کی سوسائٹی کا اثر پڑنا بدیہی طور پر ہر شخص جانتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب گرد و پیش کی چیزوں سے انسانی اخلاق متاثر ہوتے ہیں تو جو چیزیں انسان کے بدن کا جزو بنتی ہیں ان سے اخلاق کس قدر متاثر ہوں گے، اس لئے کھانے پینے کی ساری چیزوں میں اس کی احتیاط لازمی ہوئی، چوری، ڈاکہ، رشوت، سود، قمار وغیرہ کی حرام آمدنی جس کے بدن کا جزو بنے گی، وہ لازمی طور پر اس کو انسانیت سے دور اور شیطانیت سے قریب کر دے گی۔

اسی لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، عمل صالح کے ساتھ اکل حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اکل حلال کے بغیر عمل صالح متصور نہیں۔

بالخصوص گوشت جو انسان کے بدن کا جزو اہم بنتا ہے اس میں اس کی احتیاط سب سے زیادہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا گوشت اس کی غذا میں داخل نہ ہو جو اس کے اخلاق کو خراب کرے اسی طرح

وہ گوشت جو جسمانی طور پر انسان کے لئے مضر ہے کہ بیماری اور ہلاکت کے جراثیم اس میں ہیں، اس سے انسان کے پرہیز کا ضروری ہونا تو سبھی جانتے ہیں، جتنی چیزیں شریعت نے خبائث قرار دی ہیں، وہ یقینی طور پر انسان کے جسم یا روح یا دونوں کو خراب کرنے والی اور انسانی جان یا اخلاق کو تباہ کرنے والی ہیں، اس لئے ان کو حرام کر دیا گیا، اس کے بالمقابل طیبات سے انسان کے جسم و روح کی تربیت اور اخلاق فاضلہ کا نشو و نما ہوتا ہے ان کو حلال قرار دیا گیا، غرض قرآن پاک کے جملہ احل لکم الطیبت نے حلت و حرمت کا فلسفہ بھی بتلا دیا اور اصول بھی۔ (معارف القرآن)

اب یہ بات کہ کونسی چیزیں طیبات یعنی صاف ستھری مفید اور مرغوب ہیں اور کون سی خبائث یعنی گندی، مضر اور قابل نفرت ہیں۔ اس کا اصل فیصلہ طبائع سلیمہ کی رغبت و نفرت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن جانوروں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، ہر زمانہ کے سلیم الطبع انسان ان کو گندہ اور قابل نفرت سمجھتے رہے ہیں، جیسے مردار جانور، خون، البتہ بعض اوقات جاہلانہ رسوم طبیعت پر غالب آجاتی ہیں تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جاتی ہے یا بعض چیزوں کا خبث مخفی ہوتا ہے، ایسے معاملات میں انبیاء علیہم السلام کا فیصلہ سب کے لئے حجت ہے کیونکہ افراد انسانی میں سب سے زیادہ سلیم الطبع انسان انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو حق تعالیٰ نے مخصوص طور پر فطرت سلیمہ سے نوازا اور ان کی تربیت کا خود تکفل فرمایا۔ ان کے گرد و پیش اپنے فرشتوں کا پہرہ لگایا جس سے ان کے قلب و دماغ اور اخلاق کسی غلط ماحول سے متاثر نہیں ہوسکتے، انہوں نے جن چیزوں کو خبائث قرار دیا وہ حقیقتاً خبائث ہیں اور جن کو طیبات سمجھا وہ حقیقتاً طیبات ہیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک ہر پیغمبر نے مردار جانور اور خنزیر وغیرہ کو حرام کرنے کا اپنے اپنے وقت میں اعلان فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ایسی خبائث ہیں کہ ہر زمانے کے سلیم الطبع حضرات نے ان کو گندی اور مضر چیز سمجھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان فرمایا ہے کہ جتنے جانور شریعت اسلام نے حرام قرار دئے ہیں، ان سب پر غور کیا جائے تو سمٹ کر یہ سب دو اصولوں کے تحت

آجاتے ہیں، ایک یہ کہ کوئی جانور اپنی فطرت و طبیعت کے اعتبار سے خبیث ہو، دوسرے یہ کہ اس کے ذبح کا طریقہ غلط ہو، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ ذبیحہ کے بجائے مَیتہ یعنی مردار قرار دیا جائے گا۔

سورۃ مائدہ کی تیسری آیت میں نو چیزوں کو حرام بتایا ہے، ان میں خنزیر قسم اول میں داخل ہے۔ باقی آٹھ قسم دوم میں۔ قرآن کریم نے **وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ** فرما کر اجمالی طور پر تمام خبیث جانوروں کے حرام ہونے کا حکم دیا۔ اور اس کی تفصیل میں سے چند چیزیں قرآن نے صراحۃً بیان فرما دیں۔ جیسے لحم خنزیر اور دم مسفوحٍ وغیرہ۔ باقی چیزوں کا بیان رسول اکرم ﷺ کے سپرد فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی جانور کے خبیث ہونے کی ایک علامت یہ بتلائی کہ کسی قوم کو بطور عذاب کے جس جانور کی شکل میں مسخ و تبدیل کیا گیا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ جانور طبعاً خبیث ہے کہ جن لوگوں پر حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ان کو اس جانور کی شکل دی گئی۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے **وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ** یعنی بعض قوموں کو خنزیر اور بندر کی شکل میں بطور عذاب کے مسخ کیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جانوروں کی یہ دونوں قسمیں بالطبع خبائث میں داخل ہیں۔ ان کو باقاعدہ ذبح بھی کر دیا جائے تو بھی حلال نہیں ہو سکتے۔ اور بہت سے جانور ایسے بھی ہیں کہ افعال و آثار سے ان کا خبیث ہونا عام طبائع خود بھی محسوس کر لیتی ہیں۔ مثلاً درندے جانور، جن کا کام ہی دوسرے جانوروں کو زخمی کرنا، پھاڑنا کھانا ہے اور سخت دِلی ہے۔ (معارف القرآن)

جن جانوروں کو شریعتِ اسلام نے حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک قسم تو وہ ہے جن میں ذاتی طور پر خبث پایا جاتا ہے، دوسری قسم وہ ہے کہ ان کی ذات میں کوئی خبث نہیں، مگر جانوروں کے ذبح کرنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اس طریقہ پر اس کو ذبح نہیں کیا گیا، خواہ سرے سے ذبح ہی نہیں کیا گیا ہو جیسے جھٹکا کر کے مارا ہو یا چوٹ کے ذریعہ مارا ہوا جانور یا ذبح تو کیا مگر اس پر اللہ کے نام کے بجائے کسی غیر اللہ کا نام لیا یا کسی کا بھی نہ لیا اور جان بوجھ کر اللہ کے نام کو بوقت ذبح چھوڑ دیا تو یہ ذبح بھی شرعاً معتبر نہیں بلکہ ایسا ہی ہے جیسے کسی جانور کو بغیر ذبح کے ہلاک کر دیا ہو۔ (معارف القرآن)

اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان سے نکاح کے احکامات

سوال کیا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی ذبح کی ہوئی چیزیں کھائیں اور کیا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان کی عورتوں کے ساتھ شادی کریں؟ آیت کی روشنی میں بتائیں۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ {۵} المائدہ

جواب ترجمہ: آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے اور تمہارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں حلال ہیں اور ان میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب ان کے مہر انہیں دے دو ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے اور جو ایمان سے منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

کھانے سے مراد: یہاں کھانے سے مراد ذبیحہ جانور ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسری قسم کے کھانوں میں اہل کتاب اور بت پرست، مشرکین سب برابر ہیں کہ روٹی، آٹا، دال، چاول، پھل وغیرہ جن میں ذبح کی ضرورت نہیں، وہ کسی بھی جائز طریقہ پر حاصل ہو تو مسلمان کو اس کا کھانا جائز ہے اور مسلمانوں سے ان کو ملے تو ان کے لئے حلال ہے۔ اس لئے خلاصہ مضمون اس جملہ کا یہ ہوا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمان کے لئے اور مسلمان کا ذبیحہ اہلِ کتاب کے لئے حلال ہے۔ (معارف القرآن)

اہل کتاب سے مراد : حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اب اس جگہ چند مسائل قابل غور ہیں:

اول یہ کہ اہل کتاب قرآن و سنت کی اصطلاح میں کون لوگ ہیں، کتاب سے کیا مراد؟ اور کیا اہل

کتاب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ اپنی کتاب پر صحیح طور پر ایمان و عمل رکھتے ہوں، اس میں یہ تو ظاہر ہے کہ کتاب کے لغوی معنی یعنی ہر لکھا ہوا ورق تو مراد ہو نہیں سکتا، وہی کتاب مراد ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لئے باتفاق اُمت کتاب سے وہ آسمانی کتاب مراد ہے جس کا کتاب اللہ ہونا باتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ و ابراہیم وغیرہ۔ اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی، جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بدھ آریہ، سکھ وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ جو تورات و انجیل رکھنے والے ہیں وہ باصطلاح قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں، تیسری ایک قوم جس کو صابئین کہتے ہیں ان کے حالات مشتبہ ہیں، جن حضرات کے نزدیک یہ لوگ زبورِ داؤد پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کو بھی اہل کتاب میں شامل قرار دیتے ہیں اور جن کو یہ تحقیق ہوا کہ زبور سے ان کا کوئی تعلق نہیں، یہ نجوم پرست قوم ہیں۔ وہ ان کو بُت پرستوں اور مجوس کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یقینی طور پر جن کو باتفاق اہل کتاب کہا جاتا ہے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ تو قرآن حکیم کے اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہنے اور سمجھنے کے لئے کیا یہ شرط ہے کہ وہ صحیح طور پر اصلی تورات و انجیل پر عمل رکھتے ہوں۔ یا محرف تورات اور انجیل کا اتباع کرنے والے اور عیسیٰ و مریم کو خدا کا شریک قرار دینے والے بھی اہل کتاب میں داخل ہیں۔ سو قرآن کریم کی بے شمار تصریحات سے واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کرنے کے دعویدار ہوں۔ خواہ وہ اس کے اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں۔

قرآن کریم نے جن کو اہل کتاب کا لقب دیا۔ انھیں کے بارے میں یہ بھی جابجا ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں، یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ، اور یہ بھی فرمایا کہ یہود نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ، ان حالات وصفات کے باوجود جب قرآن نے ان کو اہل کتاب قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ جب تک یہودیت و نصرانیت کو بالکل نہ چھوڑ دیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیہ میں مبتلا ہوں (معارف القرآن)

امام جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپ کے کسی عامل یا گورنر نے ایک ایک خط لکھ کر یہ دریافت کیا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تورات پڑھتے ہیں اور یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی یہود کی طرح کرتے ہیں مگر قیامت پر ان کا ایمان نہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ سمجھے جائیں گے۔ (احکام القرآن للجصاص بحوالہ معارف القرآن) صرف نام کے یہودی و نصرانی جو درحقیقت دہریے ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں۔ نہ تورات و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے۔

نصاریٰ کے بارے میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اس کی وجہ یہ بتلائی کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نصاری بنی تغلب کے ذبائح کو نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے مذہب نصرانیت میں سے شراب نوشی کے سوا کچھ نہیں لیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ تفسیر مظہری ۳۴، جلد ۳ مائدہ)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنی تغلب کے متعلق یہی معلومات تھیں کہ وہ بے دین ہیں نصرانی نہیں، اگرچہ نصرانی کہلاتے ہیں۔ اس لئے ان کے ذبیحہ سے منع فرمایا۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی تحقیق یہ تھی کہ یہ بھی عام نصرانیوں کی طرح ہیں، بالکل دین کے منکر نہیں۔ اس لئے انہوں نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا۔

وَقَالَ جُمْهُورُ الْأُمَّةِ : إِنَّ ذَبِيحَةَ كُلِّ نَصْرَانِيٍّ حَلَالٌ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ أَوْ غَيْرِهِمْ، وَكَذَلِكَ الْيَهُودِيُّ ۔ (قرطبی ۶/۷۸) اور جمہور امت کہتے ہیں کہ نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے ۔ خواہ بنی تغلب میں سے ہو، یا ان کے سوا کسی دوسرے قبیلہ اور جماعت سے ہو، اسی طرح ہر یہودی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے۔ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔ (معارف القرآن)

طعام اہل کتاب سے کیا مراد ہے؟: طعام کے لغوی معنی کھانے کی چیز کے ہیں۔ جس میں از روئے لغت عربی ہر قسم کی کھانے کی چیزیں داخل ہیں۔ لیکن جمہورِ امت کے نزدیک اس جگہ طعام سے مراد صرف اہل کتاب کے ذبائح کا گوشت ہے، کیونکہ گوشت کے سوا دوسری اشیاء خوردنی میں اہل کتاب اور دوسرے کفار میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں، کھانے پینے کی خشک چیزیں، گیہوں، چنا، چاول اور پھل وغیرہ ہر کافر کے ہاتھ کا حلال و جائز ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور جس کھانے میں انسانی صنعت کو دخل ہے۔ اس میں چونکہ کفار کے برتنوں اور ہاتھوں کی طہارت کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ بلا ضرورت شدیدہ استعمال نہ کریں۔ مگر اس

میں جو حال مشرکین، بت پرستوں کا ہے، وہی اہل کتاب کا بھی ہے کہ نجاست کا احتمال دونوں میں برابر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب اور دوسرے کفار کے طعام میں جو فرق شرعاً ہو سکتا ہے وہ صرف ان کے ذبائح کے گوشت میں ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں باتفاق امت طعام اہل کتاب سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ امام تفسیر قرطبی نے لکھا ہے

لفظ طعام ہر کھانے کی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جس میں ذبائح بھی داخل ہیں اور اس آیت میں طعام کا لفظ خاص ذبائح کے لئے استعمال کیا گیا ہے اکثر علماء تفسیر کے نزدیک، اور اہل کتاب کے طعام میں سے جو چیزیں مسلمانوں کے لئے حرام ہیں۔ وہ اس عموم خطاب میں داخل نہیں۔ (قرطبی)

اس کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ نے مزید تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ مَا لَا يَحْتَاجُ إِلَى ذَكَاةٍ كَالطَّعَامِ الَّذِي لَا مُحَاوَلَةَ فِيهِ كَالْفَاكِهَةِ وَالْبُرِّ جَائِزٌ أَكْلُهُ، إِذْ لَا يَضُرُّ فِيهِ تَمَلُّكُ أَحَدٍ وَالطَّعَامُ الَّذِي تَقَعُ فِيهِ مُحَاوَلَةٌ عَلَى ضَرْبَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَا فِيهِ مُحَاوَلَةُ صَنْعَةٍ لَا تَعَلُّقَ لِلدِّينِ بِهَا، كَخَبْزِ الدَّقِيقِ، وَعَصْرِ الزَّيْتِ وَنَحْوِهِ، فَهَذَا إِنْ تُجُنِّبَ مِنَ الذِّمِّيِّ فَعَلَى وَجْهِ التَّقَزُّزِ وَالضَّرْبُ الثَّانِي هِيَ التَّذْكِيَةُ الَّتِي ذَكَرْنَا أَنَّهَا هِيَ الَّتِي تَحْتَاجُ إِلَى الدِّينِ وَالنِّيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْقِيَاسُ أَلَّا تَجُوزَ ذَبَائِحُهُمْ كَمَا نَقُولُ إِنَّهُمْ لَا صَلَاةَ لَهُمْ وَلَا عِبَادَةَ مَقْبُولَةٌ رَخَّصَ اللهُ تَعَالَى فِي ذَبَائِحِهِمْ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ، وَأَخْرَجَهَا النَّصُّ عَنِ الْقِيَاسِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ، علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ چیزیں جن میں ذبح کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً وہ کھانا جس میں تصرف نہیں کرنا پڑتا جیسے میوہ اور گندم وغیرہ اس کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں کسی کا مالک بننا چنداں مضر نہیں ہے۔ البتہ وہ کھانا جس میں انسان کو کچھ عمل کرنا پڑتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ

ہو، مثلاً آٹے سے روٹی بنانا، زیتون سے تیل نکالنا وغیرہ، تو کافر ذمی کی ایسی چیزوں سے اگر کوئی بچنا چاہے تو وہ محض طبعی کراہت کی بناء پر ہو گا۔

اور دوسری قسم وہ ہے، جس میں عمل ذبح کرنا پڑتا ہے جس کے لئے دین اور نیت کی ضرورت ہے، تو اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ کافر کی نماز اور عبادتوں کی طرح اس کا عمل ذبح بھی قبول نہ ہونا چاہیے تھا، لیکن اللہ نے اس امت کے لئے خاص طور پر ان کے ذبائح حلال کر دیئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نص نے اس مسئلہ کو خلاف قیاس ثابت کیا ہے۔ (قرطبی سورۃ مائدہ ص ۷۷، ج ۶)

خلاصہ یہ ہے کہ طعام اہل کتاب سے مراد اس آیت میں باتفاق علماء تفسیر وہ طعام ہے جس کی حلت مذہب اور عقیدہ پر موقوف ہے یعنی ذبیحہ۔ اسی لئے اس طعام میں اہل کتاب کے ساتھ امتیازی معاملہ کیا گیا۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان کے مدعی ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریفات نے ان کے دعوی کو مجروح کر دیا۔ یہاں تک کہ شرک و کفر میں مبتلا ہو گئے۔ بخلاف بت پرست مشرکین کے کہ وہ کسی آسمانی کتاب یا نبی یا رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی نہیں رکھتے۔ اور جن کتابوں یا شخصیتوں پر ان کا ایمان ہے۔ وہ نہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتابیں ہیں اور نہ ان کا رسول و نبی ہونا اللہ کے کسی کلام سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی حکمت اور وجہ: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں زیر بحث مسئلہ کا یہ تیسرا سوال ہے۔ اس کا جواب اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور ائمہ تفسیر کی طرف سے یہ ہے کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں سینکڑوں تحریفات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی اسلام کے بالکل مطابق ہے۔ یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر جانور کو مردار میتہ اور ناپاک و حرام قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح مسئلہ نکاح میں جن عورتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے ان کے مذہب میں بھی حرام ہے، اور جس طرح اسلام میں نکاح کا اعلان اور گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کے موجودہ مذہب میں بھی یہی احکام ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی قول اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا نقل فرمایا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَأَبُو أُمَامَةَ، وَمُجَاهِدٌ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وعِكْرِمة، وعَطاء، وَالْحَسَنُ، ومَكْحول، وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِي، والسُّدِّي، ومُقاتل بْنُ حيَّان: يَعْنِي ذَبَائِحِهِمْ وَهَذَا أَمْرٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ: أَنَّ ذَبَائِحِهِمْ حَلَالٌ لِلْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّهُمْ يَعْتَقِدُونَ تَحْرِيمَ الذَّبْحِ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَا يَذْكُرُونَ عَلَى ذَبَائِحِهِمْ إِلَّا اسْمَ اللهِ، وَإِنِ اعْتَقَدُوا فِيهِ تَعَالَى مَا هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْ قَوْلِهِمْ، تَعَالَى وَتَقَدَّسَ (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۴۰)

ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو امامہ رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، حسن رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے طعام اہل کتاب کی تفسیر ان کے ذبائح کے ساتھ کی ہے اور یہ مسئلہ مسلمانوں کے لئے یہاں اجماعی ہے کہ ان کے ذبیح مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کو حرام سمجھتے ہیں اور اپنے ذبیحوں پر خدا کے سوا اور کسی کا نام نہیں لیتے۔ اگرچہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی باتوں کے معتقد ہوں، جن سے باری تعالیٰ پاک اور بلند و بالا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس بیان میں ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام مذکور الصدر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے نزدیک طعام اہل کتاب سے ان کے ذبائح مراد ہیں اور ان کے حلال ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان سب حضرات کے نزدیک ذبائح اہل کتاب کے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے مذہب میں بہت سی تحریفات کے باوجود ذبیحہ کا مسئلہ اسلامی شریعت کے مطابق باقی ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو وہ بھی حرام کہتے ہیں اور ذبیحہ پر اللہ کا

نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں وہ تثلیث کے مشرکانہ عقیدہ کے قائل ہوگئے۔ اور اللہ اور مسیح بن مریم علیہ السلام کو ایک ہی کہنے لگے۔ جس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بے شک کافر ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ ذبیحہ کے متعلق تمام قرآنی آیات جو سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں آئی ہیں، جن میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو بھی اور اس جانور کو بھی جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، حرام قرار دیا ہے۔ یہ سب آیتیں اپنی جگہ پر محکم اور معمول بہا ہیں۔

سورۃ مائدہ کی آیت جس میں طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے، وہ بھی ان آیات کے حکم سے مختلف نہیں کیونکہ طعام اہل کتاب کو حلال قرار دینے کی وجہ ہی یہ ہے کہ ان کے موجودہ مذہب میں بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور، اور وہ جانور جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا حرام ہے۔ موجودہ زمانے میں تورات و انجیل کے جو نسخے اب بھی موجود ہیں ان میں بھی ذبیحہ اور نکاح کے احکام تقریباً وہی ہیں جو قرآن کریم اور اسلام میں ہیں۔

حضرت مفتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض جاہل عوام اپنے مذہب کے اس حکم کے خلاف کچھ عمل کرتے ہوں، جیسا کہ خود مسلمانوں کے جاہل عوام میں بھی بہت سی جاہلانہ رسمیں شامل ہوگئی ہیں مگر ان کو مذہب اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ نصاریٰ کے جاہل عوام کے طرز عمل کو دیکھ کر ہی بعض حضرات تابعین نے یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اپنے ذبائح کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ کوئی اس پر مسیح یا عزیر کا نام لیتا ہے، کوئی بغیر تسمیہ کے ذبح کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آیت مائدہ جس میں طعام اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے۔ اس آیت نے اہل کتاب کے ذبائح کے حق میں سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام کی ان آیتوں میں

تخصیص یا ایک قسم کا نسخ قرار دیا ہے جن میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو یا بغیر اللہ کے نام کے ذبح کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

بعض اکابر علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات تابعین نے اہل کتاب کے متروک التسمیہ ذبیحہ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو حلال فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک بھی اہل کتاب کا اصل مذہب تو اسلامی احکام سے مختلف نہیں ہے۔ مگر ان کے جاہل عوام یہ غلطیاں کرتے ہیں ۔ اس کے باوجود ان حضرات نے جاہل اہل کتاب کو بھی عام اہل کتاب کے حکم سے الگ نہیں کیا اور ذبیحہ اور نکاح کے معاملہ میں ان کا بھی وہی حکم رکھا جو ان کے آباء واجداد اور اصل مذہب کے پیرؤں کا ہے کہ ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ (معارف القرآن)

ابن عربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے استاذ ابو الفتح مقدسی سے سوال کیا کہ موجودہ نصاریٰ تو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں، مثلاً مسیح یا عزیر کا نام بوقت ذبح لیتے ہیں تو ان کا ذبیحہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ اس پر ابو الفتح مقدسی نے فرمایا: (ان کا حکم اپنے آباء واجداد کا سا ہے۔ (آج کے اہل کتاب کا) یہ حال اللہ کو معلوم تھا، لیکن اللہ نے ان کو ان کے آباء کے تابع بنا دیا ہے۔ (احکام ابن عربی ۱/۲۲۹) اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلافِ امت میں جن حضرات علماء نے اہل کتاب کے ایسے ذبائح کی اجازت دے دی ہے جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ غیر اللہ کا لیا گیا، ان کے نزدیک بھی اصل مذہب اہل کتاب کا یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے مذہب میں بھی حرام ہیں مگر ان حضرات نے غلط کار عوام کو بھی اس حکم میں شامل رکھا جو اصل اہل کتاب کا حکم ہے۔ اس لئے ان کے ذبیحہ کو بھی حلال قرار دے دیا اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس پر نظر فرمائی کہ اہل کتاب کے جاہل عوام جو غیر اللہ کے نام یا بغیر اللہ کے نام کے ذبح کرتے ہیں، یہ اسلامی حکم کے تو خلاف ہے ہی، خود نصاریٰ کے موجودہ مذہب کے بھی خلاف ہے، اس لئے ان کے عمل کا احکام پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کا ذبیحہ طعام اہل کتاب میں داخل ہی نہیں، اس لئے اس

کے حلال ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور ان کے غلط عمل کی وجہ سے آیات قرآنی میں نسخ یا تخصیص کا قول اختیار کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

اسی لئے تمام ائمہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ، ابو حیان رحمہ اللہ وغیرہ اس پر متفق ہیں کہ سورۃ بقرہ اور انعام کی آیات میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا۔ یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا مذہب ہے جیسا کہ بحوالہ ابن کثیر اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اور تفسیر بحر محیط میں بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

وَذَهَبَ إِلَى أَنَّ الْكِتَابِيَّ إِذَا لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَى الذَّبِيحَةِ وَذَكَرَ غَيْرَ اللهِ لَمْ تُؤْكَلْ وَبِهِ قَالَ: أَبُو الدَّرْدَاءِ، وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، وَجَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَبِهِ قَالَ: أَبُو حَنِيفَةَ، وَأَبُو يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٌ، وَزُفَرُ، وَمَالِكٌ وَكَرِهَ النَّخَعِيُّ وَالثَّوْرِيُّ أَكْلَ مَا ذُبِحَ وَأُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ۔ (بحر محیط ص ۴/ ۱۸۳)

ان کا مذہب یہ ہے کہ کتابی اگر ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لے اور اللہ کے سوا کوئی نام لے تو اس کا کھانا جائز نہیں، یہی قول ہے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا۔ اور یہی ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ابو یوسف رحمہ اللہ، محمد رحمہ اللہ، زفر رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ نخعی رحمہ اللہ اور ثوری رحمہ اللہ اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور اسلاف امت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اہل کتاب کا اصل مذہب زمانہ نزول قرآن میں بھی یہی تھا کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے یا قصداً اللہ کا نام چھوڑا جائے وہ حرام ہے۔ اسی طرح نکاح کی حلت و حرمت میں بھی اہل کتاب کا اصل مذہب موجودہ زمانے تک اکثر چیزوں میں اسلامی شریعت کے مطابق ہے اس کے خلاف جو کچھ اہل کتاب میں پایا گیا، وہ جاہل عوام کے اغلاط ہیں ان کا مذہب نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

تورات اور انجیل میں ذبیحہ کے متعلق احکامات: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ موجودہ تورات اور انجیل جو مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ

ہوں ان کے مندرجہ ذیل اقوال۔ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مسلم ہے۔ ذبیحہ کے متعلق یہ احکام ہیں:۔

① جو جانور خود بخود مر گیا ہو۔ اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو۔ ان کی چربی اور کام میں لاؤ تو لاؤ، تم اسے کسی حال میں نہ کھانا۔ (احبار، ۲۴) ② پر گوشت کو تو اپنے سب پھاٹکوں کے اندر اپنے دل کی رغبت اور خداوند اپنے دی ہوئی برکت کے موافق ذبح کر کے کھا سکے گا لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا۔ (استثناء ۱۲۔۱۵) ③ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت اور لہو اور گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ (عہد نامہ جدید کتاب اعمال ۲۹،۱۵)

④ عیسائیوں کا سب سے بڑا پیشوا پولس کرنتھیون کے نام پہلے خط میں لکھتا ہے کہ جو قربانی غیر قومیں کرتی ہیں شیاطین کے لئے قربانی کرتی ہیں، نہ کہ خدا کے لئے اور میں نہیں چاہتا کہ تم شیاطین کے شریک ہو۔ تم خداوند کے پیالے اور شیاطین کے پیالے دونوں میں سے نہیں پی سکتے۔ (کرنتھیون ۲۰۔۲۰۔۱۰) ⑤ کتاب اعمال حواریین میں ہے، ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ (اعمال ۱۲۔۲۵)

یہ تورات و انجیل کے وہ تصریحات ہیں جو آج کل کی بائبل سوسائیٹیوں نے چھاپی ہوئی ہیں، جن میں سینکڑوں تحریفات و ترمیمات کے بعد بھی بعینہ قرآن کریم کے احکام کے مطابق یہ چیزیں باقی ہیں قرآن کریم کی آیت یہ ہے کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ ۳)

تم پر حرام کر دیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھونٹا ہوا، اور چوٹ کھا کر مرا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور سینگ کھا کر مرا ہوا اور جسے درندہ نے کھایا ہو،

اِلاّ یہ کہ تم نے اس کو پاک کر لیا ہو، اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے۔

اس آیت نے میتہ یعنی خود مرا ہوا جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور گلا گھونٹا ہوا جانور اور چوٹ سے مارا یا اونچی جگہ سے گر کر مرا ہوا، یا سینگوں کی چوٹ سے مارا ہوا، اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو سب حرام قرار دیئے ہیں، تورات و انجیل کی مذکورہ تصریحات میں بھی "لحم خنزیر" کے علاوہ تقریباً سبھی کو حرام قرار دیا ہے۔ صرف چوٹ سے یا اونچی جگہ سے گر کر سینگوں سے مرنے والے جانور کی تفصیل اگرچہ مذکور نہیں ہے۔ مگر وہ سب تقریباً خود مرے یا گلا گھونٹ کر مارے ہوئے کے حکم میں داخل ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے ذبیحہ پر اللہ کے نام لینے کی تاکید فرمائی ہے، **فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو حرام کیا ہے، **فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ**، بائبل میں کتاب استثناء کی عبارت مذکور نمبر ۲ سے بھی اس کی تاکید مفہوم ہوتی ہے کہ جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ اسی طرح نکاح کے معاملات بھی اہل کتاب کا مذہب اکثر چیزوں میں شریعت اسلام کے مطابق ہے، ملاحظہ ہو، احبار ۱۸،۶ تا ۱۹ جس میں ایک طویل فہرست محرمات کی دی گئی ہے اور جن میں بیشتر وہی ہیں جن کو قرآن نے حرام کیا ہے، یہاں تک کہ جمع بین الاختین، یعنی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے کی حرمت اور حالت حیض میں صحبت کا حرام ہونا بھی اس میں مصرح ہے، نیز بائبل میں اس کی بھی تصریح ہے کہ بُت پرست اور مشرک اقوام سے نکاح جائز نہیں۔ موجودہ تورات کے الفاظ یہ ہیں "تو ان سے بیاہ، شادی بھی نہ کرنا، نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان کی بیٹیاں لینا۔ کیونکہ وہ میرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کر دیں گے۔ تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں"۔ (استثناء ۷۔ ۳۔ ۴)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن میں اہل کتاب کے ذبائح اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حلال اور دوسرے کفار کے ذبائح اور

نساء (عورتوں) کو حرام قرار دینے کی وجہ ہی یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں اہل کتاب کا اصل مذہب آج تک بھی اسلامی قانون کے مطابق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ان کے عوام میں پایا جاتا ہے وہ جاہلوں کے اغلاط ہیں، ان کا مذہب نہیں ہے، اسی لئے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک سورۃ بقرہ، انعام اور مائدہ کی تمام آیات میں کوئی تضاد، یا نسخ، یا تخصیص نہیں ہے۔ اور جن علماء و تابعین نے غلط کار عوام کے عمل کو بھی تبعاً اہل کتاب کے حکم میں شامل رکھا اور آیات بقرہ و انعام میں نسخ یا تخصیص کا قول اختیار کیا ہے، اس کی بھی بنیاد یہ ہے کہ نصاریٰ جن کا قول یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ المَسِیحُ ابنُ مَریَم، یعنی اللہ تو عیسیٰ بن مریم ہی ہیں، یہ لوگ اگر اللہ کا نام بھی لیں تو اس سے مراد عیسیٰ بن مریم ہی لیتے ہیں، اس لئے ان کے ذبیحہ میں اللہ کا نام لینا یا مسیح کا نام لینا برابر ہو گیا۔ اس بنا پر ان حضرات تابعین نے ذبائح اہل کتاب میں اس کی اجازت دے دی ہے، ابن عربی نے احکام القرآن میں اس بنیاد کی وضاحت فرمائی ہے۔ (احکام ابن عربی ۱/ ۲۹۹)

مگر جمہور اُمت نے اس کو قبول نہیں کیا۔ جیسا کہ بحوالہ تفسیر ابن کثیر و تفسیر بحر محیط ابھی گذر چکا ہے۔ اور تفسیر مظہری میں اقوال مختلفہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

وَالصَّحِیحُ المُختَارُ عِندَنَا ھوَ القَولُ الاوَّلُ یَعنِي ذَبَایحَ الکِتَابِی تَارِکاً لِلتَّسمِیَۃِ عَامِداً اَو عَلَی غَیرِ اسمِ اللہ تَعَالٰی لَا یُؤکَلُ اِن عَلِمَ ذٰلِکَ یَقِیناً اَو کَانَ غَالِبُ حَالِھِم ذٰلِکَ وَھُوَ مَحمَلُ النَّھیِ عَن أَکلِ ذَبَایحِ نَصَارٰی العَرَبِ وَمَحمَل قَولِ عَلِی رَضِی اللہ عَنہ لَا تَأکُلُوا مِن ذَبَایحِ نَصَارٰی بَنِي تَغلَبٍ فَاِنَّھُم لَم یَتَمَسَّکُوا مِنَ النَّصرَانِیۃِ بِشَیءٍ اِلَّا بِشُربِھِمُ الخَمرَ فَلَعَلَّ عَلِیًّا (رضی اللہ عنہ) عَلِمَ مِن حَالِھِم اَنَّھُم لَا یُسَمُّونَ اللہ عِندَ الذَّبحِ اَو یُذَبِّحُونَ عَلَی غَیرِ اسمِ اللہ تَعَالٰی فَکَذَا حُکمُ نَصَارٰی العَجمِ اِن کَانَ عَادَتُھُم الذَّبحُ عَلَی غَیرِ اسمِ اللہ تَعَالٰی غَالِباً لَا یُؤکَلُ ذَبِیحَتُھُم وَلَا شَکَّ اَنَّ النَّصَارٰی فِي ھٰذَا الزَّمَانِ لَا یَذبَحُونَ بَل یَقتُلُونَ بِالوَقذِ غَالِباً فَلَا یَحِلُّ طَعَامُھُم (تفسیر مظہری ۳/ ۳۹)

اور صحیح اور مختار ہمارے نزدیک وہ پہلا ہی قول ہے یعنی یہ کہ اہل کتاب کے ذبائح جن پر قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا ہو، یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں۔ وہ حلال نہیں، اگر یقینی طور پر اس کا علم ہو جائے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا یا غیر اللہ کا لیا ہے، یا اہل کتاب کی عام عادت یہ ہو جائے۔ جن بزرگوں نے عرب کے نصاریٰ کے ذبائح کو منع کیا ہے ان کے قول کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ نصاریٰ بنی تغلب کے ذبائح کھانا جائز نہیں، کیونکہ انہوں نے مذہب نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کچھ نہیں لیا۔ اس کا محمل بھی یہی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ثابت ہوا ہو گا کہ بنی تغلب اپنے ذبائح پر اللہ کا نام نہیں لیتے یا پھر غیر اللہ کا نام لیتے ہیں، پس یہی حکم عجمی نصاریٰ کا بھی ہے کہ اگر ان کی عادت یہی ہو جائے کہ عام طور پر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں اور اس میں شک نہیں کہ آج کل کے نصاریٰ تو ذبح ہی نہیں کرتے بلکہ عام طور پر چوٹ مار کر ہلاک کرتے ہیں، اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت مفتی رحمہ اللہ نے دلائل و براہین کے ساتھ بحث کرتے ہوئے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے اور کتابیہ کے ساتھ شادی کرنے کے مسئلے کو واضح فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

یہ تفصیلی بحث یہاں اس لئے نقل کی گئی کہ اس مقام پر مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہ سے ایک سخت لغزش ہو گئی ہے جس کے غلط اور کتاب و سنت اور جمہور امت کے خلاف ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ موصوف سے تفسیر المنار میں اس جگہ دوہری غلطی ہوئی ہے۔

اول تو اہل کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار، مجوس، ہندو، سکھ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی تقسیم و تفریق کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

اور دوسری غلطی اس سے بڑی یہ ہوئی کہ طعام اہل کتاب کے مفہوم میں اہل کتاب کے ہر کھانے کو بلا کسی شرط کے حلال کر دیا، خواہ وہ جانور کو ذبح کریں یا نہ کریں اور اس پر اللہ کا نام لیں یا نہ لیں، ہر حال میں وہ جانور کو جس طرح کھاتے ہیں اس کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا۔

جس وقت ان کا یہ فتوی مصر میں شائع ہوا اس وقت خود مصر کے اور دنیا کے تمام اکابر علماء نے اس کو غلط قرار دیا، اس پر بہت سے مقالے اور رسالے لکھے گئے، مفتی عبدہ کو عہدہ فتویٰ سے معزول کرنے کے مطالبات ہر طرف سے ہوئے، ادھر مفتی صاحب موصوف کے شاگردوں اور کچھ مغرب زدہ یورپین معاشرے کے دلدادہ لوگوں نے بحثیں چلائیں۔ کیونکہ یہ فتویٰ ان کی راہ کی تمام مشکلات کا حل تھا کہ یورپ کے یہود و نصاریٰ بلکہ دہریوں کا ہر کھانا ان کے لئے حلال ہو گیا۔

لیکن اسلام کا یہ بھی معجزہ ہے کہ خلاف شریعت کام خواہ کتنے ہی بڑے عالم سے کیوں نہ ہو جائے، عام مسلمانوں کے قلوب اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوتے، اس معاملہ میں بھی یہی ہوا اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے اس کو گمراہی قرار دیا اور اس وقت یہ معاملہ دَب کر رہ گیا، مگر زمانہ حال کے ملحدین جن کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے کہ جس میں یورپ کی ہر لغویت کھپ جائے اور نئے جوانوں کی نفسانی خواہشات کو پورا کرے انہوں نے پھر اس بحث کو اس انداز سے نکالا کہ گویا وہ خود کوئی اپنی تحقیق پیش کر رہے ہیں، حالانکہ وہ سب نقل مفتی عبدہ کے مذکورہ مقالہ کی ہے، اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے، اب الحمد للہ بقدر ضرورت اس کا بیان ہو گیا۔ (معارف القرآن)

مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لیے: اسی آیت کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لیے جائز ہے؟ اس کے تحت بھی حضرت مفتی صاحب کی تفسیر سے استفادہ کر لیا جائے، حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں، **دوسرا مسئلہ:** اس جگہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے اس ارشاد میں ایک

حکم جو مسلمانوں کے لئے بیان فرمایا کہ اہل کتاب کا طعام جو تمہارے لئے جائز ہے، یہ تو ظاہر ہے مگر اس کا دوسرا جزء یعنی مسلمانوں کا کھانا اہل کتاب کے لئے جائز ہے، اس کا کیا مقصد ہے۔ کیونکہ اہل کتاب جو قرآنی ارشادات کے قائل ہی نہیں، ان کے لئے کیا حلال ہے کیا حرام۔ اس کے بیان سے کیا فائدہ۔

تفسیر بحر محیط وغیرہ میں اس کے متعلق فرمایا کہ دراصل یہ حکم بھی مسلمانوں ہی کو بتلانا منظور ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے جائز ہے۔ اس واسطے تم اپنے ذبیحہ میں سے کسی غیر مسلم اہل کتاب کو کھلا دو تو کوئی گناہ نہیں۔ یعنی اپنی قربانی میں سے کسی کتابی شخص کو دے سکتے ہو اور اگر ہمارا ذبیحہ ان کے لئے حرام ہوتا تو ہمارے لئے جائز نہ ہوتا کہ ہم ان کو اس میں سے کھلائیں، اسی لئے گو یہ حکم بظاہر اہل کتاب کا ہے مگر در حقیقت اس کے مخاطب مسلمان ہی ہیں۔

اور تفسیر روح المعانی میں بحوالہ سدی اس جملہ کا ایک اور منشاء ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے مذہب میں بعض حلال جانور یا ان کے کچھ حصے سزا کے طور پر حرام کر دئے گئے تھے۔ اس لئے وہ جانور یا جانور کا حصہ طعام اہل کتاب میں بظاہر داخل نہیں، لیکن آیت کے اس جملہ نے بتلا دیا کہ جو جانور تمہارے لئے حلال ہے گو اہل کتاب اس کو حلال نہ جانتے ہوں، اگر اہل کتاب کے ذبح کردہ ملیں تو وہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال ہی سمجھے جائیں گے۔ وطعامکم حل لہم میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس تقریر پر بھی آخر کار اس جملہ کا تعلق خود مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا۔ (معارف القرآن)

ذبیحہ اہل کتاب اور نکاح اہل کتاب میں فرق: مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تفسیر مظہری کے حوالے سے اہل کتاب کے ذبیحے اور اہل کتاب کے ساتھ نکاح کے بارے میں ایک فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذبائح کے معاملہ میں اور نکاح کے معاملہ میں وہ فرق یہ ہے کہ ذبائح تو دونوں طرف سے حلال ہیں۔ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے۔ مگر عورتوں کے نکاح کا یہ معاملہ نہیں۔ اہل کتاب کی عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، مگر مسلمانوں کی عورتیں اہل کتاب کے لئے حلال نہیں۔ (معارف القرآن)

مرتد کا ذبیحہ : اہل کتاب کے ذبیحے کے بارے میں مفسرین کرام نے سورۃ المائدہ کی اس آیت کے ذیل میں بڑی وضاحت کے ساتھ مسئلہ لکھا ہے، اسی دوران بعض اہل تفسیر کی نظر اس طرف بھی گئی ہے کہ اگر ایک شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے، مرتد ہو کر اہل کتاب کے کسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے تو کیا اس کا ذبیحہ کھانے کی بھی اجازت ہے؟ یا کیا اسے اپنے ہاتھ کا ذبیحہ کھلانے کی اجازت ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ

اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں۔ بلکہ وہ مرتد ہے، اس کا ذبیحہ باجماعِ امت حرام ہے۔ اسی طرح جو مسلمان ضروریات اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے، اگرچہ وہ قرآن اور رسول کریم ﷺ کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہو وہ بھی مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ محض قرآن پڑھنے یا قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے سے وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہو سکتا، ہاں کسی دوسرے مذہب و ملت کا آدمی اگر اپنا مذہب چھوڑ کر یہودی و نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہو گا۔ اور اس کا ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔ (معارف القرآن)

سورۃ المائدہ کی آیت ۵ کا تیسرا حصہ :

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ : اور ان میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب ان کے مہر انہیں دے دو ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے اور جو ایمان سے منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ یعنی تمہارے لئے مسلمان عفیف و پاکدامن عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ اسی طرح اہل کتاب کی عفیف و پاکدامن عورتوں سے بھی نکاح حلال

ہے، اس میں دونوں جگہ محصنٰت کا لفظ آیا ہے، جس کے معنیٰ عربی لغت و محاورہ کے اعتبار سے دو ہو سکتے ہیں۔ ایک آزاد جس کا مقابل کنیزیں ہیں۔ دوسرے عفیف و پاکدامن عورتیں ہیں لغت کے اعتبار سے اس جگہ بھی دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، اسی لئے علماء تفسیر میں سے مجاہد نے اس جگہ محصنت کی تفسیر حرائر سے کی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ اہل کتاب کی آزاد عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں، کنیزیں حلال نہیں۔ (مظہری)

لیکن جمہور علماء صحابہ و تابعین کے نزدیک اس جگہ محصنٰت کے معنی عفیف و پاکدامن عورتوں کے ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ جس طرح عفیف اور پاکدامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی عفیف و پاکدامن عورتوں سے بھی جائز ہے۔ (احکام القرآن جصاص و مظہری)

لیکن باتفاق جمہور اس جگہ عفیف و پاکدامن عورتوں کی قید کے یہ معنی نہیں کہ غیر عفیف عورتوں سے نکاح ہی حرام ہے۔ بلکہ اس قید کا فائدہ بہتر اور مناسب صورت کی ترغیب ہے کہ خواہ مسلمان عورت سے نکاح کرو یا اہل کتاب سے۔ بہر حال یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ پاکدامن عفیف عورت سے نکاح ہو، بدکار فاسق عورتوں سے نکاح کا رشتہ جوڑنا کسی شریف مسلمان کا کام نہیں (مظہری)

اس لئے خلاصہ مضمون اس جملہ کا یہ ہوا کہ مسلمان کے لئے حلال ہے کہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے یا اہل کتاب کی عورت سے، البتہ دونوں صورتوں میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ عفیف و پاکدامن عورت سے نکاح کرے، بدکار، ناقابل اعتبار عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین و دنیا دونوں کی تباہی ہے، اس سے بچنا چاہیے، اس آیت میں اہل کتاب کی قید سے باجماع اُمت یہ ثابت ہو گیا کہ جو غیر مسلم اہل کتاب میں داخل نہیں، ان کی عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں، ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں، آتش پرست یا بت پرست ہندو یا سکھ، آریہ،

بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں، کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات وانجیل ہی ہیں جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔

باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ وموجود ہیں، نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے اور "وید" اور "گرنتھ" یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے۔ اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا "وید" یا "گرنتھ" وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔

امکان محض اور احتمال محض ہے، جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے باجماع اُمت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے۔ (معارف)

مفتی صاحب رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ آیت قرآن کریم وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ اسی مضمون کے لئے آئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور اہل کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔

غرض قرآن مجید کی دو آیتیں اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح حلال نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ دوسری یہ آیت سورۃ مائدہ کی جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ (معارف القرآن)

اس لئے جمہور علماء صحابہ وتابعین نے دونوں آیتوں کا مدلول ومفہوم یہ قرار دیا کہ اصولی طور پر غیر مسلم عورت سے مسلمان کا نکاح نہ ہونا چاہیے۔ لیکن سورۃ مائدہ کی اس آیت نے کہ اہل کتاب کی

عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے سوا کسی دوسری قوم کی عورت سے بغیر اسلام لائے ہوئے مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب رہا مسئلہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے، ان سے جب کوئی پوچھتا تو وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کریم میں واضح ہے، وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، یعنی مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا کون سا شرک ہو گا کہ وہ عیسیٰ بن مریم یا کسی دوسرے بندہ خدا کو اپنا رب اور خدا قرار دے۔ (احکام القرآن، جصاص)

ایک مرتبہ میمون بن مہران نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں آباد ہیں جہاں اہل کتاب زیادہ رہتے ہیں تو کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب میں یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سنا دیں۔ ایک وہ جس میں مشرکات کے نکاح کو حرام فرمایا ہے۔ دوسری یہ آیت مائدہ جس میں اہل کتاب کی عورتوں کی حلّت بیان کی ہے۔ (معارف القرآن)

میمون بن مہران نے کہا یہ دونوں آیتیں تو میں بھی قرآن میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں۔ میرا سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں کے پیش نظر میرے لئے حکم شرعی کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ کر سنا دیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا، جس کا مطلب علماء امت نے یہ قرار دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہونے پر بھی اطمینان نہیں تھا۔ (معارف القرآن)

اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے

بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے لئے ازرُوئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی۔ ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، تو پھر امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانہ میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے اَعْزِمُ عَلَيْكَ أَنْ لَا تَضَعَ تَاجَ فِتْنَةٍ لِنِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ۔ (کتاب الآثار ص ۱۵۶) یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتداء کریں اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لئے اس سے بڑی مصیبت کیا ہو گی۔

اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ طلحہ اور کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے آیت مائدہ کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیا تو جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔ (مظہری)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دُور بین اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا، اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رُو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں، نہ ان کا تورات و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر، وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لا مذہب اور دہریئے ہیں، محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لئے کسی طرح حلال نہیں۔ اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانہ میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کے عبرت نامے روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن و سنت اور اسوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رُو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلّی پرہیز کریں، آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ (معارف)

وضو کے فرائض

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {٦} المائدہ)

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھولو اور ہاتھ کہنیوں تک اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو اور اگر تم ناپاک ہو تو نہالو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے آیا ہو یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اور اسے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مل لو اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا لیکن تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تاکہ اپنا احسان تم پر پورا کرے تاکہ تم شکر کرو۔

شان نزول : بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا اور ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور آپ ﷺ اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر سو گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر مجھے زوردار مکہ لگائے اور کہا کہ تو نے لوگوں کو ہار کی خاطر روک دیا پھر نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو صبح صادق کا وقت تھا، پانی باوجود تلاش کے نہ ملا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا: اس موقع پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ اے آل ابی بکر! اللہ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت رکھی ہے۔ (فتح الباری ۸ / ۲۷۱) اور حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میرے ہار کا معاملہ ہوا جو ہوا اور اہل افک نے جو کہنا تھا تو میں ایک دوسرے غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی تو ایک بار پھر میرا ہار گم ہو گیا اور لوگ اس کی تلاش میں روک دیے گئے تو ابو بکر نے مجھ سے کہا اے بیٹا! تو ہر سفر میں لوگوں پر مشقت اور آزمائش بنتی ہے؟ اس موقع پر اللہ نے جب تیمم کی رخصت نازل فرمائی تو ابو بکر نے کہا بے شک تو مبارک ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور اس روایت میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ آیت تیمم جو دوسری روایات میں مذکور ہے مراد آیت مائدہ ہے اور اکثر راویوں نے یوں کہا ہے کہ پھر آیت تیمم نازل ہوئی اور آیت کو بیان نہیں کیا۔

اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس کا کوئی حل نہیں ہے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد کون سی آیت ہے۔ اور ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے مراد سورۃ نساء کی آیت ہے دلیل یہ ہے کہ سورۃ مائدہ کی آیت کو آیت الوضو کہا جاتا ہے اور سورۃ نساء کی آیت میں وضو کا ذکر نہیں ہے تو پھر آیت تیمم کی تخصیص سورۃ نساء ہی کی آیت کے ساتھ درست ہو سکتی ہے۔ اور واحدی (نیسابوری) رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سورۃ نساء کی آیت کے سبب نزول کے تحت بھی ذکر کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان ہوا ہے یعنی آیت تیمم سے مراد آیت مائدہ ہی درست ہے کیونکہ مذکور طریق میں اس آیت مائدہ کی تصریح موجود ہے۔ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان پر آیت کے نزول سے پہلے وضو واجب ہی تھا اسی وجہ سے بے آب جگہ میں اترنے کو بہت ناپسند خیال کیا اور ابو بکر (رض) کی جانب سے عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی ہوئی۔

ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام اہل مغازی کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی کوئی نماز بھی بغیر وضو کے نہیں پڑھی گئی اور اس سوائے منکر اور ضدی کے کوئی رد نہیں کرتا، فرماتے ہیں کہ وضو پر پہلے عمل کے باوجود اس کے آیت میں نازل ہونے میں حکمت یہ ہے کہ

وضو کا فرض بھی قرآن پاک میں تلاوت کیا جائے اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ آیت کا ابتدائی حصہ وضو کی فرضیت کے موقع پر نازل ہوا اور پھر بقیہ حصہ جس میں تیمم کا ذکر ہے اس قصے کے بعد نازل ہوا ہو۔ سیوطی ۹۹)

قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ: یعنی سو کر اٹھو یا دنیا کے مشاغل چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لو لیکن وضو کرنا ضروری اس وقت ہے جب کہ پیشتر سے باوضو نہ ہو، آیت کے آخر میں ان احکام کی جو غرض وغایت **وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ** سے بیان فرمائی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ہاتھ منہ دھونے وغیرہ کا وجوب اسی لئے ہے کہ حق تعالیٰ تم کو پاک کر کے اپنے دربار میں جگہ دے۔ اگر یہ پاکی پہلے سے حاصل ہے اور کوئی ناقص وضو پیش نہیں آیا تو پاک کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دینے سے امت حرج میں پڑتی ہے جس کی نفی **مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** میں کی گئی۔ ہاں مزید نظافت، نورانیت اور نشاط حاصل کرنے کے لئے اگر تازہ وضو کر لیا جائے تو مستحب ہو گا۔ شاید اسی لئے **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** میں سطح کلام کی ایسی رکھی ہے جس سے ہر مرتبہ نماز کی طرف جانے کے وقت تازہ وضو کی ترغیب ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَامْسَحُوْا: یعنی تر ہاتھ سر پر پھیر لو۔ نبی کریم ﷺ سے مدت العمر میں مقدار ناصیہ سے کم کا مسح ثابت نہیں ہوتا مقدار ناصیہ چوتھائی سر کے قریب ہے۔ ابو حنیفہ اس قدر مسح کو فرض کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مترجم محقق نے پاؤں کے بعد لفظ کو نہ لکھ کر نہایت لطیف اشارہ فرما دیا کہ اَرْجُلَكُمْ کا عطف مغسولات پر ہے یعنی جس طرح منہ، ہاتھ دھونے کا حکم ہے، پاؤں بھی ٹخنوں تک دھونے چاہئیں سر کی طرح مسح کافی نہیں چنانچہ اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے اور احادیث کثیرہ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر پاؤں میں موزے نہ ہوں تو دھونا فرض ہے۔ ہاں موزوں پر ان شرائط کے موافق جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن تک مسح کر سکتا ہے۔ (فوائد تفسیر عثمانی)

وَاِن كُنتُم جُنُباً فَاطَّهَّرُوا: یعنی جنابت سے پاک ہونے میں صرف اعضائے اربعہ کا دھونا اور مسح کرنا کافی نہیں۔ سطح بدن کے جس حصہ تک پانی بدون تضرر کے پہنچ سکتا ہو وہاں تک پہنچانا ضروری ہے اسی لئے حنفیہ غسل میں مضمضہ اور استنشاق (کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا) کو بھی ضروری کہتے ہیں وضو میں ضروری نہیں سنت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا: یعنی مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا سفر میں پانی بقدر کفایت نہ ملے یا مثلاً کوئی قضائے حاجت کر کے آیا اور وضو کی ضرورت ہے یا جنابت کی وجہ سے غسل ناگزیر ہے مگر پانی کے حاصل کرنے یا استعمال کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہیں تو ان صورتوں میں وضو یا غسل کی جگہ تیمم کرلے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کی مشروعیت سے جو غرض ہے وہ بہر صورت یکساں طور پر حاصل ہوتی ہے۔ (عثمانی)

مَا جَعَلَ عَلَيكُم مِن حَرَجٍ: اس لئے جو احداث کثیر الوقوع تھے ان میں سارے جسم کا دھونا ضروری نہ رکھا صرف وہ اعضاء (منہ، ہاتھ، پاؤں، سر) جن کو اکثر بلادِ متمدنہ کے رہنے والے عموماً کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ان کا دھونا اور مسح کرنا ضروری بتلایا تاکہ کوئی تنگی اور دقت نہ ہو۔ ہاں حدث اکبر بمعنی جنابت جو احیاناً پیش آتی ہے اور اس حالت میں نفس کو ملکوتی خصال کی طرف ابھارنے کے لئے کسی غیر معمولی تنبیہ کی ضرورت ہے، اس کے ازالہ کے لئے تمام بدن کا دھونا فرض کیا۔ پھر مرض اور سفر وغیرہ حالات میں کس قدر آسانی فرما دی۔ اول تو پانی کی جگہ مٹی کو مطہر بنا دیا۔ پھر اعضائے وضو میں سے نصف کی تخفیف اس طرح کر دی کہ جہاں پہلے ہی سے تخفیف تھی یعنی سر کا مسح اسے بالکل اڑا دیا اور پاؤں کو شاید اس لئے ساقط کر دیا کہ وہ عموماً مٹی میں یا مٹی کے قریب رہتے ہیں اور تمام اعضائے بدن کی نسبت سے گرد و غبار میں ان کا تلوث شدید تر ہے۔ لہٰذا ان پر مٹی کا ہاتھ پھیرنا بیکار سا تھا۔ بس دو عضو رہ گئے منہ اور ہاتھ ان ہی کو ملنے سے وضو اور غسل دونوں کا تیمم ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی) صعید طیب: کیونکہ وہ خود پاک ہے تو پاکی ہی پسند کرتا ہے۔

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں ان کو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً کھڑا ہو جائے، اسے بتلا دیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقہ سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا فرما دینا یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہو گئے۔ اس لئے ارشاد ہوا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ، یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو احکام وضو وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہوئیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ شاید اسی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تحیۃ الوضو کا سراغ لگایا ہو۔ اس درمیانی نعمت کے شکریہ پر متوجہ کرنے کے بعد اگلی آیت میں ان سابق نعمتوں اور احسانات عظیمہ کو پھر اجمالاً یاد دلاتے ہیں جن کی شکر گزاری کے لئے بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ عثمانی)

نعمت ہائے ربانیہ کو یاد کرنے کا حکم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۷} المائدہ

جواب ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ دلوں کے حال کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اس نعمت سے مراد سب سے بڑی نعمت "اسلام" ہے، اور اس کے ساتھ دیگر دینی و دنیوی نعمتیں بھی شامل ہیں۔

وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا: یعنی اس عہد و پیمان کو بھی یاد کرو جو اللہ نے تم سے لیا، جب تم نے کہا: "ہم نے سنا اور اطاعت کی"۔ اس عہد سے مراد وہ بیعت ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کی تھی کہ ہر حال میں (آسانی و مشکل میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے، بعض مفسرین نے اس سے مراد وہ عہد بھی لیا ہے جو اللہ نے بنی آدم سے لیا تھا (عالمِ ارواح میں)، اور بعض نے بیعتِ رضوان یا بیعتِ عقبہ کو مراد لیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ: یعنی اللہ سے ڈرو، اس کے عہد کو نہ توڑو، کیونکہ اللہ دلوں کے راز اور نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو نہیں بلکہ دل کی پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے، اس لیے ایمان اور عہد میں اخلاص ضروری ہے۔

عدل و انصاف کا مقام اور فضیلت

سوال یہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ ہمیں دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ اس کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ {٨} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو انصاف کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ اس سے خبردار ہے۔

اہل ایمان کی اہم ذمہ داری: اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کو خطاب کر رہے ہیں جو اس کی عالی ذات پر اور اس کے عظیم الشان رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ انہیں فرما رہے ہیں کہ تم حق کی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاؤ، تمہارا یہ کام محض اس کی رضا کے لیے ہونا چاہیے، تمانصاف کا ترازو تھامے رکھو، کسی قوم کے ساتھ دشمنی، عداوت، بغض اور حسد تمہیں اس بات پر آمادہ

نہ کردے کہ تمانصاف کا ترازو ہاتھ سے پھینک دو، اگر تمہارے سامنے ایک طرف تمہارا کوئی دوست ہے اور دوسری طرف تمہارا کوئی دشمن ہے تو ان دونوں کے درمیان انصاف اور عدل قائم کرنے کا دشوار گزار مرحلہ آن پہنچا ہے تو اس مرحلے میں تم اپنے دشمن سے دشمنی چکانے اور دوست سے دوستی نبھانے کی بجائے یہ دیکھو کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے، اللہ کس بات میں راضی ہو گا اور کس بات سے ناراض ہو گا، اپنے دوست کی طرف جھکنے کی صورت میں دشمن اور مخالف کو نیچا دکھانے کی کوشش کروگے تو اس سے اللہ راضی نہیں ہو گا، عدل و انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہو گا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد : ایک مسلمان جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی درست طریقے سے کرتا ہے اسی طرح حقوق العباد کی بھی درست طریقے سے ادائیگی کرتا ہے، جیسے یہاں قوامین للہ میں حقوق اللہ اور شہداء بالقسط میں حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف اشارہ فرما گیا ہے، کہ جو مسلمان اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔

عدل و انصاف کا مطلب: عدل و انصاف کا مطلب ہے کسی کے ساتھ افراط و تفریط کے بغیر معاملہ کرنا، وہ شخص جس چیز کا مستحق ہے اس تک وہ پہنچنی چاہیے، کسی کی گہری محبت اور شدید دشمنی اسے اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کی طرف مائل نہ کر سکے۔

عدل و انصاف تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ: یہاں تقویٰ حاصل کرنے کا ذریعہ عدل و انصاف کی فراہمی کو قرار دیا، یعنی دوست اور دشمن کے درمیان جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لیے انصاف کرے گا، عدل کا ترازو قائم رکھے گا اسے تقویٰ حاصل ہو گا، قرآن نے اسی لیے واضح حکم دیا کہ انصاف کرو یہ تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے، جو شخص انصاف قائم کرے گا اسے تقویٰ کی کیفیت بہت جلد حاصل ہو گی، ایسے شخص کے لیے متقی بننا بہت آسان ہو جاتا ہے، جیسے آیت کے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے میں بہت خوب طریقے سے جانتا ہوں، تمہاری کوئی ظاہری یا پوشیدہ حرکت میرے علم سے مخفی نہیں رہ سکتی، تمہاری حرکات اور سکنات سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔

عدل اہل ایمان کے ساتھ بدرجہ اولیٰ

حضرت امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوى فَنَهَاهُمْ أَوَّلًا عَنْ أَنْ يَحْمِلَهُمُ الْبَغْضَاءُ عَلَى تَرْكِ الْعَدْلِ ثُمَّ اسْتَأْنَفَ فَصَرَّحَ لَهُمْ بِالْأَمْرِ بِالْعَدْلِ تَأْكِيدًا وَتَشْدِيدًا، ثُمَّ ذَكَرَ لَهُمْ عِلَّةَ الْأَمْرِ بِالْعَدْلِ وَهُوَ قَوْلُهُ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوى وَنَظِيرُهُ قَوْلُهُ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوى (البقرة: ۲۳۷) أَيْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى، وَفِيهِ وَجْهَانِ الْأَوَّلُ: هُوَ أَقْرَبُ إِلَى الِاتِّقَاءِ مِنْ مَعَاصِي اللهِ تَعَالَى، وَالثَّانِي: هُوَ أَقْرَبُ إِلَى الِاتِّقَاءِ مِنْ عَذَابِ اللهِ وَفِيهِ تَنْبِيهٌ عَظِيمٌ عَلَى وُجُوبِ الْعَدْلِ مَعَ الْكُفَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَعْدَاءُ اللهِ تَعَالَى، فَمَا الظَّنُّ بِوُجُوبِهِ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ أَوْلِيَاؤُهُ وَأَحِبَّاؤُهُ (تفسیر کبیر للرازی ج ۱۱/ ۳۲۰)

اللہ نے انہیں حکم دیا کہ تم عدل کرو یہ تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے، اوّلاً انہیں اس بات سے روک دیا کہ بغض و کینہ انہیں عدل چھوڑنے پر نہ ابھارے، پھر نئے سرے سے بات کی جس میں ان کے لیے صراحتاً عدل کرنے کا تاکیدی حکم جاری فرمایا، جس میں شدت ہے، پھر ان کے لیے عدل و انصاف کرنے کے حکم کی علت بیان فرمائی اور وہ ہے اقرب للتقویٰ، اس کی ایک نظیر اس ارشاد میں ہے اور وہ یہ کہ تم معاف کر دو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اس میں دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے عدل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا جاسکتا ہے، دوسری یہ کہ عدل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا جاسکتا ہے، اس میں ایک بڑی تنبیہ بھی ہے کہ کافروں کے ساتھ عدل کرنا ضروری ہے جو اللہ کے دشمن ہیں تو اہل ایمان کے ساتھ عدل کرنا کس قدر ضروری ہوگا جو اس کے دوست ہیں؟

عدل کا جھنڈا اور قیامت: قرآنی ارشادات اور نبوی فرامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں عدل و انصاف ہی کی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف کا ترازو تولنے والوں کی بھی بڑی شان اور قیمت ہے، اسی لیے عادل حکمران قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، تفسیر روح البیان میں ہے کہ

قال فی زهرة الریاض إِذَا كَانَ يَومُ القِيَامَةِ يُنصَبُ لِوَاءُ الصِّدقِ لِابِی بَكرٍ (رضی الله عَنه وَكُلُّ صِدِّيقٍ يَكُونُ تَحتَ لِوَائِهِ وَلِواءُ العَدلِ لِعُمَرَ عنه وَكُلُّ عَادِلٍ يَكُونُ تَحتَ لِوَائِهِ وَلِواءُ السَّخَاوَةِ لِعُثمَانَ رَضِی الله عَنه وَكُلُّ سَخِيٍ يَكُونُ تَحتَ لِوَائِهِ وَلِوَاءُ الشُّهَدَاءِ لِعَلِی رَضی الله عنه وَكُلُّ شَهِيدٍ يَكُونُ تَحتَ لِوَائِهِ وَكُلُّ فَقِيهٍ تَحتَ لِوَاءِ مَعَاذِ بنِ جَبَلٍ وَكُلُّ زَاهِدٍ تَحتَ لِوَاءِ اَبِی ذَرٍّ وَكُلُّ فَقِيرٍ تَحتَ لِوَاءِ اَبِی الدَّردَاءِ وَكُلُّ مُقرِءٍ تَحتَ لِوَاءِ اُبَیِّ بنِ كَعبٍ وَكُلُّ مُؤَذِّنٍ تحتَ لِوَاءِ بِلَالٍ وَكُلُّ مَقتُولٍ ظُلمًا تَحتَ لِوَاءِ الحُسَينِ بنِ عَلِی (روح البیان ۲/ ۳۶۰)

زہرۃ الریاض میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے صدق (سچائی) کا جھنڈا نصب کیا جائے گا، ہر صدیق (سچا بندہ) اس جھنڈے کے نیچے ہو گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے عدل کا جھنڈا نصب کیا جائے گا، ہر عادل (عدل کرنے والا) ان کے جھنڈے کے نیچے ہو گا، سخاوت کا جھنڈا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے نصب کیا جائے گا، ہر سخی ان کے جھنڈے کے نیچے ہو گا، شہیدوں کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نصب کیا جائے گا، ہر شہید ان کے جھنڈے کے نیچے ہو گا، فقہاء کا جھنڈا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لیے نصب کیا جائے گا، ہر فقیہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا، ہر زاہد حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا، ہر فقیر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا، ہر قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا، ہر مؤذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا، جسے دنیا میں ظلماً قتل کیا جائے گا وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گا۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ کے ارشاد پر ہارون کا رونا: حضرت بہلول رحمہ اللہ سے ایک بار ہارون الرشید نے اپنے بارے میں پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو انہوں نے اسے جواب دیا أَنتَ الَّذِی لَو ظَلَمَ أَحَدٌ فِي المَشرِقِ وَأَنتَ فِي المَغرِبِ سَأَلَكَ الله عَن ذٰلِكَ يَومَ القِيَامَةِ فَبَكٰى هَارُونُ (روح البیان

ج ۲/ ۳۵۹) اگر کسی نے مشرق میں ظلم کیا اور تو اس وقت مغرب میں موجود تھا تو اس ظلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ تجھ سے پوچھیں گے، حضرت بہلول رحمہ اللہ نے جب اسے جواب دیا تو اپنی حقیقت جاننے کے بعد ہارون الرشید رونے لگا۔

عادل نوشیروان کا عدل و انصاف: عادل نوشیروان بادشاہ کا عدل مشہور تھا، اس کے بارے میں تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ پوری مملکت میں گھمایا گیا، اس کے ساتھ ایک اعلان کرنے والا اعلان کر رہا تھا کہ جس کسی کا ہمارے ذمے کوئی حق ہے وہ ہم سے لے سکتا ہے، مگر فَلَم یُوجَد أَحَدٌ فِي وِلَایَتِهِ لَه عَلَیهِ حَقٌّ مِن دِرهَمٍ پوری مملکت میں کوئی ایسا ایک آدمی بھی نہیں ملا جس نے کہا ہو کہ اس کے ذمہ میرا کچھ حق تھا، یہی وجہ تھی کہ نوشیروان کا عدل اطراف واکناف عالم میں مشہور ہو گیا، جس طرح حاتم طائی کی سخاوت کا شہرہ پھیلا اسی طرح عادل نوشیروان کا عدل مشہور ہوا، لفظ عادل اس کے لیے اسی لیے مشہور ہوا کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، عادل نوشیروان کے تحت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

اَلمُلکُ لَا یَکُونُ اِلَّا بِالِاِمَارَةِ وَالِاِمَارَةُ لَا تَکُونُ اِلَّا بِالرِّجَالِ وَلَا تَکُونُ الرِّجَالُ اِلَّا بِالأَموَالِ وَلَا تَکُونُ الأَموَالُ اِلَّا بِالعِمَارَةِ وَلَا تَکُونُ العِمَارَةُ اِلَّا بِالعَدلِ بَینَ الرِّعَایَا وَالسُّلطَانُ شَرِیکٌ رِعَایَاهُ فِي کُلِّ خَیرٍ عَمِلُوه (تفسیر روح البیان ج ۲/ ۳۵۹)

ملک حکومت کے بغیر نہیں چلتا، حکومت مردوں کے بغیر نہیں چلتی، مردوں کا مال کے بغیر معاملہ نہیں چلتا، مال آبادی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، آبادی رعایا کے درمیان انصاف وعدل قائم کیے بغیر نہیں ہوتی، بادشاہ رعایا کے تمام خیر کے کاموں میں شریک ہوتا ہے جو وہ سرانجام دیتے ہیں۔

اہل ایمان سے وعدہ مغفرت، حفاظت مصطفےٰ ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ {۹} وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ {۱۰} يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ {۱۱} المائدہ

جواب ترجمہ: ان لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا ثواب ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔ اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر ہاتھ اٹھانے چاہے تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيمٌ: اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے مغفرت (یعنی گناہوں کی بخشش) اور اجر عظیم (یعنی جنت اور عظیم ثواب) ہے۔ اس میں ایمان اور عمل صالح کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے، یعنی صرف ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ "مغفرۃ" سے مراد گناہوں کی معافی اور "أجر عظیم" سے مراد جنت اور اس کے انعامات ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ: جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اس کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، وہ جہنم والے ہیں، یعنی ان کے لیے دائمی عذاب ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، یہاں ایمان والوں اور کافروں کے انجام کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ: اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے تھے، اس میں مسلمانوں کو اللہ کی حفاظت اور نصرت یاد دلائی گئی ہے، بعض مفسرین کے مطابق اس سے مراد وہ واقعہ ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا اور دشمنوں نے حملہ کا ارادہ کیا، مگر اللہ نے انہیں ناکام کر دیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ: آیت کے آخر میں تقویٰ کی تاکید ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایمان والوں کو ہر حال میں اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے، کیونکہ اصل مددگار اور محافظ اللہ ہی ہے۔

عہد و پیمان کا فائدہ

سوال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کیا عہد لیا؟ اس عہد و پیمان کا فائدہ کیا ہوا؟

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ {۱۲} فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۳) المائدہ

جواب ترجمہ: اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی کروگے اور زکوۃ دیتے رہوگے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤگے اور ان کی مدد کروگے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہوگے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں پھر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد کافر ہوا وہ بیشک سیدھے راستے سے گمراہ ہوا۔ تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔ اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (اُن سے) درگزر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیے گئے ایک عظیم عہد کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ میثاق لیا، اور ان ہی میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ نقیب دراصل قوم کا وہ ذمہ دار نمائندہ ہوتا ہے جو اپنی جماعت کے حالات سے باخبر ہو، ان کی اصلاح، نظم اور اطاعت کی نگرانی کرے، بارہ نقیبوں کی تعیین اس بات کی علامت تھی کہ ہر قبیلے پر الگ ذمہ داری عائد کی گئی اور اجتماعی نظام کو منظم شکل دی گئی۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ : اللہ کی معیت کی شرائط: اس میثاق کے وقت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ اگر وہ مقررہ شرائط پوری کریں گے تو اللہ کی معیت اور مدد ان کے ساتھ ہو گی، ان شرائط میں سب سے پہلے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ذکر کیا گیا، جو بندے کے اللہ سے تعلق اور بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بنیاد ہیں، اس کے بعد تمام رسولوں پر ایمان لانے، ان کی تعظیم، مدد اور نصرت کرنے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کا حکم دیا گیا، جس سے مراد اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اگر یہ تمام شرائط پوری کی جاتیں تو اللہ تعالیٰ نے دو عظیم انعامات کا وعدہ فرمایا ①: اوّل یہ کہ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اور ② دوم یہ کہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ : اس کے بعد سخت تنبیہ فرمائی گئی کہ اس واضح عہد کے بعد جو شخص کفر کا راستہ اختیار کرے گا، وہ سیدھی راہ سے بالکل بھٹک جائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد انحراف محض کمزوری نہیں بلکہ سنگین گمراہی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ : اس آیت میں اس عہد شکنی کے نتائج کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے اپنے میثاق کو توڑا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ دلوں کی یہ سختی اس بات کی علامت ہے کہ حق قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو گئی، نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی اور ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی قساوتِ قلبی کا ایک بڑا نتیجہ

یہ نکلا کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرنے لگے، یعنی الفاظ کو ان کے اصل مقامات سے ہٹاتے، معانی بدلتے اور احکام کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالتے رہے۔ نیز جو نصیحتیں انہیں یاد کرائی گئی تھیں، ان کا ایک بڑا حصہ انہوں نے بھلا دیا، گویا دانستہ طور پر شریعت کے اہم احکام کو نظر انداز کر دیا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ : پھر فرمایا گیا کہ آپ ہمیشہ ان میں سے اکثر کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے، سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جو اس روش سے بچے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی بگاڑ کے باوجود ہر قوم میں کچھ صالح افراد باقی رہتے ہیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ : آخر میں نبی کریم ﷺ کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ ان سے درگزر کریں اور چشم پوشی اختیار کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ یہ ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ داعیِ حق کو مسلسل بدعہدی اور خیانت کے باوجود حلم، عفو اور اخلاقِ عالیہ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

خلاصۂ ربط: ان دونوں آیات میں ایک طرف عہدِ الٰہی، اس کی شرائط اور انعامات کا ذکر ہے اور دوسری طرف عہد شکنی کے انجام کو واضح کیا گیا ہے، اس کے ذریعے امتِ محمدیہ کو تنبیہ بھی مقصود ہے کہ محض نسبت کافی نہیں، بلکہ ذمہ داری، اطاعت اور وفاداری ہی اللہ کی معیت اور نصرت کا ذریعہ بنتی ہے۔

بنی اسرائیل کے بارہ سردار: بنی اسرائیل کے بارہ سردار تھے، یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی پیروی کرتے رہیں، سورۃ المائدہ کی آیت ۱۲ میں بارہ نقیب مقرر فرمانے کا ذکر کیا گیا، حضرت موسیٰ جب سرکشوں سے لڑنے کیلئے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ اوبیل قبیلے کا سردار شامون بن اکون تھا، شمعونیوں کا سردار شافاط بن جدی، یہوداکا کالب بن یوحنا، فیخائیل کا ابن یوسف اور افرایم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چودھری قسطمی بن وفون، زبولون کا جدی بن شوری، منشاء کا جدی بن سوسی، دان حملاسل کا ابن حمل، اشار کا ساطور، تفتای کا بحر اور یاسخر کا لابل۔ توراۃ کے

چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔

بارہ سرداروں کے نام: موجودہ تورات کے نام یہ ہیں۔ بنو ادبیل پر صونی بن سادون، بنی شمعون پر شموال بن صور، بنو یہود پر حشون بن عمیاذب، بنو یساخر پر شال بن صاعون، بنو زبولوں پر الیاب بن حالوب، بنو افرایم پر منشا بن عنہ ور، بنو منشاء پر حمائیل بنو بیبا میں پر ابیدن، بنو دان پر جعیذر بنو اشاذ نحایل۔ بون کان پر سیف بن دعوا بیل، بنو نفعالی پر اجذع۔ (تفسیر ابن کثیر)

یاد رہے کہ لیلتہ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بنی خیثمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ اور نو سردار قبیلہ خزرج تھے۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ براء بن معرور رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ، منذر بن عمرو بن حنیش رضی اللہ عنہ۔ انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔ (ابن کثیر)

بارہ خلفاء: حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَهُوَ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، هَلْ سَأَلْتُمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كَمْ يَمْلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ مِنْ خَلِيفَةٍ ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ : مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ قدمتُ الْعِرَاقَ قَبْلَكَ، ثُمَّ قَالَ : نَعَمْ وَلَقَدْ سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : اثْنَا عَشَرَ كَعِدَّةِ نُقَبَاءَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (مسند احمد)

ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس امت

کے کتنے خلیفہ ہوں گے ؟ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں، اس سوال کو تیرے سوا کسی نے نہیں پوچھا، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا، بارہ ہوں گے، جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمُ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، لوگوں کا کام چلتا رہے گا، جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں۔

پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثُمَّ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَتْ عَلَيَّ، فَسَأَلْتُ أَبِي : مَاذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَ : كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ (مسلم) لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اب کونسا لفظ فرمایا، انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہونگے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کرینگے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں۔ پس چار خلفاء تو پے در پے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی خلافت بطریق نبوت رہی، انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہیں، بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے اور انہی میں سے امام مہدی ہیں، جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے۔ (ابن کثیر)

حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ: حضرت امام مہدی کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہو گا اور ان کے والد کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام پر ہو گا، ان کی والدہ کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے نام پر ہو گا، آپ سادات میں سے ہوں گے، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینگے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پُر ہو گی لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں، اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں، نہ سرے سے اس کا

کوئی وجود ہے، بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے، نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے ائمہ مراد ہیں، اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی اختراع ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔

توراۃ میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہونگے، اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے، وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے، انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں، ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نصاریٰ نے جب عہد و پیمان توڑ ڈالا

سوال وہ کون سا عہد و پیمان تھا جو اللہ نے نصاریٰ سے لیا اور کیا انہوں نے اس پر عمل کیا؟ ان کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ اس آیت کی روشنی میں تفسیر کیجیے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ {۱۴} المائدہ

سوال ترجمہ: اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا پھر وہ اس نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی پھر ہم نے ان کے درمیان ایک دوسرے کی دشمنی اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا اور اللہ ان کا کیا ہوا انہیں جتلا دے گا۔

جس طرح اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان کیا تھا اسی طرح نصاریٰ سے بھی کیا تھا کہ وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لائیں گے، ان کی مدد کریں گے، اللہ کی راہ

میں خرچ کریں گے، انہوں نے بھی اس عہد وپیمان پر عمل نہیں کیا، اس کی سزا اللہ نے انہیں یہ دی کہ ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا، یہ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی مدد کرینگے اور اس کی باتیں مانیں گے، لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بد عہدی کی۔ (تفسیر ابن کثیر ج۳ص۶۷)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اَلْمُرَادُ أَنَّ سَبِيلَ النَّصَارَى مِثْلُ سَبِيلِ الْيَهُودِ فِي نَقْضِ الْمَوَاثِيقِ مِنْ عِنْدِ اللهِ، (کبیر) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد وپیمان کو توڑنے میں نصاریٰ یہود کی راہ پر ہی چلتے تھے

نصاریٰ کی فرقہ پرستی: اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی بد عہدی کے باعث انہیں یہ سزا دی کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی، دشمنی ان میں پھیل گئی، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کی نافرمانی کے باعث اللہ نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر وملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے

فَالْمَلَكِيَّةُ تُكَفِّرُ الْيَعْقُوبِيَّةَ، وَكَذَالِكَ الْآخَرُونَ، وَكَذٰلِكَ النُّسْطُورِيَّةُ وَالْأَرْيُوسِيَّةُ، كُلُّ طَائِفَةٍ تُكَفِّرُ الْأُخْرَى فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ، ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقے کو، یعقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں، اسی طرح دوسرے تمام فرقے بھی۔ انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھا ہے، یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، بے نیاز ہے، وہ کسی کی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر رہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج۳ص۶۷)

مقام حیرت ہے کہ یہود ونصاریٰ کفریات میں کس قدر جسارت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ناراضگی والے اسباب ووسائل اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مہربانیوں سے دور ہوتے

چلے گئے، اللہ کے احکامات کا نہ صرف یہ کہ استہزا کیا بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کا انکار و جحود بھی کرنے لگے، پھر ایک دوسرے کی طرف الزامات اور اتہامات کے تیروں کا رخ کرنے لگے، ایک دوسرے پر اپنی فوقیت بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف تکفیری نشانے لگانے شروع کر دیے، اگر آج ہم مسلمان بھی اس تناظر میں اپنے کو جانچیں اور دیکھیں تو ہمیں کیسا محسوس ہو گا کہ ہم یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں سے کس قدر قریب ہو چکے ہیں، مسلکی بنیادوں پر ایک دوسرے کو کافر کہنے میں مصروف عمل ہیں، ہم نے مسلمان فرقوں اور گروہوں کو کافر بنانے پر اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر رکھی ہیں۔

تمام اہل کتاب کو خطاب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ {۱۵} يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۱۶} المائدہ

جواب ترجمہ: اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے رسول آچکے، کتاب کی جو چیزیں تم چھپایا کرتے تھے ان میں بہت سی چیزیں وہ تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور بہت سی چیزوں سے درگذر بھی کر جاتے ہیں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آچکی ہے۔ جو بھی اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے اللہ ان کو سلامتی کی راہوں پر ڈال دیتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ چلاتا ہے

اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ: اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارا

رسول (محمد ﷺ) آ گیا ہے، جو تمہارے لیے بہت سی وہ باتیں واضح کر رہا ہے جنہیں تم اپنی کتاب (تورات و انجیل) میں سے چھپاتے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کی کتابوں میں جو حقائق چھپائے گئے تھے، جیسے نبی ﷺ کی صفات، رجم کی آیت اور انجیل میں آپ ﷺ کی بشارت وغیرہ، ان کو ظاہر کیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کا ظاہر کرنا ضروری نہ تھا یا جن میں مصلحت نہ تھی، ان سے درگزر فرمایا۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَ كِتَابٌ مُبِيْنٌ: کی تفسیر میں "نور" سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے دو معروف اقوال ہیں: پہلا قول: اکثر مفسرین کے نزدیک "نور" سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے، امام طبری، ابن کثیر، بغوی، اور دیگر مفسرین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہاں "نور" سے مراد محمد ﷺ ہیں، جن کے ذریعے اللہ نے حق کو ظاہر کیا، اسلام کو روشن کیا اور شرک کو مٹا دیا۔

امام طبری لکھتے ہیں، يَعْنِي بِالنُّورِ: مُحَمَّدًا ﷺ الَّذِي أَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ، وَأَظْهَرَ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَمَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ، فَهُوَ نُورٌ لِمَنِ اسْتَنَارَ بِهِ، يُبَيِّنُ الْحَقَّ، نور سے مراد محمد ﷺ ہیں، جن کے ذریعے اللہ نے حق کو روشن کیا، اسلام کو ظاہر کیا اور شرک کو ختم کیا، پس وہ نور ہیں جو حق کو واضح کرتے ہیں (جامع البیان) اسی طرح امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يَعْنِي: مُحَمَّدًا ﷺ۔ (مختصر تفسیر بغوی)

امام ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ دوسرا قول: بعض مفسرین کے نزدیک "نور" سے مراد قرآن ہے، امام بیضاوی اور بعض دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ "نور" اور "کتاب مبین" دونوں سے مراد قرآن ہے، کیونکہ قرآن ہدایت اور روشنی ہے، جو شک و ضلالت کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے ہے، امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَعْنِي الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ الْكَاشِفُ لِظُلُمَاتِ الشَّكِّ وَالضَّلَالِ، وَالْكِتَابُ الْوَاضِحُ الْإِعْجَازِ. وَقِيلَ: يُرِيدُ بِالنُّورِ مُحَمَّدًا ﷺ

تطبیق: بعض مفسرین نے دونوں اقوال کو جمع کیا ہے اور کہا ہے کہ "نور" سے مراد نبی کریم ﷺ بھی ہو سکتے ہیں اور قرآن بھی، کیونکہ دونوں ہی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ ہیں۔

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ: اللہ اس (قرآن) کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں، سلامتی کے راستوں کی طرف ہدایت دیتا ہے، اور انہیں اندھیروں (کفر، شرک، گمراہی) سے نکال کر نور (ایمان، ہدایت) کی طرف لے آتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس میں یہ بیان ہے کہ جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں، اللہ انہیں قرآن کے ذریعے سلامتی، امن، اور نجات کے راستے دکھاتا ہے اور انہیں گمراہی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آتا ہے۔

نصاریٰ کا ایک واضح کفریہ عقیدہ

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ {۱۷} المائدہ.

جواب ترجمہ: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہے تو بیشک کافر ہیں (اُن سے) کہدو کہ اگر خدا عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: اللہ تبارک و تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے، اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے، تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں، ہر چیز پر

اس کی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے، کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے، وہ اگر مسیح کو، ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کا موجد و خالق وہی ہے، سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے، جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں، اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا، اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے، اس کی عظمت، عزت بہت بلند ہے، وہ عادل و غالب ہے، جسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے، اس کی قدرتوں کی کوئی انتہاء نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں، اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے (أَنْتَ ابْنِي بِكْرِي) پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے، قرابت داری نہیں۔

اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى أَبِي وَأَبِيكُمْ ، اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ کیلئے یہ لفظ بھی آتا تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور عبادت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں، اس نسبت کا اپنے اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے۔

پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کیلئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب، بہتان و افتراء پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟

کیا دوست دوست کو آگ میں ڈالتا ہے؟ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ أَيْنَ تَجِدُ فِي الْقُرْآنِ أَنَّ الْحَبِيبَ لَا يُعَذِّبُ حَبِيبَهُ؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ، فَتَلَا الصُّوفِيُّ هٰذِهِ الْآيَةَ: {قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ} کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی، قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ یہ قول نہایت عمدہ ہے

اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ، وَصَبِيٍّ فِي الطَّرِيقِ ، فَلَمَّا رَأَتْ أُمُّهُ الْقَوْمَ خَشِيَتْ عَلَى وَلَدِهَا أَنْ يُوطَأَ، فَأَقْبَلَتْ تَسْعَى وَتَقُولُ: ابْنِي ابْنِي! وَسَعَتْ فَأَخَذَتْهُ، فَقَالَ الْقَوْمُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُلْقِيَ ابْنَهَا فِي النَّارِ ـ قَالَ: فَخَفَّضَهُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا وَاللهِ مَا يُلْقِي حَبِيبَهُ فِي النَّارِ (مسند احمد) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا، اس کی ماں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ راستے سے آرہے ہیں تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا اس پر صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائیگا۔

یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے، وہ جو چاہے کر گزرتا ہے، اس کا کوئی حاکم نہیں، اسے کوئی رد نہیں کر سکتا، وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے، زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے، اس کے زیر اثر ہے، اس کی بادشاہت تلے ہے، سب کا لوٹنا اس کی طرف ہے، وہی بندوں کے فیصلے کرے گا، وہ ظالم نہیں عادل ہے، نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔

یہود کے بڑے علماء خدمت نبوی میں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُعْمَانُ بْنُ أَضَاءَ وَبَحْرِيُّ بْنُ عَمْرٍو، وَشَاسُ بْنُ عَدِيٍّ، فَكَلَّمُوهُ وَكَلَّمَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ وَحَذَّرَهُمْ نِقْمَتَهُ، فَقَالُوا: مَا تُخَوِّفُنَا يَا مُحَمَّدُ! نَحْنُ وَاللهِ أَبْنَاءُ اللهِ وَأَحِبَّاؤُهُ، كَقَوْلِ النَّصَارَى، فَأَنْزَلَ (اللهُ) فِيهِمْ {وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللهِ وَأَحِبَّاؤُهُ}

نعمان بن آضا، بحری بن عمرو، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی، اس کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے سنیے، یا محمد! آپ ہمیں کس بات سے ڈرا رہے ہیں؟ ہم تو اللہ کی قسم! اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، یہی نصرانی بھی کہتے تھے پس یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۶۹)

ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَى إِسْرَائِيلَ أَنَّ وَلَدَكَ بِكْرَكَ مِنَ الْوَلَدِ فَيُدْخِلُهُمُ النَّارَ فَيَكُونُونَ فِيهَا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً حَتَّى تُطَهِّرَهُمْ وَتَأْكُلَ خَطَايَاهُمْ، ثُمَّ يُنَادِ مُنَادٍ أَنْ أَخْرِجُوا كُلَّ مَخْتُونٍ مِنْ وَلَدِ إِسْرَائِيلَ فَأَخْرَجُوهُمْ فَذَلِكَ قَوْلُهُمْ: {لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ} [آلِ عِمْرَانَ: ۲۴] (تفسیر ابن کثیر ۳ ص ۷۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے، اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی، اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی، پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں، وہ نکل آئیں، یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے وہ کہتے ہیں ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا دعویٰ کرنے والوں کا کفر یہاں واضح ہو گیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ جس کو کہتے ہیں وہی مسیح بن مریم ہے، اس پر اللہ نے انہیں پیغمبر کی زبان سے کہلوایا کہ ان جاہل پیروکارانِ عیسیٰ کو کہہ دو کہ اگر حضرت مسیح بن مریم معبود اور الٰہ ہوتے جیسے ان کا دعویٰ اور گمان ہے تو پھر وہ اللہ کے اس فیصلے کو ٹالنے پر قدرت رکھتے جس میں اللہ نے حضرت مریم کو موت کی آغوش میں بھیجنے کا فیصلہ کیا، اور اہل زمین سارے کے سارے جن پر اللہ کا فیصلہ آتا ہے اسے ٹالنے کی قدرت رکھتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کو ٹالنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، حضرت مریم فوت ہو گئیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کو موت کے منہ میں جانے سے نہ روک سکے۔

اسی طرح جب اپنے وقت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت کا فرشتہ آئے گا تو وہ اپنی موت کو بھی نہیں ٹال سکیں گے، اس لیے کہ وہ دونوں ماں اور بیٹا اللہ کے بندے اور بندی ہیں، اپنی موت کو ٹالنے کی قدرت ان میں نہیں ہے۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ باقی تمام بنی آدم کی طرح انسان ہی ہیں، آسمانوں اور زمینوں میں موجود تمام مخلوقات اللہ کے قبضے میں ہیں، اللہ اپنی منشاء اور مرضی سے انہیں پیدا کرتا ہے اور عدم سے وجود میں لاتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، توحید در حقیقت اللہ کی فردیت کو ثابت کرنے کا نام ہے کہ وہ اپنی صفاتِ ربوبیت اور صفاتِ الوہیت میں اکیلا اور تنہا ہے، اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی ان صفات میں شریک اور سہیم نہیں ہے۔

مگر افسوس اور دکھ کی بات یہ ہے کہ لوگوں میں سے بہت سوں کو غلط فہمیوں نے جکڑ رکھا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندوں کے بارے میں غلو کا شکار ہوئے، جس کے باعث وہ شرک اور گمراہی میں جا پڑے، جیسے نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا کہ انہیں اللہ کا بیٹا بنا ڈالا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ جس کو اللہ کہتے ہیں وہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے، حالانکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے، ساری مخلوق اس اکیلے اللہ کی مٹھی میں ہے۔

اللہ کی مخلوق کے ہاتھوں پر جو بعض اوقات خرق عادت چیزوں کا ظہور ہوتا ہے حقیقت میں ان کا منبع اور سرچشمہ بھی اللہ ہی کی ذات ہوتی ہے، وہ اپنی منشاء سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے اور اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس پر کوئی زور اور زبردستی نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰ کو الٰہ کس نے کہا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود کس نے کہا؟ اس بارے میں ارباب تفاسیر نے مختلف ارشادات اور فرمودات نقل فرمائے ہیں، تفسیر زاد المسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ هٰؤُلَاءِ نَصَارىٰ أَهلُ نَجرَانَ، وَذٰلِكَ أَنَّهُم اتَّخَذُوهُ إِلٰهاً (تفسیر زاد المسیر) یہ نصاریٰ نجران والے تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا رکھا تھا۔ تفسیر سمعانی میں ہے، قيل : هٰذَا قَولُ اليَعقُوبِيَةِ مِنَ النَّصَارىٰ، (سمعانی ج ۲ ص ۲۳) یہ کہا گیا ہے کہ یہ قول نصاریٰ کے فرقے یعقوبیہ کا ہے کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہے۔ تفسیر کشاف میں کسی فرقے کی صراحت کیے بغیر یوں کہا گیا ہے کہ كَانَ فِي النَّصَارىٰ قَومٌ يَقُولُونَ ذٰلِكَ (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۶۱۷) نصاریٰ میں ایک قوم تھی جو یہ کہتی تھی۔

تفسیر کشاف ہی میں صیغہ تمریض کے ساتھ کہا گیا ہے کہ وَقِيلَ: مَا صَرَّحُوا بِهِ وَلٰكِن مَذهَبُهُم يُؤَدِّي إِلَيهِ ، حَيثُ اعتَقَدُوا أَنَّهُ يَخلُقُ وَيُحيِي وَيُمِيتُ وَيُدَبِّرُ أَمرَ العَالَمِ (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۶۱۷) اور کہا گیا ہے کہ وہ اس بات کی صراحت تو نہیں کرتے تھے لیکن ان کا مذہب اسی سمت ہی لے جاتا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا کرتے ہیں وہ زندہ کرتے ہیں، وہ مارتے ہیں، کائنات کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن عطیہ رحمہ اللہ میں ہے کہ وَهٰذِهِ فِرقَةٌ مِّنَ النَّصَارىٰ وَكُلُّ فِرَقِهِم عَلىٰ اِختِلَافِ أَقوَالِهِم يَجعَلُ لِلمَسِيحِ عليه السلام حَظّاً مِّنَ الأُلُوهِيَّةِ (ج ۲ ص ۱۷۱)

یہ قول نصاریٰ میں سے ایک فرقے کا قول ہے اور نصاریٰ میں جتنے بھی فرقے ہیں ان کے اقوال مختلف ہیں، مگر ایک بات ان میں مشترک ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے الوہیت میں سے کچھ نہ

کچھ حصہ مانتے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ اپنی فلسفیانہ گفتگو کرنے کے بعد ایک فیصلہ کن بات ارشاد فرماتے ہیں کہ فَثَبَتَ أَنَّ النَّصَارَى وَإِنْ كَانُوا لَا يُصَرِّحُونَ بِهَذَا الْقَوْلِ إِلَّا أَنَّ حَاصِلَ مَذْهَبِهِمْ لَيْسَ إِلَّا ذَلِكَ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۲۸) پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگرچہ نصاریٰ اس قول کی صراحت تو نہیں کرتے مگر ان کے مذہب کا حاصل اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

تفسیر لباب میں ہے کہ وهمُ اليَعْقُوبيَّة من النَّصارى، يقولون : المَسِيحُ هو الله، وهذا مذهب الحُلوليَّة، فإنَّهُم يَقُولُون: إنَّ الله تعالىٰ قد يَحِلُّ فى بدن إنْسَان معيَّن أو فى رُوحِهِ، (ج ۷ ص ۲۶۱) یہ بات نصاریٰ میں سے یعقوبیہ فرقے کے لوگوں نے کہی تھی، وہ یہ کہتے تھے کہ مسیح تو اللہ ہی ہے اور یہ مذہب عیسائیوں کے ایک فرقے حلولیہ کا ہے، حلولیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی معین انسان کے بدن میں اترتا ہے یا کسی کی روح میں اترتا ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ وَهُمُ الْيَعْقُوبِيَّة فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارَى (جلالین) یہ کہنے والے نصاریٰ میں سے یعقوبیہ فرقے کے لوگ تھے۔

ابن عجیبہ رحمہ اللہ کی تفسیر البحر المدید میں ہے کہ وَالقَائِلُ بِهٰذِهِ المَقَالَةِ هِيَ الطَّائِفَةُ اليَعقُوبِيةُ مِنَ النَّصَارىٰ (ج ۲ ص ۲۱) یہ کہنے والا گروہ نصاریٰ میں سے یعقوبیہ ہے۔

یہود کا دعوائے باطل و بے دلیل

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ {۱۸} المائدہ

جواب ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، آپ پوچھئے کہ پھر وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ کوئی نہیں! تم بھی اس کی مخلوقات میں سے

(محض) ایک انسان ہو، وہ جس کی چاہے مغفرت کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور آسمانوں اور زمین اور دونوں کے درمیان کی حکومت اللہ ہی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ: یہود و نصاریٰ اپنے کو بہت لاڈلا سمجھتے تھے، وہ اسی بے بنیاد دعوے کی بناء پر گستاخانہ کلمات بھی اپنے منہ سے کہہ جاتے تھے، انہوں نے اسی طرح کا ایک گستاخانہ دعویٰ کیا جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل فرمایا، وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اس دعوے کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں:

بعض نے کہا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ باپ کی طرح شفقت اور محبت کرتا ہے اور وہ اس کے نزدیک خاص مقام رکھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہود نے تورات میں يَا أَبنَاءُ أَحبَارِی پڑھا اور اسے يَا أَبنَاءُ أَبكَارِی میں بدل دیا، اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔ بعض نے کہا کہ نصاریٰ نے جب کہا کہ "المسیح ابن اللہ"، تو اس نسبت سے اپنے آپ کو بھی اللہ کے بیٹے قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ: یعنی: اگر تم واقعی اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر کیوں عذاب دیتا ہے؟ کیونکہ باپ اپنے بیٹے کو اور محب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا، یہود و نصاریٰ خود اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ نے ان کے بعض لوگوں کو دنیا میں عذاب دیا، جیسے قتل، اسیری اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور آخرت میں بھی وہ مانتے تھے کہ انہیں کچھ دنوں کے لیے آگ میں ڈالا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت بیان کی:

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ: یعنی: تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو، تمہیں بھی نیکی اور بدی کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ: یعنی: اللہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، اس کا اختیار ہے، اور وہ اپنے عدل و حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ آخر میں فرمایا:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ: یعنی: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہی سب کا مالک اور حاکم ہے۔

زمانہ فترت کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کا کیا معنیٰ ہے؟

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۱۹} (المائدہ)

جواب ترجمہ، اے اہل کتاب! ہمارا یہ رسول ایسے وقت تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم تمہیں دے رہا ہے جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدّت سے بند تھا، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو دیکھو! اب وہ بشارت دینے اور ڈرانے والا آگیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں وہ فترت مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان ہے، یعنی ان دونوں کی درمیانی مدت، جس کی مقدار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانچ سو انہتر سال ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے، جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں، یہ سب کے بعد ہیں، دیکھ لو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا، (فترۃ) کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے۔

بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی، بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی، بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی، کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو

تینتیس سال کا فاصلہ تھا۔ لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا، بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے اہل کہف کے قصے میں ہے، وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کئے۔

پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی، وہ تین سو سال کی تھی، نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا، آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء تھے، فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ قریب ہوں، اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں، اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں، جن کا نام خالد بن سنان تھا۔ جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے، ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں، دنیا توحید کو بھلا چکی ہے، جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے، سورج، چاند، بت اور آگ کی پوجا کی جا رہی ہے، اللہ کا دین بدل چکا ہے، کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے، دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے، عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے، جہالت و قساوت کا دور دورہ ہے، بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا، پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت و عزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی، وہ کوئی معمولی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں داخلے کا حکم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ {۲۰} یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ {۲۱} قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ {۲۲} المائدہ

جواب ترجمہ: اور اس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دنیا جہان کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا۔ اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے، اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے۔ وہ بولے۔ اے موسیٰ! اس (ملک) میں تو بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔

وَاِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں، اللہ نے ان میں انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے (یعنی بنی اسرائیل میں کثرت سے انبیاء علیہم السلام آئے)۔ انہیں "ملوک" بنایا، یعنی انہیں آزادی، عزت اور خود اختیاری عطا کی، بعض مفسرین کے مطابق یہاں "ملوک" سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کے مالک اور آزاد تھے، یا یہ کہ ان میں بادشاہت قائم ہوئی۔ انہیں وہ نعمتیں عطا کیں جو اس وقت دنیا کی کسی اور قوم کو نہیں ملیں، جیسے من وسلویٰ، نجاتِ فرعون، وغیرہ۔

يَاقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ اے میری قوم! اس مقدس سرزمین (یعنی بیت المقدس اور اس کے اردگرد کا علاقہ) میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، اور پیٹھ نہ پھیرو (یعنی دشمن سے نہ ڈرو اور پیچھے نہ ہٹو)، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قَالُوا يَامُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا: بنی اسرائیل نے جواب دیا: اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بڑے طاقتور اور جابر لوگ (عمالقہ) آباد ہیں، ہم اس وقت تک وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، اگر وہ نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بذریعہ موسیٰ علیہ السلام قوم عمالقہ سے جہاد کر کے ملک شام فتح کرنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ ملک شام کی زمین اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لکھ دی ہے۔ اس لئے کہ فتح یقینی ہے۔

اس کے باوجود بنی اسرائیل نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اس حکم کو بھی نہیں مانا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! اس ملک پر تو بڑے زبردست قوی لوگوں کا قبضہ ہے، ہم تو اس زمین میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں قابض ہیں، ہاں وہ کہیں اور چلے جاویں تو بیشک ہم وہاں جاسکتے ہیں، اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد و قامت کے لوگ تھے۔

عبدالرزاق کی روایت کے مطابق وہ قوم موسیٰ سے طاقت ور اور قد کے لحاظ سے لمبے تھے۔ ابی ضمرہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر آدمی قوم عمالقہ کے ایک آدمی کے سائے میں آجاتے تھے (تفسیر در منثور) ان سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، جانا بیت المقدس پر تھا، جب نہر اُردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر اریحا پر پہنچے، تو یہاں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے انتظام کے لئے بارہ سرداروں کا انتخاب کیا، ان سرداروں کو آگے بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذِ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں جو بیت المقدس پر قابض ہیں اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔

یہ حضرات بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا ایک شخص عوج بن عنق مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، شاہی دربار میں مشورہ ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسری سزا دی جائے، بالآخر رائے اس پر ٹھہری کہ ان کو آزاد کر دیں تاکہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی قوت و شوکت کے ایسے چشم دید گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں

بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام اریحا پر پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب و غریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت و شوکت کا ذکر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر تو ان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح و کامیابی کی بشارت سنا دی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت و شوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے، مگر خطرہ یہ ہو گیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہو گیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے، اس لیے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قوم عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں، مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پر اس کا تذکرہ کر دیا، صرف دو آدمی جن میں سے ایک نام یوشع بن نون اور

دوسرے کالب بن یوقنا تھا۔ انہوں نے موسوی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس راز کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

اور (ظاہر ہے کہ بارہ میں سے جب دس نے راز فاش کر دیا) تو اس کا پھیل جانا قدرتی امر تھا، بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو لگے رونے، پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ فرعون کی طرح ہم بھی غرق دریا ہو جاتے، وہاں سے بچا لا کر ہمیں مروایا جا رہا ہے، انہیں حالات میں بنی اسرائیل نے یہ الفاظ کہے اے موسیٰ! اس شہر میں تو بڑی زبردست قوم آباد ہے جن کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا، اس لیے جب تک وہ لوگ آباد ہیں موجود ہیں ہم وہاں جانے کا نام نہ لیں گے۔ (معارف القرآن)

یوشع بن نون اور کالب کی ایمانی پختگی

سوال ان آیات کا ترجمہ، تفسیر کیجیے، پچھلی آیات کے ساتھ ربط و تعلق کیا ہے؟

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۲۳} قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ {۲۴} المائدۃ

جواب ترجمہ: اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ کا فضل تھا کہ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان دار ہو، کہا اے موسیٰ! ہم کبھی وہاں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

ربط و تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے تعلق یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ کے حکم پر عمل سے انکار کیا، تو اللہ کے نیک بندوں نے انہیں نصیحت کی، لیکن انہوں نے پھر بھی انکار اور سرکشی کا

راستہ اختیار کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں چالیس سال تک سرگردانی (تیہ) کی سزا دی۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا: اس آیت میں ذکر ہے کہ دو مردوں نے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا (یعنی ایمان وہدایت عطا کی تھی)، اپنی قوم کو نصیحت کی کہ "ان (جبارین) کے شہر کے دروازے پر حملہ کرو، جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم غالب آجاؤ گے، اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مؤمن ہو۔

مفسرین کے مطابق یہ دونوں مرد یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار ساتھی اور اللہ کے نیک بندے تھے، ان دونوں نے اللہ کے وعدے پر یقین اور توکل کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کو حوصلہ دیا کہ اللہ کی مدد سے وہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا: اس کے جواب میں بنی اسرائیل نے انتہائی بزدلی اور گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ جبارین وہاں موجود ہیں، پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ جواب ان کی کمزوری، اللہ کے وعدے پر عدم اعتماد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کو ظاہر کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس جملے کو کفر اور اللہ ورسول کی توہین قرار دیا ہے۔

فلسطین کے سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے لیے بارہ افراد پر مشتمل جو وفد بھیجا گیا تھا ان میں دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بھی تھے اور یہ دونوں پکے مومن تھے یوشع تو وہی ہیں جنہوں نے سیدنا خضر علیہ السلام کی تلاش میں سفر میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا تھا اور بعد میں ان کے خلیفہ بھی بنے، ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق وہاں کے حالات کی عام لوگوں کے سامنے تشہیر نہیں کی تھی اور تمام حالات خفیہ طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھی انتہائی بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو اپنی قوم سے کہنے لگے، چونکہ اللہ نے فتح ونصرت کا ہم سے

وعدہ کر رکھا ہے لہٰذا ان جباروں سے ڈرنے کی بجائے اللہ پر بھروسہ کرو، کمر ہمت باندھو اور دروازے میں داخل ہو جاؤ، اگر تم نے اتنی جرات کر لی تو یقیناً اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تم ہی غالب ہو گے۔

ان دونوں نے ان لوگوں کو کہا کہ تم ان جابر و ستمگر لوگوں کی دہلیز تک پہنچ جاؤ، اسباب اختیار کرو، جب تم ان کی دہلیز تک پہنچو گے تو تم ہی غالب رہو گے، ایک اکیلے اللہ پر بھروسہ رکھو، اگر تم اس کے رسولوں اور ان کی تعلیمات کو سچا جانتے ہو، اس کی شریعت پر عمل کرتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں کہا کہ ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ جابر قوم یہاں موجود ہے، اور انہوں نے یہ کہا کہ موسیٰ تو جا اور تیرا رب جائے ان کے ساتھ لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھنے والے ہیں ہم ان سے نہیں لڑیں گے، یہ اصرار انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں کیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے خلاف بد دعا اور اس کا نتیجہ

سوال اس دعائے موسوی کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز دعا کا پس منظر بیان کیجیے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ {۲۵} قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ {۲۶} المائدہ

جواب ترجمہ: موسیٰ نے (اللہ تعالیٰ سے) التجا کی کہ پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کیلئے حرام کر دیا گیا ہے (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں کہا کہ تو جا اور تیرا رب جائے اور قوم عمالقہ سے لڑے ہم تو یہیں بیٹھنے والے ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف بد دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اس

دعا کے نتیجے میں عذاب مسلط کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ان کے اور ان کی فاسق قوم کے درمیان فاصلہ کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے نتیجے میں ان پر یہ عذاب مسلط کیا کہ وہ چالیس سال تک میدان تیہ میں گھومتے رہے۔

فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا کے بعد بنی اسرائیل پر جو سزا نافذ کی، اس کا ذکر ہے، جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر عمل کرنے سے انکار کیا اور کہا: **اِذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ**، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ ان نافرمان لوگوں اور اپنے درمیان جدائی کر دے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعنی وہ مقدس سرزمین (ارضِ مقدسہ) ان پر حرام کر دی گئی، یعنی اب وہ چالیس سال تک اس میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور اس پر قبضہ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں "تحریم" سے مراد "منع" ہے، یعنی اللہ نے ان کے لیے اس سرزمین میں داخلہ روک دیا۔

أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ: وہ چالیس سال تک زمین میں سرگرداں رہیں گے، یعنی صحرائے سینا میں بھٹکتے رہیں گے، نہ انہیں راستہ ملے گا اور نہ وہ اس سرزمین میں داخل ہو سکیں گے۔ اس مدت میں وہ حیران و سرگرداں رہے، یہاں تک کہ ان میں سے جو بڑے اور نافرمان تھے، وہ مر گئے اور نئی نسل پیدا ہوئی۔

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ ان فاسق (نافرمان) لوگوں پر افسوس نہ کریں، کیونکہ یہ سزا ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے ہے۔ "تاسَ" کا مطلب ہے غمگین ہونا، یا افسوس کرنا۔

قصہ ہابیل و قابیل

سوال حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا قصہ آیات اور تفسیر کی روشنی میں بیان کریں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ {۲۷} لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ {۲۸} اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ {۲۹} فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ {۳۰} فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ {۳۱} (المائدہ)

جواب ترجمہ: اور (اے محمد) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچّے (ہیں) پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ اس نے کہا کہ خدا پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کیلئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا۔ مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرۂ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کو یہی سزا ہے، مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا، اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے، کہنے لگا اے افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوّے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا نام ہابیل و قابیل تھا، روایات میں آتا ہے کہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی، اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو پیدا ہوتے تھے، پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان

دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا، ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرلے، حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو، جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا، ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیات میں ہوا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا، قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی، جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا، اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے، حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ، حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کر دیا، پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا، قابیل سے کہا، اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں، آپ جایئے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔

اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کیلئے نکالا، آگ آئی اور ہابیل کی نذر کو جلا گئی، جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی، اس کی کھیتی یونہی رہ گئی، اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں، چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی، اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا، ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے

بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا، برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بے دلی سے اللہ کے نام نکالی، ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا ظلم وزیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔

بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کیلئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی، اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں، موقع کا منتظر تھا ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا، یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا، راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی، اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین، عمدہ، محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بیکار بے جان چیز نکالی، اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔

اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی، ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائیگا، اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا، قابیل نے اپنی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں، اسی لئے میں اس کا حقدار ہوں یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے، اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا، اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی، بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا، یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی

تھی، نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی، قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔

قابیل کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آکر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی ہے اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈھتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا، یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔

بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا، یہ دیکھ اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا

یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لئے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا، یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے، نہ ہلتا جلتا ہے کہا شاید موت آگئی اس نے کہا ہاں وہی موت، اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں، اتنے میں حضرت آدم علیہ السلام آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم و رنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ چلی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں، قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم ﷺ کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے، جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔

حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے، سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔

جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آگئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔

یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا، پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل توراۃ کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے، تجھ پر میری لعنت ہے، اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے، اب تو زمین میں جو کچھ کام

کرے گا وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی، یہاں تک تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا۔ نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔

اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ تو دونوں حضرت آدم کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو، یہ حدیث مرسل ہے۔

کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غم گین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی، آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں، زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی، ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی، اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی، اس کا بوجھ اس پر آ گیا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔

حدیث شریف میں ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں تھیں۔ (تفسیر علامہ ابن کثیر)

ایک جان کا قتل اور ایک جان کا بچانا

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر اور گزشتہ آیت سے ربط و تعلق بیان کیجیے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ {۳۲} المائدہ

جواب ترجمہ: اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ طے کر دیا کہ جس نے بھی بغیر کسی جان کے یا بغیر زمین میں بگاڑ کے کسی کو (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کی جان بچالی تو اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا، ان کے پاس ہمارے رسول کھلی نشانیاں لے کر آچکے پھر اس کے بعد بھی ان میں سے زیادہ تر لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہی رہے ہیں۔

ربط و تعلق: پچھلی آیت میں قابیل کے ہاتھوں ہابیل کے قتل کا واقعہ بیان ہوا، جس میں پہلی بار انسان نے ناحق قتل کا ارتکاب کیا، اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے قتلِ ناحق کی سنگینی اور اس کی سزا کو واضح قانون کی صورت میں بیان فرمایا۔ یعنی، مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ (اسی وجہ سے) سے مراد ہے کہ قابیل کے ظلم اور قتل کے واقعے کے سبب اللہ نے یہ قانون جاری کیا۔

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا، یعنی اس قتل کے واقعے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل پر یہ قانون فرض کیا۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ: کہ جو کوئی کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد (جیسے ڈاکہ، قتل، کفر، زنا وغیرہ) کے بغیر قتل کرے، یعنی ناحق قتل کرے، نہ قصاص میں اور نہ ہی کسی بڑے جرم کے سبب۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا: تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بے گناہ انسان کا قتل اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سنگینی پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے، کیونکہ اس سے معاشرے میں قتل و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا: اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا (یعنی کسی کو قتل سے بچایا یا اس کی جان بچائی)، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا، یعنی ایک جان کی حفاظت اور احترام پوری انسانیت کی حفاظت کے مترادف ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ: اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں حد سے بڑھنے والے (ظلم و فساد کرنے والے) ہیں، یعنی باوجود اس قانون اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے، بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ پھر بھی ظلم و زیادتی اور قتل و فساد سے باز نہ آئے۔

زمین پر فساد مچانے والوں کی شرعی سزا

سوال جو لوگ اللہ اور رسول اللہ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش کرتے ہیں ان لوگوں کی سزا اس آیت کی روشنی میں بیان کریں۔

إِنَّمَا جَزَاؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ {۳۳} المائدہ

جواب ترجمہ: جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سُولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا (بھاری) عذاب (تیّار) ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں، حدود، قصاص، تعزیرات، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لئے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں، اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدارِ کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لئے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لئے ضروری سمجھے وہ جاری کرے، یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگاوے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کر دے، جیسا کہ قرونِ متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے، اور اس وقت تمام ممالک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے۔ (معارف القرآن)

اب سمجھئے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن و سنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے، ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں "تعزیرات" کہا جاتا ہے، اور جن جرائم کی سزائیں قرآن و سنت نے متعین کر دی ہیں وہ دو قسم پر ہیں، ایک وہ جن میں حق اللہ کا غالب قرار دیا گیا ہے ان کی سزا کو "حد" کہا جاتا ہے جس کی جمع "حدود" ہے، دوسرے وہ جن میں حق العبد کو ازروئے شرع غالب مانا گیا ہے، اس کی سزا کو "قصاص" کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے حدود و قصاص کا بیان پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ خود کر دیا ہے باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کو بیانِ رسول ﷺ اور حکامِ وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں، اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں، اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں، سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرفِ عام کی بناء پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم و امیر کو ادنیٰ تغیر و تبدّل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں، ڈاکہ، چوری، زنا، تہمتِ زنا کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہو گئیں، جن کو "حدود" کہا جاتا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم و امیر کم یا معاف نہیں کر سکتا، اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو کر وہاں کا کھاتہ بیباق ہو جاتا ہے۔

ان میں سے صرف ڈاکو کی سزا میں ایک استثناء ہے کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہو جائے تو بھی یہ حد ساقط ہو جائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں، اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے، کہ

ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کر سکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیلِ جرم اور تکمیلِ ثبوت جرم کے لئے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ اَلْحُدُوْدُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَات یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن صورتوں میں حدِ شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرات پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسدادِ جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجئے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا، مگر ازروئے قانونِ شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حدِ شرعی جاری نہیں ہو گی۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دیجائے، بلکہ حاکمِ وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہو گی، یا چوری کے ثبوت کے لئے جو شرائط مقرر ہیں اس میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حدّ شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہو سکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسبِ حال دی جائیں گی۔

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہے، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دی جائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، اگر صاحب حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہو گا، اور حد ساقط نہ ہو گی، مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہو گی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن و سنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم قتل

ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے، اور اس کو قتل کرا دے، اور چاہے معاف کر دے، اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لئے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاء مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرات بڑھ جائے گی اور قتل کی واردات عام ہو جائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولیِ مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کر دیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لئے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے (معارف القران)

حضرت مفتی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ مقابلہ اور محاربہ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

محاربہ کیا ہے؟ یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟ لفظ "محاربہ" حرب سے ماخوذ ہے، اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں، اور مح اورات میں یہ لفظ سَلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکا دکا چوری یا قتل و غارت گری سے امنِ عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اس لئے حضراتِ فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں (تفسیر مظہری)۔

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کرکے امن عامہ کو برباد کریں، اور قانونِ حکومت کو اعلانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل وخونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

محاربہ اور مقاتلہ میں فرق: حضرت مفتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہوگیا کہ لفظ مقاتلہ خون ریز لڑائی کے لئے بولا جاتا ہے مگر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، اور گو ضمناً مال بھی لوٹا جائے، اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے، اسی لئے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان ومال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا، جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے۔

ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا: اب سنئے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے آیت مذکورہ میں، رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں، اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ، یعنی اس کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں

مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔ اس میں سے پہلی سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے، اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ (معارف)

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل و صلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے، بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہو گی، یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)۔

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف اَو کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تقسیم کار کے لئے بھی، اسی لئے فقہاءِ امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف اَو کو تخییر کے لئے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔ سعید بن مسیب ، عطاء، داؤد، حسن بصری، ضحاک، نخعی، مجاہد اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے حرف اَو کو اس جگہ تقسیم کار کے معنے میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آرہے تھے، ان پر

ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے، کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل وغارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہو گیا، اس کو جلاوطن کیا جائے۔

اگر ان لوگوں نے دار الاسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلاواسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا یُصَلَّبُوْٓا ہے، یعنی ان کو سولی چڑھایا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے۔

اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو اس کی سزا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیئے جائیں اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلاواسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سزا سب کے لئے یہی ہو گی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون وامداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لئے سب شریک جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل وغارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے تو ان کی سزا اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ہے۔ یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے، زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعتِ فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دار الاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس

لئے ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے، یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل وخون ریزی ہی پر اکتفاء نہیں ہوتا بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغوا وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا، اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے تو وہ کس سزا کا مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام وامیر کو اختیار ہو گا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حدّ زنا جاری کرے۔ اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا (تفسیر مظہری)۔

آخر آیت میں فرمایا ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے، یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے، اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں، حدود وقصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کرلے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔ (معارف القرآن)

تائبین اور کفار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۳۴} يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ {۳۵} اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۳۶} يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ

النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ {۳۷} المائدہ

جواب ترجمہ: ہاں جو تمہاری پکڑ میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں تو جان رکھو کہ بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستہ میں جان کھپاتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔ بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس زمین بھر چیزیں ہوں اور اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں تو بھی یہ سب چیزیں ان کی طرف سے قبول نہ ہوں گی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ چاہیں گے کہ جہنم سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے مستقل عذاب ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ: یعنی جو لوگ (محاربین: فساد کرنے والے) تمہارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں، تو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مجرم یا محارب اپنی گرفتاری سے پہلے سچے دل سے توبہ کرلے تو اس پر دنیاوی سزا ساقط ہو جاتی ہے، اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو (یعنی اس کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرو) اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ "وسیلہ" سے مراد ہر وہ عمل ہے جو اللہ کی رضا اور قربت کا ذریعہ بنے، جیسے نماز، روزہ، صدقہ، نیکی، دعا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اگر ان کے پاس زمین کی ساری دولت اور اس کے برابر اور بھی ہو، اور وہ قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ میں دینا چاہیں، تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا: وہ (کافر) چاہیں گے کہ جہنم سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے، اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

چور، چوری اور اس کی حد

سوال چوری پر شریعت نے کیا حد لگائی ہے؟ قرآنی آیت کی تفسیر کریں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ {۳۸} فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۳۹} المائدۃ.

جواب ترجمہ: جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔ پھر جو بھی اپنے گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اپنے حال کو درست کرلے تو بیشک اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بلاشبہ اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے

چوری کی سزا بھی حدود میں شامل ہے، اس لیے کہ یہ سزا بھی اللہ نے متعین کی ہے، اسے حکام کی صوابدید پر نہیں چھوڑا اور بطور حق اللہ کے متعین فرمایا ہے، اس لئے اس کو حد سرقہ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے احکامات میں عموماً خطاب مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس میں تبعاً شامل ہوتی ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جملہ احکام میں قرآن و سنت کا یہی اصول ہے، لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ کرکے حکم دیا۔

چونکہ یہ معاملہ حدود کا ہے اور حدود میں معمولی سا بھی شبہ پڑ جائے تو وہ ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے عورتوں کے لئے ضمنی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

سرقہ کا مفہوم: قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو سرقہ کہتے ہیں۔ یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی

رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہوئیں

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چُرانے والے کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

دوسری چیز تعریف سرقہ میں مالِ محفوظ ہوتا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حدِ سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔ تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو، وہ اس کو بالکل لے جائے تو حدِ سرقہ عائد نہیں ہوگی، اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے کیونکہ دوسرے کا مال اعلانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے، غرض خفیہ نہ ہو تو حدّ سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سرقہ کے بارے میں یہ تفصیل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان تمام شرائط کی تفصیل سننے سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے عرف میں جس کو چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے، اس کے تمام افراد پر حدّ سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعاً عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے، تو یہ لازم نہیں ہے کہ کھلی چھٹی مل جائے، بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق اس کو

تعزیری سزا دے سکتا ہے جو جسمانی، کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حدِ شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز و حلال ہے، کیونکہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذاب آخرت کا ذکر نہیں، دنیوی سزا اور وہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے۔ ویسے کسی شخص کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے، جیسا کہ آیت قرآن کریم لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ، میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چوری میں جو الفاظ قرآن کریم کے آتے ہیں وہی زنا کی سزا میں ہیں، مگر چوری کے معاملہ میں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں ہے اور زنا میں اس کے برعکس عورت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ (معارف القرآن)

نکتہ: چوری کی سزا میں ارشاد ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اور زنا کی سزا میں فرمایا ہے الزانية والزانی، اس عکس ترتیب کی حکمتیں حضرات مفسرین نے کئی لکھی ہیں، ان میں زیادہ دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ جرم مرد کے لئے بہ نسبت عورت کے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کی وہ قوت بخشی ہے جو عورت کو حاصل نہیں، اس پر کسب معاش کے اتنے دروازے کھلے ہونے کے باوجود چوری کے ذلیل جرم میں مبتلا ہو، یہ اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے اور زنا کے معاملہ میں عورت کو حق تعالیٰ طبعی حیاء و شرم کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لئے نہایت شدید جرم ہے، اس لئے چوری میں مرد کا ذکر مقدم ہے اور زنا میں عورت کا۔

چوری اور فرامین نبوی ﷺ: روایات میں چور اور چوری کے بارے میں جو کچھ موجود ہے اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مخزومی عورت (فاطمہ) نے چوری کی تو قریش کو (ہاتھ کٹ جانے پر) بہت فکر لاحق ہوئی، کہنے لگے کون ہو سکتا ہے جو اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرے اور

اسامہ کے سوا اور کون ایسی جرات کر سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں؟ (چنانچہ قریش کے کہنے پر) اسامہ نے آپ سے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے اسامہ سے فرمایا کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اس وجہ سے گمراہ ہو گئے کہ اگر ان میں سے کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد لگاتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا (اور ایک روایت میں ہے کہ) آپ نے اس عورت کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا، اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تو میں اس کی حاجت رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا کرتی، اس نے توبہ کی اور اس کی توبہ اچھی رہی (بخاری۔ کتاب الحدود۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ چور پر لعنت کرے۔ ایک انڈے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک رسی کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب الحدود باب لعن السارق اذالم یسم)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ نے ایک ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (بخاری، کتاب الحدود، باب السارق والسارقۃ، مسلم، کتاب الحدود، باب حد السرقہ ونصابہا) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: چور کا ہاتھ چوتھائی دینار یا اس سے زائد پر کاٹ دیا جائے۔ (بخاری۔ کتاب الحدود۔ باب السارق والسارقۃ)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لٹکے ہوئے پھل کی چوری کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص بھوکا ہو اور کھالے مگر ساتھ نہ لے جائے تو اس پر کوئی حد نہیں اور جو شخص دامن بھر کر نکلے تو اس سے دوگنی قیمت وصول کی جائے اور سزا دی جائے اور جو شخص پھلوں کو محفوظ مقام پر پہنچائے جانے کے بعد اس میں چوری کرے اور پھل کی قیمت ڈھال کی قیمت

تک پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اگر قیمت ڈھال سے کم ہو تو دوگنی قیمت لی جائے اور سزا دی جائے۔ (ابو داؤد۔ کتاب الحدود۔ باب مالا یقطع فیہ) آپ ﷺ نے فرمایا: خائن، لٹیرے اور اچکے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔ (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ماجاء فی الخائن والمختلس) آپ ﷺ نے فرمایا: جنگ کے دوران (میدان جنگ میں) ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے۔ (ابو داؤد کتاب الحدود۔ باب السارق)

اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ میدان جنگ میں سب لوگ مسلح ہوتے ہیں اگر سزا پانے والا طیش میں آکر کوئی غلط حرکت کر بیٹھے تو یہ عین ممکن ہے، اس طرح اپنے ہی لشکر میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا صرف چوری کی حد ہی نہیں، ہر قابل حد یا قابل تعزیر جرم کی سزا کو موخر کر دیا گیا، نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے ایام میں چوری کی سزا یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف کر دی تھی اور ان کا استدلال اس واقعہ سے تھا کہ دور نبوی میں عباد بن شرجیل نے کسی کھیت سے غلہ لے لیا، کھیت کے مالک نے عباد بن شرجیل کو پکڑ لیا، اسے مارا اور اس کا کپڑا بھی چھین لیا، پھر اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا تو آپ نے مالک سے فرمایا۔ (اگر یہ نادان تھا تو تو نے اس کو تعلیم کیوں نہ دی اور اگر یہ بھوکا تھا تو تو نے اسے کھانے کو کیوں نہ دیا) چنانچہ آپ ﷺ نے اس بھوکے چور کو کوئی سزا نہیں دلوائی، الٹا مالک نے اسے کپڑا بھی واپس کیا اور مار کے بدلے بہت سا غلہ بھی دیا۔ (تفسیر تیسیر القرآن)

چور کی چوری جب عدالت میں ثابت ہو جائے تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا اور مقدمہ عدالت میں پہنچنے سے پیشتر اگر مالک چور کو معاف کر دے تو یہ جائز ہے مگر عدالت میں پہنچنے کے بعد معاف نہیں کر سکتا، چنانچہ سیدنا صفوان بن امیہ ایک دفعہ مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوئے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور آہستہ سے اس نے وہ چادر آپ کے سر کے نیچے سے کھینچ لی، اتنے میں صفوان بن امیہ کو بھی جاگ آگئی تو وہ اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ (اس پر صفوان کو اس آدمی پر ترس آگیا) اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! میں نے اس کا قصور معاف کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو وہب (یہ صفوان بن امیہ کی

کنیت ہے) تم نے اسے ہمارے ہاں لانے سے پہلے کیوں نہ معاف کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب الرجل یتجاوز للسارق) نیز سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: تم آپس میں ہی ایک دوسرے کو حدود معاف کر دیا کرو۔ پھر جب مقدمہ مجھ تک پہنچ گیا تو حد واجب ہو جائے گی۔ (ابوداؤد۔ نسائی بحوالہ مشکوۃ کتاب الحدود۔ فصل ثانی)

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ چور جب (پہلی بار) چوری کرے، تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو۔ پھر (دوسری بار) چوری کرے تو اس کا (بایاں) پاؤں کاٹ دو۔ پھر (تیسری بار) چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹ دو۔ پھر (چوتھی بار) چوری کرے تو اسکا (دایاں) پاؤں کاٹ دو (شرح السنہ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الحدود)

اللہ کی حاکمیت، یہود کی شرارت، جسارت اور تحریف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور انتہائی مختصر وضاحتی تفسیر فرمائیے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ {۴۳} اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ {۴۴} المائدہ

جواب ترجمہ: کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے مبتلائے عذاب کرے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اے رسول آپ ان لوگوں کا غم نہ کریں جو تیزی سے کفر میں بڑھتے جارہے ہیں (خواہ) وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منھ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل مومن نہیں اور (خواہ) وہ جو یہودی ہوں جو جھوٹ کے لیے کان لگائے رکھتے ہیں دوسرے لوگوں کے لیے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آتے، کلام کو اس کی جگہوں سے ادھر ادھر کرتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) ملے تو لے لینا اور اگر نہ ملے تو بچ رہتا اور اللہ جس کے لیے فتنہ کا ارادہ فرمالے تو اس کے لیے آپ اللہ کے یہاں کچھ نہیں کرسکتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں فرمایا ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

جھوٹ کی طرف کان لگائے رکھنے والے اور جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں بس اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو یا آپ ان کا فیصلہ کردیجیے یا ان سے اعراض فرمایئے اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو بھی وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچاسکیں گے اور اگر آپ کو فیصلہ کرنا ہے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیں بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ آپ سے کیسے فیصلے کراتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ اس کے بعد بھی روگردانی کرتے ہیں اور وہ تو ایمان لانے والے ہیں ہی نہیں۔ ہم نے توراۃ اتاری جس میں ہدایت اور نور تھا اس کے ذریعہ وہ پیغمبر جو اللہ کے فرمان بردار تھے یہودیوں میں فیصلہ کرتے تھے اور (اسی طرح) درویش صفت اور علماء

بھی اس لیے کہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ ٹھہرایا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ بھی تھے تو لوگوں سے مت ڈرو اور بس مجھ ہی سے ڈرو اور تھوڑی قیمت میں میری آیتوں کا سودا مت کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کردہ ایتوں کا سودا مت کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کردہ (کتاب) سے فیصلہ نہ کرے تو وہی ہیں انکار کرنے والے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: الخ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہی اسی کے پاس ہے، وہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے معاف کر دے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، یعنی اللہ کی قدرت کاملہ ہے، وہی سزا و جزا کا مالک ہے، اس کے فیصلے میں کسی کو دخل نہیں۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ: الخ اے رسول! آپ کو ان لوگوں کی وجہ سے غم نہ ہو جو کفر میں دوڑتے ہیں، چاہے وہ منافق ہوں (جو زبان سے ایمان لائے مگر دل سے نہیں) یا یہود ہوں، یہ لوگ جھوٹ سننے والے اور دوسروں (یہود خیبر) کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں۔ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ: کفر میں جلدی کرتے ہیں، یعنی کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ یعنی اللہ کے کلام کو اس کے اصل مقام اور معنی سے ہٹا دیتے ہیں، کبھی لفظ بدل دیتے ہیں، کبھی معنی بدل دیتے ہیں۔

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا: یہ مطلب پرست لوگ ایک دوسرے کو سمجھاتے بجھاتے تھے کہ اگر محمد ﷺ تمہیں وہ حکم دیں جو تمہارے مطلب کا ہو تو لے لو، ورنہ بچو (یعنی نہ مانو۔

وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا: جس کے بارے میں اللہ گمراہی کا ارادہ کرے، تم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ: اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ: یہ لوگ جھوٹ سننے والے اور حرام کھانے والے (رشوت

خور) ہیں۔ السُّحْتِ: حرام مال، خاص طور پر رشوت۔

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ :اگر یہ آپ کے پاس فیصلہ کے لیے آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ فیصلہ کریں یا نہ کریں، اگر آپ فیصلہ نہ کریں تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ :اگر فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بِالْقِسْطِ :انصاف کے ساتھ۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ: یہ لوگ آپ کو اپنا حَکَم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر بھی اس سے منہ موڑتے ہیں، یہ ایمان والے نہیں ہیں۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ: ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس کے مطابق انبیاء، ربانی اور احبار (علماء) یہود کے درمیان فیصلہ کرتے تھے۔ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ :ربانی: بڑے علماء، احبار: یہود کے علماء۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا :میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو (یعنی دنیاوی فائدے کے لیے دین نہ بیچو)۔ ثَمَنًا قَلِيلًا : تھوڑی قیمت، یعنی دنیاوی فائدہ۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ :جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہی کافر ہیں۔

قصاص کا حکم

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ {۴۵} المائدۃ

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلا ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفّارہ ہو گا اور جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

یہودیوں کو سرزنش کی جارہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں، سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنو نضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف منہ کالا کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں، اسی لئے وہاں تو انہیں کافر کہا یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا (والعین) پڑھنا بھی مروی ہے (ابو داؤد) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت چاہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے، جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلے میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی جو بیان ہوا، ایک اس کے بالکل برعکس ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں، اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے، چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔

بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اسے اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی، لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو

فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا، لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا، حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے، اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی، حضور ﷺ کے پاس معاملہ آیا آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا، اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اے انس ! اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے، یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں یا رسول اللہ ﷺ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کے دانت ہر گز نہ توڑے جائیں گے، چنانچہ ہوا بھی یہی کہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی نہ دیت لینی منظور کی۔

نسائی وغیرہ میں ہے، ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے، ان لوگوں نے حضور ﷺ سے آکر عرض کیا کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں، مال ہمارے پاس نہیں تو حضور ﷺ نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا، ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی، آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی، ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا، دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے

گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا، اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں، مرد عورت ایک ہی حکم میں، جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں، اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں، ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی، قاعدہ اعضا کا کٹنا تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے، جیسے ہاتھ، پیر، قدم، ہتھیلی وغیرہ، لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں، ان کی بابت حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطر کی جگہ ہے، ان کے برخلاف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطاء رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ، ابراہیم رحمہ اللہ، نخعی رحمہ اللہ اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری رحمہ اللہ اور لیث بن سعد رحمہ اللہ بھی۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے، لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں، اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار مار دی، جس سے اس کی کلائی کٹ گئی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے ایک راوی ہشم بن عکلی اعرابی ضعیف ہیں، ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، دوسرے راوی غران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ مار دی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے، آپ نے دلوا دیا، اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں تو لنگڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا، اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرما دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

تفسیر تیسیر القرآن میں اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر لکھتے ہیں یہاں ایک بنیادی بات یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی حکم جو تورات میں یہود کو دیا گیا ہو اور قرآن اس کو یوں بیان کرے کہ اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کا ذکر نہ کرے اور نہ ہی آپ نے نکیر فرمائی ہو تو وہ حکم بعینہ ہو تو وہ حکم مسلمانوں کے لیے بھی قابل عمل ہو گا اگرچہ قرآن اسے مسلمانوں کے لیے الگ سے بیان کرے یا نہ کرے اس کی ایک مثال تو یہی آیت ہے اور دوسری مثال رجم کا حکم ہے اور اس آیت میں قصاص کی جو صورت بیان ہوئی ہے احادیث اسی کی تائید و تشریح کرتی ہیں چنانچہ درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان لڑکی کا جو زیور پہنے ہوئے تھی، محض زیور حاصل کرنے کے لیے سر کچل دیا، اس لڑکی سے پوچھا گیا کہ کس نے اس کا سر کچلا؟ فلاں نے یا فلاں نے؟ یہاں تک کہ جب قاتل یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر کے اشارے سے بتایا: ہاں! وہ یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا، اس نے جرم کا اقرار کر لیا تو آپ نے بھی دو پتھروں کے درمیان اس کا سر رکھ کر کچلوا دیا۔ (مسلم، بخاری)

سیدنا یعلی کہتے ہیں کہ میں ایک جنگ میں گیا، وہاں ایک شخص نے دوسرے کو دانت سے کاٹا، اس نے زور سے اپنا ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا، پھر وہ قصاص کے لیے آپ کے پاس آیا، تو

آپ نے اس کا قصاص باطل قرار دیا اور فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں رہنے دیتا کہ تو اسے یوں چبا جائے جیسے اونٹ چباڈالتا ہے (بخاری)

احکام قصاص: آپ نے فرمایا: جان کی دیت سو اونٹ ہیں۔ (نسائی۔ کتاب القسامۃ والقود الدیۃ۔ باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی ربیع بنت نضر نے ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ ڈالا، لڑکی کے وارثوں نے قصاص کا مطالبہ کیا۔ آپ کے پاس مقدمہ آیا تو آپ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ انس بن نضر جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا (اور ربیع کے بھائی) تھے کہنے لگے، یارسول اللہ! اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہو گا کہ ربیع کا دانت توڑا جائے۔ آپ نے فرمایا: انس (یہ کیا کہہ رہے ہو) قصاص تو اللہ کا حکم ہے پھر (اللہ کی قدرت کہ) لڑکی کے وارث قصاص کی معافی اور دیت لینے پر راضی ہوگئے، اس وقت آپ نے فرمایا: اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ (اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے) قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم سچی کر دیتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص قتل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالہ کر دیا، قاتل کہنے لگا، یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میرا قتل کا ارادہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے وارث سے فرمایا: اگر قاتل (اپنے بیان میں) سچا ہے اور تو نے اسے قتل کر دیا تو تو دوزخ میں جائے گا۔ چنانچہ وارث نے اسے چھوڑ دیا۔ (ترمذی۔ ابواب الدیات۔)

قصاص میں یہودی قبائل کی ایک دوسرے پر برتری کا تصور: مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان میں سے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی آپس میں چپقلش رہتی تھی، بنو نضیر طاقتور اور مالدار تھے اور بنو قریظہ ان کی نسبت کافی کمزور تھے اسی وجہ سے ان کے درمیان رسم یہ چل نکلی تھی کہ اگر بنو قریظہ کے ہاتھوں بنو نضیر کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کے بدلے بنو نضیر بنو قریظہ سے دوگنا دیت وصول کرتے تھے جبکہ خود اس سے نصف دیتے تھے اس طرح وہ تورات کے دو حکموں کی خلاف ورزی کرتے ایک یہ کہ تورات میں قصاص کا قانون تو تھا لیکن دیت کا نہیں تھا،

دوسرے بنو نضیر کے خون کی دیت بنو قریظہ کے خون کی دیت سے دوگنا تھی، ایک دفعہ بنو نضیر کا ایک آدمی بنو قریظہ کے کسی آدمی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو انہوں نے دوگنی دیت کا مطالبہ کر دیا، بنو قریظہ نے جواب دیا کہ اب وہ وقت گئے جب تم ہم سے دگنی دیت وصول کیا کرتے تھے۔ اب ہم یہ مقدمہ محمد ﷺ کی عدالت میں پیش کریں گے، کیونکہ یہود آپ کو جھوٹا نبی کہنے کے باوجود یہ یقین رکھتے تھے کہ آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے چنانچہ آپ ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق برابر دیت کا فیصلہ دیا۔

قرآن کریم کے الفاظ (فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ (المآئدہ:۴۵) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی درست ہیں، ایک یہ کہ اگر مجروح جارح کو معاف کر دے تو اس کا یہ معافی دینا اس کے اپنے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور دوسرا یہ کہ مجروح کا معافی دینا جارح کے جرم کا کفارہ بن جائے گا اور ان دونوں کو ملانے سے مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ مجروح کا معاف کر دینا جارح کے جرم کا بھی کفارہ بن جاتا ہے اور مجروح کے اپنے گناہوں کا بھی۔ (تیسیر القرآن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کیجیے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ {۴۶} وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ {۴۷} المائدہ

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا ان سے پہلے کی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتے ہوئے اور ان کو ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا اس طور پر کہ وہ بھی پہلے کی کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والی تھی اور ہدایت اور نصیحت تھی پرہیز گاروں کے لیے۔ اہل انجیل کو

چاہیے تھا کہ میں نے جو کچھ اتارا ہے اس کے مطابق ہی فیصلہ کرتے اور جو کوئی بھی اللہ کی نازل کی ہوئی چیز کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ :الخ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے پچھلے انبیاء علیہم السلام (بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام) کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھیجا، جو اپنے سے پہلے آئی ہوئی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ ہم نے انہیں انجیل عطا کی، جس میں ہدایت، روشنی (نور) اور متقین کے لیے نصیحت تھی۔ **وَقَفَّيْنَا**: ہم نے پیچھے بھیجا" یا" ہم نے پے در پے بھیجا"۔ یہاں مراد ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پچھلے انبیاء علیہم السلام کے بعد بھیجا، یعنی ان کے نقش قدم پر۔ **عَلَىٰ اٰثَارِهِمْ**: ان کے آثار پر" یعنی انبیاء بنی اسرائیل کے بعد، ان کے راستے پر۔ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** :اس کی تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی اور اس کے احکام کو سچ مانا۔

وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ :ہم نے اسے انجیل دی، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے انجیل نامی آسمانی کتاب عطا کی۔

فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ: اس میں ہدایت اور روشنی ہے، ہدایت سے مراد گمراہی سے بچانے والی رہنمائی اور نور سے مراد احکام کی وضاحت اور حق و باطل میں فرق کرنے والی روشنی ہے۔ **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ**: متقین کے لیے نصیحت، یعنی جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے انجیل میں نصیحت ہے۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ: پھر اہلِ انجیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہی فاسق (نافرمان) ہیں۔

بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ :جو اللہ نے اس میں نازل کیا" یعنی انجیل میں جو احکام اللہ نے دیے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ: وہی لوگ فاسق ہیں، یعنی جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔

ہر امت کے لیے شریعت اور منہاج

سوال کتابوں کے نزول اور امتوں کے مابین شرائع میں اختلاف کی کیا حکمت ہے؟ نیز سورۃ المائدہ

کی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ {۴۸} المائدۃ. کی تفسیر کیجیے

جواب ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے آپ جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو آپ کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا، ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتادے گا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے صداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ یقیناً اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اس کا کلام ہے، یہ تمام پہلی آسمانی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت و ثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی، پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے، جیسے ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (الاسراء:۱۰۷) جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا، جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا، اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسولوں کے سر تاج آ ہی گئے اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے، یعنی اس میں جو کچھ ہے، وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا، اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے، یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے، جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں، وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں، اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر :۹) اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو، خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی، اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں، لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلے کرنے ضروری ہیں، ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا، ان میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔

شرعہ اور منہاج کا مطلب : کسی چیز کی طرف ابتدا کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں، منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، وہ سب توحید پر متفق تھیں، البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، دِينُنَا وَاحِدٌ (بخاری) ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہم سب کا دین ایک ہی ہے، ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی

رہی۔ جیسے قرآن میں ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے، ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔

اور اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:۳۶) ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوال دوسروں کی عبادت سے بچو، احکام کا اختلاف ضرور، کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہوگئی یا اس کے برعکس، یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہوگئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ مثلاً توراۃ ایک شریعت ہے، انجیل ایک شریعت ہے، قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے، البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد ﷺ! تم میں سے ہر شخص کیلئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے، تم سب کو اس کی اقتدار اور تابعداری کرنی چاہیے۔

علیحدہ شریعتیں : اس کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی۔

لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے، ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے، یہاں تک کہ اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہوگئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے، یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کیلئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزاء اور نافرمانوں کو سزا ملے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے، اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔

پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہیے، اللہ کی اطاعت، اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہیے اور اس آخری شریعت، آخری کتاب اور آخری پیغمبر ﷺ کی بجاں فرماں برداری کرنی چاہیے، لوگو! تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے، وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتادے گا، سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بحثی، سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا، جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔

اور فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو کہیں اس خائن، مکار، کذاب، کفار یہود کی باتوں میں آکر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا، اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے، اسی لئے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی ہے، اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج، اللہ کے دین کے مخالف، ہدایت سے دور ہیں۔ جیسے ارشاد فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:۱۰۳) یعنی گو تو حرص کرکے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔

اور اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الانعام :۱۱۶) اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کرلیں گے اور ہم آپ کو ماننے کیلئے تیار ہیں، آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے، اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے، آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔

اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں، جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں، ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف، خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت و ضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو الیاسق نے گھڑ دیئے تھے، وہ بہت سے احکام کے مجموعے اور دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے، یہودیت، نصرانیت، اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے، جو صرف اپنی عقلی اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کئے گئے تھے، جن میں اپنی خواہش کی ملاوٹ بھی تھی، پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب و سنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی، در حقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف آجائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب و سنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کیلئے اللہ سے بہتر حکمران اور کار فرما کون ہو گا؟ اللہ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے، صاف، سہل اور عمدہ احکام و قواعد مسائل و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے، وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے، وہ پورے اور پختہ علم والا کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مَنْ حَكَمَ بِغَيْرِ حُكْمِ اللهِ، فَحُكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک شخص نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے پوچھا کہ أُفَضِّلُ بَيْنَ وَلَدِي فِي النحل ؟ کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت {أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ [وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ]} پڑھی۔

حافظ ابو القاسم طبرانی رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ، عَزَّ وَجَلَّ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَطَالَبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُرِيقَ دَمَهُ، اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند لوگوں میں وہ شخص ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شرائع انبیاء میں جزوی اختلاف اور اس کی حکمت: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دوسری ہدایت کے ساتھ ایک اہم اصولی سوال کا جواب بھی بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ جب تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے اور ان کی شریعتیں سب اللہ جل شانہ کی ہی طرف سے ہیں، تو پھر ان کی کتابوں اور شریعتوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اور آنے والی شریعت و کتاب پچھلی شریعت و کتاب کو منسوخ کیوں کرتی ہے؟

اس کا جواب مع حکمت خداوندی کے اس آیت میں بیان کیا گیا: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدہ ۴۸) یعنی ہم نے تم میں سے ہر طبقہ کے لئے ایک خاص شریعت اور خاص طریق عمل بنایا ہے، جس میں اصول مشترک اور متفق علیہ ہونے کے باوجود فروعی احکام میں کچھ اختلافات بمصلحت ہوتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ تم سب کو ایک ہی امت ایک ہی ملت بنا دیتا، سب کی ایک ہی کتاب ایک ہی شریعت ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ لوگوں کی آزمائش مقصود تھی کہ کون لوگ ہیں جو عبادت کی حقیقت سے واقف ہو کر

ہر وقت گوش بر آواز رہتے ہیں کہ جو حکم ملے اس کی تعمیل کریں، جو نئی کتاب یا شریعت آئے اس کا اتباع کریں اور پہلی شریعت و کتاب ان کو کتنی محبوب ہو اور آبائی مذہب ہو جانے کے سبب اس کا ترک کرنا ان پر کتنا ہی شاق ہو مگر وہ ہر وقت گوش بر آواز اطاعت کے لئے تیار رہتے ہیں اور کون ہیں جو اس حقیقت سے غافل ہو کر کسی خاص شریعت یا کتاب کو مقصد بنا بیٹھے اور اس کو ایک آبائی مذہب کی حیثیت سے لئے ہوئے ہیں اس کے خلاف کسی حکم خداوندی پر کان نہیں دھرتے۔ (معارف القرآن)

اختلاف شرائع میں بڑی حکمت : حضرت مفتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اختلاف شرائع میں یہ ایک بڑی حکمت ہے جس کے ذریعہ ہر زمانے ہر طبقہ کے لوگوں کو صحیح عبادت و عبودیت کی حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ درحقیقت عبادت نام ہے بندگی اور اطاعت و پیروی کا جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یا ذکر و تلاوت میں منحصر نہیں اور نہ یہ چیزیں اپنی ذات میں مقاصد ہیں، بلکہ ان سب کا مقصد صرف ایک حکم الٰہی کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جن اوقات میں نماز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں نماز کوئی کار ثواب نہیں بلکہ اُلٹا گناہ کا موجب ہے۔ ایام عیدین وغیرہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے تو اس وقت روزہ رکھنا گناہ ہے۔ نویں ذی الحجہ کے علاوہ کسی دن کسی مہینہ میں میدان عرفات میں جمع ہو کر دعا و عبادت کرنا کار ثواب نہیں جبکہ نویں ذی الحجہ میں سب سے بڑی عبادت یہی ہے اسی طرح تمام دوسری عبادات کا حال ہے، جب تک ان کے کرنے کا حکم ہے تو وہ عبادات ہیں اور جب اور جس حد پر ان کو روک دیا جائے تو وہ بھی حرام و ناجائز ہو جاتی ہیں، جاہل عوام اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، جو عبادات ان کی عادات بن جاتی ہیں بلکہ جن قومی رسوم کو وہ عبادات سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں، صریح احکام خدا اور رسول کو بھی ان کے پیچھے نظر انداز کر دیتے ہیں یہیں سے بدعات و محدثات دین کا جزو بن جاتی ہیں، جو پچھلی شریعتوں اور کتابوں کی تحریف کا سبب ہوئی ہیں، اللہ جل شانہ نے مختلف پیغمبروں پر مختلف کتابیں اور شریعتیں نازل فرما کر انسانوں کو یہی سکھایا ہے کہ کسی ایک عمل یا ایک قسم عبادت کو مقصود نہ بنالیں، بلکہ صحیح معنی میں اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں اور جس وقت پچھلے عمل کو

چھوڑ دینے کا حکم ہو فوراً چھوڑ دیں اور جس عمل کے کرنے کا ارشاد ہو فوراً اس پر عمل پیرا ہوں۔ (معارف القرآن)

ایک اور حکمت : حضرت مفتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ اختلاف شرائع کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا کے ہر دور اور ہر طبقہ کے انسانوں کے مزاج و طبائع مختلف ہوتی ہیں، زمانہ کا اختلاف طبیعت انسانی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، اگر سب کے لئے فروعی احکام ایک ہی کر دیئے جائیں تو انسان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جائے، اس لئے حکمت الہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر زمانہ اور ہر مزاج کے جذبات کی رعایت رکھ کر فروعی احکام میں مناسب تبدیلی کی جائے، یہاں ناسخ و منسوخ کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ حکم دینے والے کو پہلے حالات معلوم نہ تھے تو ایک حکم دیدیا، پھر نئے حالات سامنے آئے تو اس کو منسوخ کر دیا، یا پہلے غفلت و غلطی سے کوئی حکم صادر کر دیا تھا، پھر متنبہ ہوا تو بدل دیا، بلکہ شرائع میں ناسخ و منسوخ کی مثال بالکل ایک حکیم یا ڈاکٹر کے نسخہ کی مثال ہے کہ جس میں دوائیں تدریجاً بدل جاتی ہیں کہ حکیم ڈاکٹر کو پہلے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تین روز اس دوا کا استعمال کرنے کے بعد مریض پر یہ کیفیات طاری ہو جائیں گی اس وقت فلاں دوا دی جائے گی، جب وہ پچھلا نسخہ منسوخ کر کے دوسرا دیتا ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوتا کہ پچھلا نسخہ غلط تھا اس لئے منسوخ کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ پچھلے ایام میں وہی نسخہ صحیح اور ضروری تھا، اور بعد کے حالات میں یہی دوسرا نسخہ صحیح اور ضروری ہے۔ (معارف القرآن)

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً میں تین امتوں کو خطاب ہے، امت موسوی، امت عیسوی اور امت محمدیہ کو، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا ذکر اس سے پہلے والی آیت میں اللہ نے کیا ہے جہاں فرمایا إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدىً وَنُورٌ (المائدۃ:۴۴) بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے۔

پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدۃ:۴۶)

اور ہم نے ان کے نشانات کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا۔ پھر ارشاد فرمایا وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ (المائدۃ : ۴۸) اور ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری۔ پھر ارشاد فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً ہر ایک کے لیے تم میں سے ایک شریعت اور منہاج ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۲)

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ يَعْنِي شَرَائِعَ مُخْتَلِفَةً : لِلتَّوْرَاةِ شَرِيعَةٌ، وَلِلْإِنْجِيلِ شَرِيعَةٌ، وَلِلْقُرْآنِ شَرِيعَةٌ، شریعتیں مختلف ہیں، تورات کی ایک شریعت ہے ، انجیل کی ایک شریعت ہے اور قرآن کی ایک شریعت ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۳۷۳)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَلدِّينُ وَاحِدٌ وَالشَّرَائِعُ مُخْتَلِفَةٌ دین ایک ہے اور شریعتیں مختلف ہیں۔ (تفسیر در منثور ج ۳ ص ۹۶)

فیصلہ حق سچ کا کرنا چاہیے کسی کی خواہش پر نہیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ {۴۹} اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ {۵۰} المائدہ

جواب ترجمہ: اور آپ تو ان کے درمیان جو اللہ نے اتارا اس کے مطابق ہی فیصلہ کرتے رہیے اور ان کی خواہشات پر مت چلئے اور اس سے چوکنا رہیے کہ کہیں وہ آپ کو اللہ کی نازل کردہ کسی چیز سے بہکا نہ دیں پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ جان لیجیے کہ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرے اور بیشک لوگوں میں اکثر تو نافرمان ہی ہیں۔ کیا وہ (زمانہ) جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے جو یقین رکھتے ہیں۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہود کی ایک جماعت جس میں کعب بن اسد

عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس شامل تھے نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلیں ممکن ہے کہ ہم انہیں ان کے دین سے برگشتہ کریں چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آگئے انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار ہیں اور ان کے شرفاء ہیں اگر ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی تو سارے یہودی ہماری پیروی کریں گے، وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان جھگڑا ہے ہم اپنا مقدمہ آپ ﷺ کے پاس لائیں گے آپ ان کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ کرنا ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اس پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ :الخ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کے درمیان اسی قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ ان سے ہوشیار رہیں، کہیں وہ آپ کو اللہ کے کسی حکم سے بہکانے یا ہٹانے کی کوشش نہ کریں، اگر وہ منہ موڑیں اور حق کو قبول نہ کریں تو جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔

آیت کے الفاظ: **أَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ** :یعنی اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو۔**وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ** : ان کی خواہشات اور ذاتی میلانات کی پیروی نہ کرو۔**وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ** : ان سے ہوشیار رہو کہ وہ تمہیں اللہ کے بعض احکام سے بہکانے یا ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔**فَإِنْ تَوَلَّوْا**: اگر وہ منہ موڑیں، یعنی حق کو قبول نہ کریں۔**يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ** : اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے گا۔**فَاسِقُونَ** :نافرمان، اللہ کی حدود سے نکلنے والے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ : پھر فرمایا: کیا یہ لوگ جاہلیت (یعنی اللہ کے قانون کے بجائے اپنی خواہشات اور رسم و رواج) کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔یعنی اللہ کا قانون ہی سب سے بہتر اور عادل ہے اور جو اس کو چھوڑ کر جاہلیت

کے فیصلے چاہے وہ گمراہی میں ہے۔

الفاظ: حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ : جاہلیت کا فیصلہ، یعنی اللہ کے قانون کے بجائے رسم و رواج یا خواہشات کے مطابق فیصلہ۔ يُوقِنُونَ :یقین رکھنے والے، یعنی جو اللہ کی حکمت اور عدل پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے ممانعت

سوال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کو حلیف و مددگار نہ بنائیں؟ اس کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ {۵۱} المائدۃ.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہو گا، بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اے اہل ایمان! تم یہود و نصاریٰ کو ایمان والے لوگوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا دوست مت بناؤ، اس لیے کہ یہود و نصاریٰ ایمان والوں کے دوست ہو ہی نہیں سکتے، یہ ایمان والوں کو دوست نہیں رکھتے، یہودی ایک دوسرے کو تو دوست بنالیتے ہیں، اسی طرح نصاریٰ بھی ایک دوسرے کو دوست بنالیتے ہیں، یہ دونوں فریق تمہارے مقابلے میں یکجا ہو سکتے ہیں، تمہاری دشمنی میں یہ ایک دوسرے کے ساتھ ک اندھا ملا کر کھڑے ہو سکتے ہیں، اس لیے ایمان والوں کے شایان شان یہ ہے کہ یہ ایمان والوں ہی کو اپنا دوست، اپنا راز دان بنائیں، جو ایمان والے یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور حلیف بنائیں گے وہ من جملہ انہی میں شمار ہوں گے، ان کا حکم بھی انہی جیسا ہو گا، اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو توفیق نہ دے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست اور حلیف بنائیں۔

منافقین کی چالبازی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ {۵۲} وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ {۵۳} المائدۃ.

جواب ترجمہ: تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دَوڑ دَوڑ کے ملے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے۔ سو قریب ہے کہ خدا فرح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ اور (اس وقت) مسلمان (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی ہیں جو خدا کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اپنے دل میں موجود نفاق کی بیماری کے باعث یہودیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور جلد جلد ان کی آغوش میں گرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کہ کہیں یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کامیابی حاصل کر کے ہمیں نقصان سے دوچار نہ کر دیں، اشارہ فتح مکہ کی طرف ہے، کہ کہیں اللہ اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو فتح سے ہمکنار کر دیں، اپنے نبی کی مدد و نصرت فرما دیں، اسلام اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرما دیں، یا کوئی ایسا معاملہ ہو جائے جس کے باعث یہود و نصاریٰ کی قوت جاتی رہے، پھر وہ مسلمانوں کی طرف جھک جائیں، جب راز سربستہ سے پردہ اٹھا تو مسلمان بھی حیران ہو گئے کہ منافقین کے دل میں کیسے کیسے خیالات چھپے ہوئے تھے، اس پر بعض ایمان والے دوسرے ایمان والوں سے بات چیت بھی کرنے

لگے، کہ یہ لوگ تو بڑی بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تو ایمان والوں کے ساتھ ہیں، جب کہ وہ اپنی منافقانہ پالیسیوں کے باعث نقصان میں چلے گئے، ان کے تمام اعمال غارت چلے گئے، ان کی دنیا بھی برباد ہو چکی ہے اور آخرت بھی داؤ پر لگ چکی ہے، خود منافقین پر وہ فاش ہو جانے کی وجہ سے شرمندہ شرمندہ دکھائی دینے لگے۔

مسلمانوں کے لیے پیغام ربانی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ {۵۴} اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ {۵۵} وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ {۵۶} يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۵۷} وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ {۵۸} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں جو بھی اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ آگے ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم اور انکار کرنے والوں کے لیے سخت ہوں گے، اللہ کے راستہ میں وہ جان کھپاتے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ان کو ڈر نہ ہو گا، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے بخشے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ تمہارا دوست تو اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع رکھنے

والے لوگ ہیں۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں دوستی رکھے گا تو غالب ہونے والی تو اللہ ہی کی جماعت ہے۔ اے ایمان والو ! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب ملی ان میں سے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور کافروں کو تم دوست مت بنانا اور اللہ سے ڈرتے رہنا اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بناتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خبر دار کرتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے (یعنی مرتد ہو جائے)، تو اللہ اس کی جگہ ایک ایسی قوم لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ **يَرْتَدَّ:** دین سے پھر جانا، مرتد ہونا۔ یہ لوگ مومنوں کے ساتھ نرم دل اور رحم دل ہوں گے **أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ** اور کافروں کے مقابلے میں مضبوط اور باوقار **أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ** ہوں گے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ: الخ تمہارا حقیقی دوست (ولی) صرف اللہ، اس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی دوستی اور وفاداری اللہ، اس کے رسول اور سچے مومنوں کے ساتھ رکھیں، نہ کہ یہود و نصاریٰ یا کفار کے ساتھ۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا: الخ جو اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کو اپنا دوست بنائے گا، تو وہ اللہ کی جماعت (حزب اللہ) میں شامل ہو جائے گا، اور اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا: الخ ایمان والو! ان

لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، چاہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہوں یا کفار۔ اللہ سے ڈرو اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا: الخ جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اسے کھیل سمجھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

اہل کتاب کو ملامت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کیجیے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ إِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ {٥٩} قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ {٦٠} وَإِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ {٦١} وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {٦٢} لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ {٦٣} المائدہ

جواب ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! کیا تم کو ہم سے صرف اس لیے بیر ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے لیے اترا اور جو پہلے اتر چکا جب کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ اللہ کے یہاں اس سے بڑھ کر کس کی بری سزا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غصہ ہوا اور ان میں اس نے بندر اور سور بنا دیئے اور جو طاغوت کے بندے بنے، وہ پرلے درجہ کے لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بالکل ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے جبکہ وہ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے اور کفر ہی کے ساتھ نکل بھی گئے اور وہ جو چھپاتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ ان میں بہت سوں کو آپ دیکھیں

گے کہ وہ گناہ پر سرکش پر اور حرام کھانے پر لپکتے ہیں، کیسے برے ان کے کرتوت ہیں۔ درویش اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے کیسی بری روش انھوں نے اختیار کر رکھی ہے۔

شانِ نزول: جب کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور مسلمانوں کے دین کو برا کہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس میں اہلِ کتاب کو ملامت اور تعجب کے انداز میں مخاطب کیا گیا کہ تم مسلمانوں پر صرف اس بات پر اعتراض کرتے ہو کہ وہ اللہ، قرآن اور سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ یہی اصل ایمان اور عزت کا سبب ہے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللّٰهِ: آیت کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اہلِ کتاب کا اختلاف حق کی بنیاد پر نہیں بلکہ ضد اور تعصب کی وجہ سے ہے اور جس چیز کو وہ عیب سمجھتے ہیں وہ دراصل مدح اور فضیلت ہے۔ تَنْقِمُونَ کے معنی ناراض ہونا، برا سمجھنا، یا انکار کرنا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد سخت ناپسندیدگی ہے، بعض نے کہا: کراہت اور بعض نے کہا: انکار۔ یہ سب معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے: نقم من کذا یعنی کسی چیز پر ناراض ہونا یا اسے برا سمجھنا، اور اِنتَقَمَ مِنهُ یعنی اس سے بدلہ لینا یا سزا دینا۔ اس کا اسم نقمة ہے اور جمع نقم۔

اس آیت میں استفہام انکاری اور تعجب کا انداز ہے، یعنی اہلِ کتاب کو ملامت کی جارہی ہے کہ وہ مسلمانوں پر اس چیز کو عیب سمجھتے ہیں جو دراصل مدح، تعریف اور عزت کا باعث ہے۔ معنی یہ ہے، اے محمد ﷺ! اہلِ کتاب کو ملامت اور تعجب کے انداز میں کہہ دو کہ تم مسلمانوں پر صرف اس بات پر اعتراض کرتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ یہی اصل فضیلت ہے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ: الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ

ﷺ کو حکم دیا کہ اہلِ کتاب سے کہہ دیں: کیا میں تمہیں اس سے بھی بدتر انجام بتاؤں جو تم مسلمانوں کے دین کو برا سمجھتے ہو؟ وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی، غضب کیا، بعض کو بندر اور خنزیر بنایا اور جنہوں نے باطل کی عبادت کی، وہی سب سے بدتر مقام والے اور سیدھے راستے سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یعنی اصل بدترین انجام اور سزا ان لوگوں کو ملی جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، اس کی رحمت سے دور ہوئے، اور دنیا میں ذلت و رسوائی کا شکار ہوئے۔ اس میں یہود کے وہ لوگ شامل ہیں جنہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے پر بندر اور خنزیر بنادیا گیا اور جنہوں نے شرک و باطل کی عبادت کی۔

اس آیت میں اہلِ کتاب کو بتایا گیا ہے کہ جس چیز کو وہ مسلمانوں کے لیے عیب سمجھتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ برا انجام ان لوگوں کا ہے جن پر اللہ کا غضب اور لعنت نازل ہوئی، اور جنہیں دنیا و آخرت میں ذلت ملی۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا: الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور منافقین کے اس رویے کو بیان فرمایا ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو زبانی طور پر کہتے ہیں "ہم ایمان لائے" لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دل میں کفر چھپائے ہوئے آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس جاتے ہیں، ان کے دلوں میں ایمان کی کوئی رمق نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف دکھاوے کے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کے دلوں کے راز اور چھپے ہوئے کفر کو خوب جانتا ہے، اور یہ ان کے لیے وعید اور تنبیہ ہے کہ ان کا نفاق اور کفر اللہ سے چھپا نہیں ہے۔

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود (اور بعض منافقین) کے کردار کو بیان کیا ہے کہ اے نبی! آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے بہت سے لوگ گناہ، ظلم اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔

يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ: یعنی وہ گناہوں اور عصیت میں سبقت کرتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا، اللہ کی نافرمانی کرنا یا کفر کرنا۔ **وَالْعُدْوَانِ:** یعنی دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنا، ان کے حقوق پامال کرنا۔

وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ: یعنی حرام مال کھانا، جیسے رشوت، سود، یا ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنا۔ آخر میں فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ: یعنی بہت ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کے برے اعمال کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دنیا کے فائدے کے لیے آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ: اللہ تعالیٰ نے یہود کے علماء اور رہبان (ربانیون اور احبار) کو ملامت کی ہے کہ وہ اپنی قوم کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام مال (سحت) کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ لَوْلَا کا معنی ہے هَلَّا جس کا معنیٰ ہے کیوں نہیں۔ الرَّبَّانِيُّونَ سے مراد ان کے زاہد، عبادت گزار اور دین دار علماء ہیں، اور الْأَحْبَارُ سے مراد ان کے دینی علماء اور فقہاء ہیں۔ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ جھوٹ، بہتان اور گناہ کی باتیں۔ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ حرام مال کھانا، جیسے رشوت لینا، ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے علماء اور رہبان اگر اپنی قوم کو ان برے کاموں سے نہ روکیں تو یہ بھی ان کے جرم میں شریک ہیں اور یہ بہت برا عمل ہے، اس میں علماء کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ اگر وہ برائی کو دیکھ کر خاموش رہیں تو وہ بھی گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

یہودیوں کا ایک شرانگیز جملہ

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ {٦٤} المائدۃ.

جواب اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے انہیں کے ہاتھ بند ہوں اور انہیں اس کہنے پر لعنت

ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے جو کلام تیرے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں زیادتی کا باعث بن گیا اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جب کبھی لڑائی کے لیے آگ سلگاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے یہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو یہود کے جرائم کی اطلاع دی ہے، جو کچھ وہ آپس میں پوشیدہ رکھتے تھے اس کی بھی خبر دی ہے، یہ بدترین جملہ ان کی شر انگیز زبانوں سے نکلا کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ تنگ دست ہو گیا ہے، حضرات مفسرین اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

واقعہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے یہودیوں کو مال دار صاحب وسعت بنایا تھا، مگر جب رسول کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کی دعوت ان کو پہنچی، تو ان ظالموں نے اپنی قومی چودھراہٹ اور اپنی جاہل رسوم سے حاصل ہونے والے نذرانوں کی خاطر اس دعوت حق سے رُوگردانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا بھی تنگ کر دی یہ تنگ دست ہو گئے، اس پر ان نالائقوں کی زبان سے ایسے کلمات نکلنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدائی خزانہ میں کمی آگئی یا اللہ تعالیٰ نے بخل اختیار کر لیا۔

اس کے جواب میں اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہاتھ تو انہی کہنے والوں کے بندھیں گے، اور ان پر لعنت ہو گی، جس کا اثر آخرت میں عذاب اور دنیا میں ذلت ورسوائی کی صورت میں نمودار ہو گا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، اس کی جو دوسخا ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی، مگر جس طرح وہ غنی اور صاحب وسعت ہیں اسی طرح حکیم بھی ہیں، حکمت کے ساتھ اس کے تقاضا کے مطابق خرچ فرماتے ہیں، جس پر مناسب سمجھتے ہیں وسعت فرماتے ہیں اور جس پر مناسب سمجھتے ہیں تنگی اور تنگدستی مسلط فرما دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)

پھر فرمایا کہ یہ سرکش لوگ ہیں آپ ﷺ پر جو قرآنی بینات اُترتی ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کے بجائے ان کا کفر و انکار اور سخت ہوتا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانے کے لئے خود ان کے فرقوں میں اختلاف شدید ڈال دیا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف نہ ان کو کھلی جنگ کرنے کا حوصلہ ہو سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی سازش چل سکتی ہے۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ میں خفیہ سازشوں کی ناکامی کا ذکر ہے۔ احکام الٰہیہ پر پورا عمل دنیا میں بھی برکات کا سبب ہے: آیت نمبر ۶۴ میں یہود کو ہدایت دی گئی کہ تورات اور انجیل کی ہدایات اور انبیاء علیہم السلام کے ارشادات سے ان لوگوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، حرص دنیا میں مبتلا ہو کر سب کو بُھلا بیٹھے۔ جس کے نتیجہ میں دنیا میں بھی تنگدستی کا شکار ہوئے، لیکن اگر اب بھی یہ لوگ ایمان اور خدا ترسی کے طریقہ کو اختیار کر لیں تو ہم ان کی سب پچھلی خطائیں معاف کر دیں اور ان کو نعمتوں سے بھرے ہوئے باغات عطاء کر دیں۔ (معارف القرآن)

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کا ذکر ہے، اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں مگر جس طرح اس کے شایانِ شان ہیں اس طرح ہیں، ہم ان ہاتھوں کو کسی مخلوق کے ہاتھوں سے تشبیہ نہیں دے سکتے، ان کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سلف کا اس بارے میں طریقہ یہی رہا ہے کہ اس جیسے مسائل کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے، علماء کرام کہتے ہیں کہ ید اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ید اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

ایمان، تقویٰ اور آسمانی کتابوں پر ایمان کا دنیا میں فائدہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ {٦٥}وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ {٦٦} المائدہ

جواب ترجمہ: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں معاف کر دیتے، اور انہیں ضرور آرام وراحت کے باغات میں داخل کرتے۔ اور اگر وہ توراۃ اور انجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔ (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ: الخ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا اور انہیں جنت میں داخل کرتا۔ "ایمان" سے مراد ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول محمد ﷺ اور جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا اس پر سچا ایمان لاتے۔ "تقویٰ" سے مراد ہے کہ وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور گناہوں سے بچتے۔ اس آیت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے سابقہ گناہوں کے باوجود ایمان اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام گناہ معاف فرما دیتا اور انہیں جنت کی نعمتیں عطا کرتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور انسان جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ تورات،

انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا (یعنی قرآن اور دیگر آسمانی کتابیں) پر عمل کرتے، تو اللہ تعالیٰ ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا، یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار کی کثرت عطا کرتا۔

لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ: کا مطلب ہے اگر وہ اللہ کے احکام پر عمل کرتے تو انہیں آسمان سے بارش اور زمین سے زرخیزی کی صورت میں رزق ملتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے بھی یہی وضاحت کی ہے کہ **مِنْ فَوْقِهِمْ** سے مراد آسمان کی برکت (بارش) اور **وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ** سے مراد زمین کی برکت (پیداوار، اناج، پھل وغیرہ) ہے۔

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ یعنی ان میں کچھ لوگ اعتدال والے، نیک اور سیدھے راستے پر چلنے والے بھی ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ **وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ** یعنی ان میں سے اکثر لوگ برے اعمال کرتے ہیں، یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی اور نافرمانی کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ {٦٧} المائدة.

جواب ترجمہ: اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ بیشک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں، میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچا لینا میرے

ذمہ ہے۔ تیرا حافظ وناصر میں ہوں، بے خطر رہیے، وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اس آیت سے پہلے حضور ﷺ چوکنے رہتے تھے، لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضور ﷺ بیدار تھے انہیں نیند نہیں آرہی تھی میں نے کہا یا رسول اللہ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ ؛ کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا۔

یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا: جِئْتُ لِأَحْرُسَكَ يَا رَسُولَ اللهِ اس لئے کہ رات بھر یارسول اللہ آپ ﷺ کی پہریداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ با آرام سو گئے، یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی (بخاری) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۲۲ ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر پہریداروں سے فرمایا، انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللهُ عَزَّ وَجَلَّ آپ لوگ چلے جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آگیا، تمہاری پہریداری کی ضرورت نہیں رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ بَعَثَ مَعَهُ أَبُو طَالِبٍ مَنْ يَكْلَؤُهُ، جب آپ ﷺ نکلتے تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے جو آپ ﷺ کا خیال رکھتا۔ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا يَا عَمُّ، إِنَّ اللهَ قَدْ عَصَمَنِي، لَا حَاجَةَ لِي إِلَى مَنْ تَبْعَثُ چچا! اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں اللہ کے بچاؤ میں آگیا ہوں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس کے بعد حکم جاری کیا ہے کہ یہ روایت غریب اور منکر ہے یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے، مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس میں شک نہیں کہ مکہ میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے صنادیدِ مکہ، سردارانِ مکہ، حاسدینِ مکہ،

معاندینِ مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے، ابتداءِ رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے، آپ ﷺ کی حفاظت ہوتی رہی، ان کے دل میں اللہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور عزت ڈال دی، یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی، اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے، ان کے انتقال کے بعد مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ کو تکلیف اور اذیت دینے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے انصار کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی شرعی محبت پیدا کر دی، وہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے پھر آپ ﷺ انہی کے ہاں چلے گئے، اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل ملا کر نکل کھڑے ہوئے، بڑے بڑے ساز و سامان لشکر لے کر چڑھ دوڑے، لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں، قدرت نے وہ بھی انہی پر الٹ دیں، ادھر وہ جادو کرتے ہیں، ادھر معوذتین نامی دو سورتیں نازل ہوتی ہیں اور ان کا جادو اتر جاتا ہے، ادھر ہزاروں جتن کر کے خیبر میں بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ ﷺ کے سامنے رکھتے ہیں، ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہ فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ﷺ ایک درخت تلے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کیلئے چھوڑ دیتے تھے، دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آنکلا، آپ ﷺ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی، اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ ﷺ سے کہنے لگا، اب بتا کون ہے جو تجھے بچالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ مجھے بچائے گا، فَرُعِدَتْ يَدُ الْأَعْرَابِيِّ وَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْهُ. قَالَ: وَضَرَبَ بِرَأْسِهِ الشَّجَرَةَ حَتَّى انْتَثَرَ دِمَاغُهُ اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے، جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنو نجار سے غزوہ کیا، اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہا جاتا ہے، کھجور کے باغ میں آپ ﷺ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے، جو بنو نجار کے ایک شخص غورث بن الحارث نامی نے کہا دیکھو میں محمد ﷺ کو قتل کرتا ہوں، لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ ﷺ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کر دوں گا، یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ ﷺ سے تلوار دیکھنے کو مانگی، آپ ﷺ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا حَالَ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَا تُرِيدُ، تیرے اور تیرے برے ارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر)

ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے، نبی کریم ﷺ کیلئے گھنا سایہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ ﷺ اسی تلے آرام فرمائیں، ایک دن آپ ﷺ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ ﷺ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی، ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا، اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ بچائے گا، تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ تعمیل حکم کرنا ہی پڑی اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی۔

ایک شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس لائے اور کہا یہ آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا، وہ کانپنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا لم تُرَع، ولم تُرَع، وَلَوْ أردتَ ذٰلِكَ لَمْ يُسَلِّطْكَ اللّٰهُ عليَّ (مسند، تفسیر ابن کثیر) گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، اگر تم مجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہیں مجھ پر غالب نہیں ہونے دیں گے۔

تورات، انجیل کے بعد قرآن پر ایمان، الوہیت عیسیٰ علیہ السلام کی تردید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ {٦٨} اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ {٦٩} لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ {٧٠} وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ {٧١} لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ {٧٢} المائدہ

جواب ترجمہ: فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب تم اس وقت تک کسی راستہ پر نہیں جب تک توراۃ و انجیل کی اور اس کی جو تمہارے رب کے پاس سے تم پر اترا پابندی نہیں کرتے اور آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے جو بھی اترا اس سے ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے تو آپ انکار کرنے والے لوگوں پر ترس نہ کھائیں۔ البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی ان میں جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ہم بنی اسرائیل سے عہد لے چکے اور ان کی طرف رسول بھیج چکے، جب جب ان کے پاس رسول ایسی چیز لے کر آئے جس کا ان کا جی نہ چاہتا تھا تو کتنوں کو انہوں نے جھٹلا دیا اور کتنوں کا خون کرنے لگے۔ وہ سمجھے کہ کوئی آزمائش نہ پڑے گی بس وہ اندھے

بہرے ہو گئے پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا پھر بھی ان میں بڑی تعداد اندھی بہری رہی اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔ جنہوں نے بھی کہا کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے وہ کافر ہی ہو گئے جبکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اس اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بلاشبہ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ناانصافوں کا کوئی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ اہلِ کتاب سے کہہ دو: تم کسی دینِ حق پر نہیں ہو، تمہارا دعویٰ کہ تم ہدایت پر ہو یا اللہ کے پسندیدہ دین پر ہو، اس وقت تک معتبر نہیں جب تک تم تورات، انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا (یعنی قرآن) اس پر عمل نہ کرو۔

تُقِيْمُوا: سے مراد ہے کہ ان کتابوں کے احکام کو ماننا، ان پر عمل کرنا اور ان میں جو محمد ﷺ کی بشارت اور ان کی اتباع کا حکم ہے، اس پر ایمان لانا۔ اس میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اصل دین وہ ہے جو اللہ نے نازل کیا اور اس میں سب سے اہم بات محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا ہے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا: ان میں سے بہت سے لوگ جب قرآن کو سنتے ہیں تو ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ ضد اور عناد میں مبتلا ہیں۔

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: اے نبی! آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں، ان کے ایمان نہ لانے یا ہدایت نہ پانے پر غم نہ کریں، کیونکہ یہ خود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہدایت سے محروم ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى: یہاں اللہ تعالیٰ نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا ذکر کیا ہے، مسلمان **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** یہود **الَّذِيْنَ هَادُوْا** صابئین **الصّٰبِـُٔوْنَ** اور نصاریٰ **النَّصٰرٰى**، پھر فرمایا: **مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا**، ان سب میں سے جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اس کے لیے خوشخبری ہے کہ **فَلَا**

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ نجات اور اللہ کی رضا کا معیار صرف سچا ایمان اور نیک عمل ہے، چاہے وہ کسی بھی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یعنی ایمان اور عمل صالح کے بغیر محض کسی مذہب یا قومیت سے وابستگی کافی نہیں۔ مَنْ آمَنَ سے مراد ہے، ان سب گروہوں میں سے جو واقعی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، وہی اللہ کے ہاں کامیاب ہے، اس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہود، نصاریٰ، صابئین سب شامل ہیں، بشرطیکہ وہ سچا ایمان اور عمل صالح اختیار کریں۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: قیامت کے دن انہیں کسی قسم کا خوف یا غم نہیں ہو گا، وہ اللہ کی رحمت اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

صابی: صابئین کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک گروہ تھا جو یا تو ستاروں کی عبادت کرتا تھا یا ملائکہ کی، یا وہ لوگ تھے جو کسی خاص دین پر قائم نہ تھے۔ آیت کا اصل پیغام یہ ہے کہ اللہ کے ہاں اصل قدر ایمان اور عمل صالح کی ہے، نہ کہ محض کسی قوم یا مذہب سے وابستگی، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام کی آمد کے بعد باقی ادیان منسوخ ہو چکے ہیں، نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بعد پہلے والی نبوتیں اور رسالتیں منسوخ ہو چکی ہیں، اب جو بھی نجات و کامیابی کا خواہاں ہے اسے نبی کریم ﷺ کے قدموں میں آنا پڑے گا، اسلام قبول کرنا پڑے گا۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے احکام پر عمل کریں گے اور اس کے رسولوں کی اطاعت کریں گے، یہ عہد تورات میں بھی مذکور ہے اور اس میں توحید اور دیگر شرعی احکام شامل تھے۔

وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف مسلسل انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ انہیں دین کی تعلیم دیں، نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں۔

كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ: جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا پیغام لے کر آیا جو ان کی خواہشات اور نفسانی میلانات کے خلاف تھا، تو انہوں نے اس رسول کی مخالفت کی۔

بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ: سے مراد وہ احکام اور تعلیمات ہیں جو ان کی خواہشات اور عادات کے خلاف تھیں، جیسے شریعت کے سخت احکام یا توحید کی دعوت۔

فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ: یعنی بنی اسرائیل نے بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا، تاریخ میں یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض کو جھٹلایا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ یعنی بنی اسرائیل نے یہ گمان کیا کہ ان کے گناہوں (جیسے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا، رسولوں کو جھٹلانا) کے باوجود ان پر کوئی عذاب یا آزمائش (فتنہ) نہیں آئے گی۔ بعض مفسرین نے "فتنہ" سے مراد عذاب، ہلاکت، یا آزمائش لی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَلَّا يَكُونُ شِرْكٌ یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ شرک یا عذاب نہیں آئے گا۔

فَعَمُوا وَصَمُّوا: وہ حق کو دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے ہو گئے، یہاں مراد ہے کہ وہ دل کے اندھے اور بہرے ہو گئے، نہ حق کو سمجھتے تھے، نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس سے مراد ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور گمراہی میں اتنے ڈوب گئے کہ حق کو نہ دیکھتے تھے نہ سنتے تھے۔

ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ: اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی، جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ یہاں توبہ کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے اور وہ چاہے تو گناہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ: پھر ان میں سے بہت سے لوگ دوبارہ اندھے اور بہرے ہو گئے، یعنی دوبارہ گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہو گئے، اس سے مراد ہے کہ ان میں سے اکثر نے دوبارہ حق کو چھوڑ دیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ: اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کے ہر عمل پر نظر رکھتا ہے، اور انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ: اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس عقیدے کی سخت مذمت فرمائی ہے جس میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا یا اللہ ہی قرار دیتے ہیں، فرمایا: جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، وہ کافر ہو گئے۔ یہ قول نصاریٰ کے بعض فرقوں (خصوصاً یعقوبیہ) کا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ میں حلول کر گیا یا وہی اللہ ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ ہی تمہارا اور میرا رب ہے، اس کی عبادت کرو، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنی الوہیت یا ربوبیت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ: یہاں بہت ہی وضاحت کے ساتھ شرک کی مذمت کی جارہی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے (چاہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانے یا کسی اور کو)، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ظالموں (یعنی مشرکوں) کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

مسلمان کا عقیدہ: اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس کا کوئی شریک، بیٹا یا ہمسر نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نہ کہ اللہ یا اس کے بیٹے، مسلمان صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے۔

عیسائیوں کے عقیدہ کی مذمت: اس آیت میں نصاریٰ کے اس عقیدے کی شدید مذمت کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا اللہ کا بیٹا مانا جائے، یہ عقیدہ شرک ہے اور اس کے ماننے والے کافر ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اس عقیدے کی تردید کی اور توحید کی دعوت دی، شرک کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

معاذ اللہ: کیا اللہ تین میں تیسرا ہے؟

سوال قرآن کریم میں نصاریٰ کے بارے میں جو کہا گیا کہ انہوں نے کہا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ، اس کا کیا مطلب ہے؟ مکمل آیت یہ ہے۔ ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۷۳} المائدۃ.

جواب ترجمہ: وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اور اگر یہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے (ایسے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، ان کو دردناک عذاب پکڑ کر رہے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا کہ جن لوگوں نے کہا کہ "اللہ تین میں سے تیسرا ہے" وہ کافر ہو گئے۔ اس سے مراد عیسائیوں کے وہ فرقے ہیں جنہوں نے تثلیث (Trinity) کا عقیدہ اپنایا، یعنی اللہ، عیسیٰ (ابن مریم) اور روح القدس تین اقانیم (Persons) کو ایک خدا مانا۔

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں یہ آیت ان عیسائی فرقوں کے بارے میں ہے جو تثلیث کے قائل ہیں، جیسے ملکانہ، نسطوریہ وغیرہ۔ ان سب کا کفر اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے الوہیت میں عدد (تعدد) مانا اور عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہی صفات دیں۔ (المحرالوجیز فی التفسیر)

اللہ کو تین میں سے تیسرا معبود کس نے کہا؟: عیسائیوں کے مختلف فرقے اس عقیدے کے قائل رہے ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ، عیسیٰ اور مریم تین معبود ہیں (یہ قول قدیم عیسائیوں میں پایا جاتا تھا۔ (عیون التفاسیر) زیادہ مشہور عقیدہ یہ ہے کہ "اللہ، عیسیٰ (ابن)، اور روح القدس" تین اقانیم ہیں، اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ "ثالث ثلاثہ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو تین میں سے ایک مانا گیا، یعنی وہ تین اقانیم میں سے ایک ہے۔ (مفاتیح الغیب)

عیسائیوں کا اعتراض اور اس کا جواب: آج کے عیسائی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو تین میں سے تیسرا نہیں مانتے، بلکہ تین اقانیم کو ایک خدا مانتے ہیں۔ مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگرچہ عیسائی لفظاً "تین خدا" نہیں کہتے، مگر ان کا عقیدہ حقیقت میں تین معبودوں کا ہے، کیونکہ وہ ہر اقنوم (Father, Son, Holy Spirit) کو مکمل خدا مانتے ہیں، اور پھر بھی کہتے ہیں کہ یہ سب ایک ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے لکھا: عیسائیوں کا یہ کہنا کہ تین اقانیم ہیں اور ہر ایک مکمل خدا ہے اور پھر یہ کہنا کہ سب ایک ہیں، یہ عقلاً بھی تضاد ہے اور شرعاً بھی باطل ہے۔ اسی لیے قرآن نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا۔ (الفتاوی الکبریٰ)

قرآن کی طرف سے رد: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ، یعنی حقیقت میں معبود صرف ایک ہے، نہ تین، نہ دو۔

قرآنی انتباہ: قرآن کریم عقیدہ تثلیث کے قائلین اور توحید کے منکرین کو واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، یعنی اگر وہ اس عقیدے سے باز نہ آئے تو ان پر دردناک عذاب آئے گا۔

خلاصہ: "ثالث ثلاثہ" کا عقیدہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کا ہے، اور اگرچہ آج کے عیسائی اس کی لفظی صورت سے انکار کرتے ہیں، ان کا تثلیث کا عقیدہ حقیقت میں اسی کے مترادف ہے۔ قرآن نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا اور توحید کی دعوت دی۔

کفریہ عقیدہ رکھنے والے توبہ کریں

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ {۷۴} المائدہ

جواب ترجمہ: کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لیے اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

یعنی مسیح کو اللہ قرار دینا یا اللہ کو تین میں تقسیم کرکے، اس کو تین میں تیسرے کا درجہ دینا، یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسا جرم کا کرنے والا کسی رحم کا مستحق نہیں رہتا، لیکن پروردگار اتمام حجت کے طور پر فرمارہے ہیں کہ ہم نے نصاریٰ کے اتنے بڑے جرم کے بعد بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا، اس لیے اب بھی اگر کوئی اس راستے سے داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو ہم اس کی قدر افزائی کریں گے، اس لیے فرمایا اے گروہ نصاریٰ! کیا اب بھی تم اللہ کی طرف رجوع کرکے اور اس سے معافی مانگ کر اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے، اس لیے اس سے بخشش چاہو اور اس کی مہربانی کے سائے میں آجاؤ، ان تین آیتوں میں نہایت سادہ اور قابل فہم اسلوب میں عیسیٰ علیہ السلام کی اصل حیثیت واضح کردی گئی ہے اور شرک کا پوری طرح ابطال کردیا گیا ہے۔ (روح القرآن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں

سوال اس آیت مبارکہ میں اس بات کی نفی کی جارہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الہ اور معبود نہیں ہیں، اس کی وضاحت کی جائے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ {۷۵} المائدۃ.

جواب ترجمہ: مسیح مریم کا بیٹا تو صرف ایک پیغمبر ہی ہے جس سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں اور اس کی ماں ولی ہے وہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھ ہم انہیں کیسی دلیلیں بتلاتے ہیں پھر دیکھو وہ کہاں الٹے جاتے ہیں۔

عیسائی بے شک اپنے کفر کی اشاعت اور تشہیر کرتے رہیں، مگر اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں حضرت مریم کی حقیقت واضح کردی کہ وہ دونوں ماں اور بیٹا کھانا تناول کرتے ہیں، اسی ایک مختصر اور پر اثر بات سے اندازہ لگایا جائے کہ جو کھانے کا محتاج ہو وہ الہ اور معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

کھانا کھانے کے بعد انسان کو پیشاب پاخانے کی حاجت پیش آتی ہے، ایسا انسان جس کو ان چیزوں کی حاجت پیش آئے وہ الہ اور معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے، زمین، ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ میلے اور کھاد سے بھی اسے استغنا نہیں ہو سکتا، غلہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے، پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہوں گے ان کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے، احتیاج و افتقار کے اس طویل الذیل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم اکل و شرب کی ضروریات سے مستغنی نہ تھے جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو اکل و شرب سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے مستغنی نہیں ہو سکتا پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیونکر بن سکتی ہے یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں۔ معاذ اللہ

من دون اللہ کی پوجا کیوں؟

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {۷۶} المائدہ

جواب ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو پوجتے ہو جو تمہارے لیے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں اور اللہ ہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا۔

من دون اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جو تمہیں نقصان پہنچانے کی طاقت نہ رکھتی ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ بلاء و مصائب تمہارے انفس و اموال میں اتارتے

ہیں اور نہ ہی وہ چیزیں جو تمہیں نفع دے سکیں، جیسے اللہ تعالیٰ بدن میں صحت اور وسعت رزق اور خوشحالی عنایت فرماتے ہیں اور اس لیے بھی کہ انسان جس نفع و نقصان کی طاقت رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے گویا کہ انسان کو اس پر بھی ذرہ بھر اختیار نہیں اور یہ قطعی دلیل ہے کہ ان کا معاملہ ربوبیت کے منافی ہے، اس لیے کہ ان کو اس طرح قرار دیا کہ وہ ذرہ بھر نفع و نقصان کی طاقت نہیں رکھتے اور ربوبیت کی صفت تو یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی مقدور اس کی قدرت سے نکل نہیں سکتا۔ (مدارک التنزیل)

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ : یہ اَتَعْبُدُوْنَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو اور اس سے ڈرتے نہیں ہو، حالانکہ وہ تمہاری تمام باتوں کو سننے والا اور تمہارے تمام اعتقادات کا علم رکھنے والا ہے۔

دین میں غلو نہ کرو

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ {۷۷} المائدہ

جواب ترجمہ: (اور ان سے یہ بھی کہو کہ) اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

غلو حد سے تجاوز کو کہتے ہیں، نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے نبوت و رسالت و پیغمبری کے مرتبے سے اٹھا کر الوہیت کے تخت پر بٹھا دیا تھا، انہیں ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہہ دیا تھا اور یہود کا غلو یہ تھا کہ ان کو استحقاق نبوت سے ہی گرا دیا، حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔

غَيْرَ الْحَقِّ: مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے غُلُوًّا غَيْرَ الْحَقِّ یعنی باطل غلو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ: یعنی تمہارے وہ اسلاف اور وہ مقتداء جو بعثت نبوی ﷺ سے پہلے گمراہی پر تھے۔

وَأَضَلُّوا كَثِيرًا: پھر ان لوگوں نے ان لوگوں کو بھی گمراہ کیا جو ان کا ساتھ دینے والے تھے۔

وَّضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ: نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے ان کا یہ طریقہ تھا کہ خود بھی گمراہ تھے، اوروں کو بھی گمراہ کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی آمد کے بعد بھی ان کا یہ سلسلہ رکا نہیں، ان لوگوں نے حضور ﷺ کو جھٹلا دیا، آپ ﷺ سے حسد کیا اور آپ ﷺ کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔

بنی اسرائیل پر لعنت کا سبب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ{۷۸} كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ{۷۹} تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ{۸۰} وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ{۸۱} المائدہ

جواب ترجمہ: بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی یہ سب اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے۔ جو برائی وہ کرتے تھے اس سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے، بڑے ہی برے کاموں میں وہ مبتلا تھے۔ ان میں بہتوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رچاتے ہیں، بڑی ہی بری چیز ہے جو وہ اپنے لیے آگے بھیج چکے ہیں جس سے ان پر اللہ کا غضب ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب ہی میں پڑے رہیں گے۔ اگر یہ لوگ اللہ پر اور نبی پر اور جو کلام ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان (بت پرستوں) کو دوست نہ بناتے، لیکن (بات یہ ہے کہ) ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو نافرمان ہیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : علامہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اگرچہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد سے ہوں، کیونکہ نسب کا شرف ان کے حق میں لعنت کے اطلاق کو مانع نہیں۔

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ : کا معنی یہ ہے کہ وہ زبور اور انجیل میں لعنت کیے گئے، کیونکہ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان تھی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں میں ان پر لعنت کی۔ مجاہد رحمۃ اللہ اور قتادہ رحمۃ اللہ نے کہا: لعنهم کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندروں اور خنازیر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا، ابو مالک رحمۃ اللہ نے کہا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ بندروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ خنزیروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر لعنت کیے گئے تھے وہ اصحاب سبت تھے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبازن پر لعنت کیے گئے تھے وہ مائدہ (دستر خوان) کے نزول کے بعد انکار کرنے والے تھے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: ان کے سلف وخلف پر لعنت کی گئی ہے جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے والے ہیں، پس جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اس پر ان دونوں نے لعنت کی۔ بعض اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف دو نبیوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی زبانی بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی ہے، جب کہ سارے ہی نبیوں نے بنی اسرائیل پر لعنت کی ہے، بعض اہل تفسیر نے تورات اور انجیل کی وہ عبارات بھی نقل کی ہیں جن میں بنی اسرائیل کو برے الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: یہاں بنی اسرائیل پر نبیوں کی زبان سے لعنت ہونے کی وجہ بیان کی گئی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، وہ حدود کو پھلانگتے تھے۔ بعض اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ یہاں حقوق

اللہ اور حقوق العباد دونوں آ گئے، پہلے جملے میں ان حقوق کو پائمال کرنے کا ذکر ہے جو حقوق اللہ تھے، دوسرے جملے میں حدود پھلانگنے والی بات ان حقوق کے لیے کی گئی جو بندوں کے تھے، بنی اسرائیل نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پائمال کیا تو نتیجہ لعنت کی شکل میں پایا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ : حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پائمالی کے بعد یہاں ایک اور جرم بنی اسرائیل کا ذکر کیا جارہا ہے، ایک جرم تو یہ تھا کہ یہ لوگ خود برائی سے رکتے نہیں تھے، پھر جرم بالائے جرم یہ تھا کہ وہ دوسروں کو بھی متلائے برائی دیکھتے تھے اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی، دوسروں کو بھی برائی سے منع نہیں کرتے تھے، اس کام کو اللہ تعالیٰ نے برا کام قرار دیا ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : یہ ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے معاہدہ بھی کیا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے درپردہ مشرکین مکہ سے دوستیاں گانٹھی ہوئی تھیں اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، بلکہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے ان سے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ ان کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔ (توضیح القرآن لشیخ الاسلام عثمانی)

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ : البتہ وہ عمل برے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے۔

أَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ : اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا۔

وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ : اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ أَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ : اگر یہ لوگ اللہ، نبی اور نبی پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتے تو انہیں ہرگز اپنا دوست نہ بناتے۔ حسن رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے یہ آیت ان منافقین کے بارے میں ہے جو یہود میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ یہ لوگ اللہ پر، اس کے نبی پر ایمان نہیں رکھتے تو انہیں ہرگز اپنا

دوست نہ بناتے۔ حسن رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں ہے جو یہود میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ یہ لوگ اللہ پر، اس کے نبی پر ایمان نہیں رکھتے اگرچہ ایمان کا اظہار بھی کرتے ہیں ایک قول ہے کہ نبی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ پر ان یہودیوں کا ایمان نہیں ہے، اس لیے کہ یہ لوگ مشرکین کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں۔(احکام القرآن للجصاص)

شاہ حبشہ نجاشی دائرہ اسلام میں

سوال ان آیات کا شان نزول بیان کیجیے

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ {۸۲} وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ {۸۳} وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ {۸۴} فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ {۸۵} المائدة.

جواب ترجمہ: تو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور تو سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں سے ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور فقراء ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول پر اتری تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے بہتی ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا کہتے ہیں اے رب ہمارے کہ ہم ایمان لائے تو ہمیں ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے اور ہمیں کیا ہے ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس چیز پر جو ہمیں حق سے پہنچی ہے اور اس کی طمع رکھتے ہیں کہ ہمیں

ہمارا رب نیکوں میں داخل کرے گا، پھر اللہ نے انہیں اس کہنے کے بدلے ایسے باغ دیئے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔

جواب ابتدائے اسلام میں جب کفار قریش نے مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، جانب حبشہ ہجرت کرنے والے ان خوش نصیبوں کے اسماء یہ ہیں۔

① حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا۔ ② حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ③ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔ ④ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ⑤ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ⑥ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ۔ ⑦ حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا ⑧ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ⑨ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بی بی رضی اللہ عنہا۔ ⑩ حضرت اُمّ سلمہ بنت اُمیّہ رضی اللہ عنہا۔ ⑪ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا۔ ⑫ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بی بی رضی اللہ عنہا۔ ⑬ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثیمہ رضی اللہ عنہا۔ ⑭ حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ ⑮ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

یہ حضرات نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں بحری سفر کر کے حبشہ پہنچے، اس ہجرت کو ہجرت اُولیٰ کہتے ہیں، ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گئے پھر اور مسلمان روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ بچّوں اور عورتوں کے علاوہ مہاجرین کی تعداد بیاسی مردوں تک پہنچ گئی، جب قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے ایک جماعت تحفہ تحائف دے کر نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجی، ان لوگوں نے دربارِ شاہی میں باریابی حاصل کر کے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے ملک میں ایک شخص نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے اور لوگوں کو نادان بنا ڈالا ہے ان کی جماعت جو آپ کے ملک میں آئی ہے وہ یہاں فساد انگیزی کرے گی اور آپ کی رعایا کو باغی بنائے گی، ہم آپ کو خبر دینے کے لئے آئے ہیں اور ہماری قوم درخواست کرتی ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے، نجاشی بادشاہ نے کہا ہم ان لوگوں سے گفتگو کر لیں، یہ کہہ کر مسلمانوں کو طلب کیا اور ان سے دریافت کیا کہ تم حضرت عیسٰی اور ان کی

والدہ کے حق میں کیا اعتقاد رکھتے ہو ؟ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃُ اللہ وروحُ اللہ ہیں اور حضرت مریم کنواری پاک ہیں، یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کر کہا اللہ کی قسم تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کلام میں اتنا بھی نہیں بڑھایا جتنی یہ لکڑی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کلام عیسٰی علیہ السلام کے بالکل مطابق ہے۔

یہ دیکھ کر مشرکین مکہ کے چہرے اتر گئے پھر نجاشی نے قرآن شریف سننے کی خواہش کی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم تلاوت کی اس وقت دربار میں نصرانی عالم اور درویش موجود تھے قرآن کریم سُن کر بے اختیار رونے لگے اور نجاشی نے مسلمانوں سے کہا تمہارے لئے میری قلمرو میں کوئی خطرہ نہیں، مشرکین مکہ ناکام پھرے اور مسلمان نجاشی کے پاس بہت عزت و آسائش کے ساتھ رہے اور فضل الٰہی سے نجاشی کو دولت ایمان کا شرف حاصل ہوا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

کافروں کا انجام بد

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ {٨٦} المائدہ

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ والے لوگ ہیں۔

جو لوگ آسمانی کتابوں کے منکر ہیں، جو تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم کو آسمانی کتابیں نہیں مانتے، ان پر ایمان نہیں لاتے، جن نبیوں کی طرف یہ کتابیں بھیجی گئیں ان کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے، شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں یہ سبھی لوگ وہ ہیں جنہیں کافر قرار دیا گیا، جو آیات کا انکار کرتے ہیں، ان لوگوں کا انجام واضح طور پر بتایا گیا کہ یہ جہنم والے لوگ ہیں۔

اللہ کی حلال کردہ کو حرام قرار دینا ممنوع ہے

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ، تفسیر اور شان نزول بیان کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ {۸۷} وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ {۸۸} المائدۃ.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو ان ستھری چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ کے رزق میں سے جو چیز حلال ستھری ہو کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سن کر ایک روز حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے یہاں جمع ہوئی اور انہوں نے باہم ترک دنیا کا عہد کیا اور اس پر اتفاق کیا کہ وہ ٹاٹ پہنیں گے، ہمیشہ دن میں روزے رکھیں گے، شب عبادت الٰہی میں بیدار رہ کر گزارا کریں گے، بستر پر نہ لیٹیں گے، گوشت اور چکنائی نہ کھائیں گے، عورتوں سے جُدا رہیں گے، خوشبو نہ لگائیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں اس ارادہ سے روک دیا گیا۔ (خزائن العرفان)

قسم کی تین اقسام

سوال یمین منعقدہ کا کفارہ کیا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۸۹} المائدہ

جواب ترجمہ: اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تمہاری پکڑ نہ کرے گا، لیکن پختہ قسموں پر (جنکے خلاف کروگے) پکڑ کرے گا، تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اس طرح خدا تمہارے (سمجھانے کے) لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

قسم کی تین اقسام: یمین غموس: اگر کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمینِ غموس کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کوئی کام کیا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، توبہ و استغفار لازم ہے اسی لئے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ غموس کے معنی ڈبو دینے والے کے ہیں، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کر دینے والی ہے۔ (معارف)

یمین لغو: دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے، اس پر اعتماد کرکے اس نے قسم کھالی کہ وہ آگیا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اس کو یمین لغو کہتے ہیں، اسی طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمینِ لغو کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔ (معارف القرآن)

یمین منعقدہ: تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ

واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے، بعض میں نہیں ہوتا۔

اس جگہ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ بالمقابل عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد دنیا کا مواخذہ ہے، جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورۃ بقرہ کی آیت میں ارشاد ہے لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ، اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بلا قصد و ارادہ زبان سے نکل جائے، یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھالے، مگر وہ واقع میں غلط نکلی، اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو، جس کو یمینِ غموس کہتے ہیں، اس لئے اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ یمینِ لغو پر تو کوئی گناہ نہیں، بلکہ گناہ یمینِ غموس پر ہے، جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہو تو سورۃ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے اور سورۃ مائدہ کی آیت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا، جس کا حاصل یہ ہوا کہ یمینِ لغو پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرتا، یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا، بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے، جو آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو اور پھر اس کو توڑ دیا ہو۔

اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے: فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ، یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کرلیا جائے، اول یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا صبح و شام دو وقت کھلا دیا جائے، یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ، یا کوئی مملوک غلام آزاد کر دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہے فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ، یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام آزاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے، بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے

درپے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے، اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔

آیت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اول لفظ اطعام آیا ہے، اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی، اس لئے فقہاء نے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ کفارہ دینے والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ دس مسکینوں کی دعوت کرکے کھانا کھلاوے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جو وہ عادۃً اپنے گھر کھاتا ہے دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے اور دوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے، مثلاً پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت تینوں میں جو چاہے اختیار کرے، لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہو سکتا ہے جب کہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔ (معارف القرآن)

شراب، جوا، بت اور فال کے تیر

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ {۹۰} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس آیا انہوں نے کہا ہمارے پاس آؤ ہم تمہیں کھانا کھلاتے ہیں اور شراب بھی پلاتے ہیں یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے پس میں ایک باغ میں ان کے پاس چلا گیا اور وہاں ان کے پاس اونٹ کا بھنا ہوا سر اور گوشت کا ایک مٹکا تھا چنانچہ میں نے ان کے ساتھ وہ سر کھایا اور شراب پی اور میں نے انصار و

مہاجرین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مہاجرین انصار سے بہتر ہیں تو ایک شخص نے اس (اونٹ) کے سر کا جبڑا پکڑا اور اس کے ساتھ میرا ناک پھوڑ دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اس کی شکایت کی تو اللہ نے شراب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ (مسلم، طبری ۶/۱۳۸۶۔ بن کثیر ۲/۹۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دعا کی اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں شافی بیان فرما تو یہ آیت سورۃ بقرہ میں ہے نازل ہوئی يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۱۹) ترجمہ۔ (اے پیغمبر) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان پر اس آیت کو تلاوت کیا تو انہوں نے پھر یہی دعا کی اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان فرما تو یہ آیت جو سورۃ نساء میں ہے نازل ہوئی۔ يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (سورۃ نساء ۴۳) مومنو جب تم نشے کی حالت میں رہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو نماز کے پاس نہ جاؤ۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی اقامت کہتا تو یہ پکارتا کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر اس آیت کی تلاوت کی گئی تو انہوں نے پھر یہی دعا کی اے اللہ! ہم سے شراب کے بارے میں شافی بیان فرما تو پھر یہ آیت اتری۔ ترجمہ۔ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت تلاوت کی گئی تو جب پڑھنے والا یہاں پہنچا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ، ترجمہ۔ تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم باز آگئے۔ (نیسابوری ۱۷۵، طبری ج ۷ ص ۲۲، زاد المیسر ج ۲ ص ۱۷۴)

خمر: ہر اس نشہ آور چیز کو کہا جاتا ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔

میسر: جوا، تیروں سے کھیلا جانے والا جوا، ہر وہ کھیل جس میں جوئے کی طرح بازی لگائی جائے،

جیسے شطرنج وغیرہ یا بچوں کا اخروٹ پھینکنے کا ایک کھیل، وہ اونٹ جس پر جوا کھیلا جاتا تھا، عربوں میں یہ رسم تھی کہ اونٹ ذبح کرتے اور اس کے دس یا اٹھائیس حصے کرتے، پھر تیروں سے قرعہ ڈالتے، جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا اس کو ذبح شدہ اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ (القاموس الوحید)

انصاب: اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس کی تعظیم کے باعث مشرکین اپنے جانور اس کے قریب ذبح کرتے تھے۔

ازلام: زلم کی جمع ہے، ازلام ان تیروں کو کہا جاتا ہے جن پر قرعہ اندازی کرکے عرب میں جوا کھیلنے کی رسم جاری تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ دس آدمی شرکت میں ایک اونٹ ذبح کرتے تھے، پھر اس کا گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اس کے دس حصے برابر کرکے تقسیم کرتے اس میں اس طرح جوا کھیلتے کہ دس عدد تیروں میں سات تیروں پر کچھ مقررہ حصوں کے نشانات بنا رکھتے تھے، کسی پر ایک کسی پر دو یا تین اور تین تیروں کو سادہ رکھا ہوا تھا، ان تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتے تھے، پھر ایک ایک شریک کے لئے ایک ایک تیر ترکش میں سے نکالتے اور جتنے حصوں کا تیر کسی کے نام پر نکل آئے وہ ان حصوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور جس کے نام پر سادہ تیر نکل آئے وہ حصہ سے محروم رہتا تھا، جیسے آج کل بہت سی قسمیں لاٹری کے طریقہ پر بازاروں میں جاری ہیں، اس طرح کی قرعہ اندازی، قمار یعنی جوا ہے جو از روئے قرآن کریم حرام ہے۔ (معارف القرآن)

ان چار چیزوں کو رجسٌ فرمایا، رجسٌ عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کی طبیعت کو گھن اور نفرت پیدا ہو، یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اور طبع سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ہی ان چیزوں سے اس کو گھن اور نفرت ہو گی۔

یہ ایسے کام ہیں جو صرف گناہ ہی نہیں بلکہ شیطان نے ان کاموں کو انسان کے لیے مزین کیا ہے، شیطان انسانوں کے دلوں میں ان چیزوں کی منفعتیں اور فوائد بنا سنوار کر پیش کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ گندی چیزیں ہیں، ان سے جو بچے گا وہ اللہ کے ہاں کامیاب و کامران ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بچنے والوں کو جنت عطا فرمائے گا۔

شراب اور جوے کے دینی و دنیوی نقصانات

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ {۹۱} المائدہ

جواب ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب (خمر) اور جوا (میسر) کی قباحت اور ان کے نقصانات کو بیان فرمایا ہے، اللہ فرماتا ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوا کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، یعنی شراب نوشی اور جوا بازی انسانوں کے درمیان جھگڑے، دشمنی، نفرت اور فساد کا سبب بنتی ہے، اور انسان کو عبادت و ذکر سے غافل کر دیتی ہے۔ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ یعنی کیا تم باز آجاؤ گے؟ یہ اندازِ بیان دراصل حکم ہے کہ ان چیزوں سے مکمل طور پر رک جاؤ۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نافرمانی سے گریز

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ {۹۲} المائدہ

جواب ترجمہ: اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ

صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کر دیں۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ہر اس چیز سے بچو جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

وَاحْذَرُوْا یعنی گناہوں اور نافرمانی سے ڈرو۔ اگر تم اطاعت سے منہ موڑو تو جان لو کہ رسول پر صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے، اس کے بعد تمہاری نافرمانی کا وبال تم پر ہی آئے گا، رسول اللہ ﷺ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

تحریم سے پہلے پی گئی شراب کا گناہ نہیں

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ {۹۳}

المائدہ

جواب ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں اور اس کے بعد بھی تقوی اور احسان کو اپنائیں۔ اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان پر اس چیز کا کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے (تحریم سے پہلے) کھا پی لیا، بشرطیکہ وہ اب تقویٰ اختیار کریں، ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں۔ یعنی شراب اور جوا کے حرام ہونے سے پہلے جو کچھ کھا پی لیا گیا، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بشرطیکہ اب وہ لوگ تقویٰ اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں۔

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سوال کا جواب بھی ہے کہ جو لوگ شراب کے حرام ہونے سے پہلے فوت ہو گئے، ان کا کیا حکم ہے؟ اللہ نے فرمایا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ ایمان اور تقویٰ والے تھے۔

حالت احرام میں شکار اور اطاعت خداوندی

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۹۴} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے، تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا وہ دردناک سزا کا مستحق ہو گا۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ یہ حکم عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر نازل ہوا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالتِ احرام میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینے کے لیے شکار کو ان کے قریب کر دیا، یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں یا نیزوں سے آسانی سے شکار کر سکتے تھے، اس امتحان کا مقصد یہ تھا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون اللہ سے غیب میں ڈرتا ہے اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے بچتا ہے اور کون اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔

بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ: یعنی شکار کی ایک قسم یا تھوڑا سا شکار، اور **تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ** سے مراد چھوٹا شکار ہے جو ہاتھ سے پکڑا جا سکتا ہے، جبکہ **وَرِمَاحُكُمْ** سے مراد بڑا شکار ہے جو نیزے سے شکار کیا جاتا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ شکار کی کثرت اور اس کا آسانی سے دستیاب ہونا بھی ایک آزمائش ہے کہ آیا انسان اللہ کے حکم کی پابندی کرتا ہے یا نہیں۔

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ : اللہ تعالیٰ اس امتحان کے ذریعے ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون اس سے غیب میں ڈرتا ہے، یعنی جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو تب بھی اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے ۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : جو اس واضح حکم کے بعد بھی شکار کرے گا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے، اس میں سخت وعید ہے کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو دنیا و آخرت میں سزا ملے گی۔

حالتِ احرام میں شکار ممنوع

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ {۹۵} المائدہ

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جس وقت تم احرام میں ہو تو شکار کو نہ قتل کرو اور جو کوئی تم میں سے اسے جان بوجھ کر مارے تو اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے اس پر بدلہ لازم ہے جو تم میں سے دو معتبر آدمی تجویز کریں بشرطیکہ قربانی کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہو یا اس کے برابر روزے تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے اللہ نے اس چیز کو معاف کیا جو گزر چکی اور جو کوئی پھر کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرما رہے ہیں کہ تم لوگ ایسی حالت میں شکار مت کیا کرو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہوا کرو، خواہ وہ اِحرام حج کا ہو یا عمرے کا، کیونکہ اِحرام انتہائی تذلل اور عاجزی کا مظہر ہے، پس ایسی حالت میں شکار کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا اور مراد اس شکار سے خشکی کا شکار ہے نہ کہ پانی کا شکار کہ اس کی اجازت ہے جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ بہرکیف {وَاَنْتُمْ حُرُمٌ} کی اس شرط و قید

سے واضح فرمادیا گیا کہ جب تک تم اِحرام کی حالت میں ہوا کرو شکار مت کیا کرو کہ ایسی صورت میں شکار کرنا ممنوع و محظور ہے اور یہ بات اِحرام کے تقاضوں کے خلاف ہے، البتہ جب اِحرام کی پابندیوں سے آزاد اور فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد تم شکار کر سکتے ہو کہ اس کے شکار کی اجازت ہے، لیکن جب تک اِحرام کی پابندیوں میں ہوا کرو تو اس سے بچ کر رہا کرو۔ (تفسیر مدنی)

حالتِ اِحرام: سمندری شکار حلال خشکی کا حرام

سوال کیا محرم حیوانات کا گوشت کھا سکتا ہے، یا مچھلیوں کا گوشت یا دونوں کا کھا سکتا ہے؟ قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ {۹۶} المائدہ

جواب ترجمہ: تمہارے لئے دریا (کی چیزوں) کا شکار اور ان کو کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لئے اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور خدا سے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ: اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں سمندر (یا پانی) کے شکار کو حلال قرار دیا ہے، یعنی جو جانور پانی میں رہتے ہیں اور وہاں شکار کیے جائیں، وہ محرم کے لیے جائز ہیں، اسی طرح طَعَامُهٗ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سمندر یا پانی سے کھانے کے لیے حاصل ہوں، جیسے مردہ مچھلی یا وہ چیزیں جو پانی باہر پھینک دے، وہ بھی حلال ہیں، اس میں مقیم اور مسافر دونوں کے لیے فائدہ ہے کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوں اور مسافر زادِ راہ کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا: اس کے برعکس، خشکی کے شکار کو حالتِ احرام میں حرام قرار دیا گیا ہے، یعنی جب تک انسان احرام کی حالت میں ہے، وہ خشکی کے جانوروں کا شکار نہیں کر سکتا، خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قرآن)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ : آخر میں اللہ تعالیٰ تقویٰ کی تاکید فرماتا ہے اور یاد دلاتا ہے کہ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور وہی حساب لینے والا ہے۔

کعبہ مکرمہ کی تعظیم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ {۹۷} اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۹۸} المائدہ

جواب ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے انسانوں کی بقاء کا مدار بنایا ہے اور حرمت والا مہینہ اور حرم کی قربانی کا جانور اور وہ جانور جن کے گلوں میں پٹہ ڈالا جائے (یہ سب چیزیں اللہ نے قابل احترام بنائی ہیں) تاکہ تم سمجھ لو کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے۔ جان رکھو بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا بھی ہے اور بلاشبہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ : اللہ تعالیٰ نے کعبہ، جو حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے لیے قیام اور استحکام کا ذریعہ بنایا، جس کے ذریعے ان کے دینی مصالح قائم ہوتے ہیں، جیسے نماز، حج اور عمرہ، اور ان کے دنیاوی مصالح بھی، جیسے حرم کے اندر امن و امان کا قیام اور ہر قسم کے ثمرات اور روزی کا وہاں پہنچایا جانا۔

وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ : اور اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کو بھی لوگوں کے لیے امن و تحفظ کا سبب بنایا، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، جن میں دوسروں کی طرف سے قتال سے محفوظ رہتے ہیں۔

وَالْقَلَآئِدَ: اسی طرح قربانی کے جانوروں اور ان کے گلوں میں ڈالے گئے نشانات کو بھی (باعثِ حرمت) بنایا، جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ یہ جانور حرم کی طرف ہانکے جا رہے ہیں، تاکہ ان کے مالکان کو اذیت پہنچانے سے لوگ باز رہیں اور وہ امن میں رہیں۔

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا: یہ سب وہ عظیم نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمائی ہیں، تاکہ تم جان لو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: پس ان احکام کا تشریع فرمانا، جو تمہارے لیے مصالح کے حصول اور نقصانات کو ان کے وقوع سے پہلے دور کرنے کے لیے ہیں، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے فائدہ مند چیزوں کو بخوبی جانتا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: لوگو! جان رکھو کہ جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کے لیے اللہ سخت سزا دینے والا ہے، اور جو توبہ کرے اس کے لیے وہ نہایت بخشنے والا، اس پر رحم فرمانے والا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی ذمہ داری

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ {۹۹} المائدہ

جواب ترجمہ: رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ وہی بات پہنچادیں جس کے پہنچانے کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے، لوگوں کو ہدایت پر لے آنا رسول کے ذمہ نہیں، کیونکہ ہدایت دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، خواہ وہ ہدایت ہو یا گمراہی، اور وہ تمہیں اس پر پورا بدلہ دے گا۔

خبیث اور طیب برابر نہیں

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ {۱۰۰} المائدہ

جواب ترجمہ: فرمادیجیے کہ گندا اور پاک برابر نہیں ہوسکتے خواہ گندے کی زیادتی تم کو اچھی لگتی ہو تو اے ہوش والو! اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تم فلاح پاجاؤ۔

اور (اے رسول!) کہہ دیجئے: ہر چیز میں ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے، چاہے ناپاک کی کثرت تمہیں اچھی ہی کیوں نہ لگے، کیونکہ کسی چیز کی زیادتی اس کے بہتر ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ پس اے عقل والو! اللہ سے ڈرو، ناپاک چیزوں کو چھوڑ کر پاکیزہ کو اختیار کرو، تاکہ تم فلاح پاجاؤ اور جنت کے مستحق بنو۔

بے جا سوالات سے گریز لازم ہے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ {۱۰۱} قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ {۱۰۲} المائدۃ.

جواب ترجمہ: مومنو ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقت) تم پر ظاہر کردی جائے تو تمہیں برا لگے اور اگر قرآن نازل ہونے کے زمانے میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ (اب تو) خدا نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور خدا بخشنے والا بردبار ہے، اسی طرح کی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں (مگر جب بتائی گئیں تو) پھر ان سے منکر ہوگئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ لوگ نبی سے بطور استہزاء سوال کرتے چنانچہ ایک شخص نے جس کی اونٹنی گم ہوگئی تھی پوچھا کہ میری اونٹنی کہاں ہے اس پر اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (بخاری، قرطبی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (سورۃ آل عمران ۹۷) ترجمہ۔ اور لوگوں پر خدا کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک

جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے، تو بعض لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش رہے انہوں نے پھر پوچھا کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ پھر خاموش رہے آخری اور چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا نہیں، فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۹۴)

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرمارہے کہ وہ ایمان والے لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کی ہے اور شریعت اسلام پر عمل کیا ہے، ان کے لیے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسی ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے سے گریز کریں جن کے بارے میں انہیں حکم نہیں دیا گیا ہے، اگر ان کی طرف سے سوالات کا سلسلہ جاری ہو جائے تو پھر اس کے نتیجے میں ان پر ایسی ایسی مشقت لادی جاسکتی ہے جس کو برداشت کرنا ان کے لیے مشکل ہو جائے گا، بال کی کھال اتارنا، ہندی کی چندی بنانا، رائی کا پربت بنانا، سوئی کا مولہ بنانا کسی صورت مناسب نہیں ہے۔

مشرکوں کے مشرکانہ کام

سوال بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہے، آیت کی تفسیر کیجیے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ {۱۰۳} المائدۃ.

جواب ترجمہ: اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے لیکن کافر اللہ پر بہتان باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں۔

بحیرہ: جس جانور کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے، کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ: جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانہ کے سانڈ کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا، اس پر کوئی کچھ نہیں لادتا تھا۔ حامی: نر اونٹ جو ایک خاص عدد سے جفتی کر چکا ہو، جب اس کے جفتی ہونے کا یہ عدد پورا ہو جاتا تھا تو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اس پر کوئی سوار نہیں ہوتا تھا، اس کا نام

حامی رکھا جاتا تھا۔ وصیلہ: جو اونٹنی مسلسل مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں علاوہ اس کے کہ یہ چیزیں شعائر شرک میں سے تھیں، جس جانور کے گوشت یا دودھ یا سواری وغیرہ سے منتفع ہونے کو حق تعالیٰ نے جائز رکھا اس کی حلت و حرمت پر اپنی طرف سے قیود لگانا، گویا اپنے لئے منصب تشریع کو تجویز کرنا تھا اور بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنی ان مشرکانہ رسوم کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ تصور کرتے تھے اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ نے ہرگز یہ رسوم مقرر نہیں کیں۔ ان کے بڑوں نے خدا پر یہ بہتان باندھا اور اکثر بے عقل عوام نے اسے قبول کر لیا۔ الغرض یہاں تنبیہ کی گئی کہ جس طرح فضول و بے کار سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کرانا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ بدون حکم شارع کے محض اپنی آراء و اہواء سے حلال و حرام تجویز کر لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

جاہل آباؤ اجداد کے پیروکار

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ {۱۰۴} المائدہ

جواب ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہم کو کافی ہے خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہوں کہ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ چلتے ہوں۔

اور جب ان لوگوں سے، جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے بعض مویشیوں کو حرام قرار دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب (قرآن) اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف، تاکہ تم حلال و حرام کو پہچانو، تو وہ کہتے ہیں: ہمیں وہی کافی ہے جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے عقائد، اقوال اور اعمال

کی صورت میں پایا ہے، حالانکہ ان کے آباؤ اجداد نہ کچھ جانتے تھے اور نہ ہی حق کی راہ پر تھے! پھر ان کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو خود ان سے بھی زیادہ جاہل اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں، پس یہ سب لوگ جاہل بھی ہیں اور گمراہ بھی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کب چھوڑا جاسکتا ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۱۰۵} المائدۃ.

جواب ترجمہ: اے ایمان والوں! اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے اس وقت وہ تم کو تمہارے سب کاموں سے جو (دنیا) (میں) کئے تھے آگاہ کریگا اور ان کا بدلہ دے گا۔

بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کرلی جائے تو کافی ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری نہیں ہے، لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے، اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جب کہ قرآن نے (جب تم خود ہی ہدایت پر چل رہے ہو) کی شرط عائد کی ہے، اس لئے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ، جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے، اس لئے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمہارے لئے یہ نقصان دہ نہیں ہے جب کہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو، البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترک جائز

ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے اس صورت میں فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان کے تحت اس کی گنجائش ہے آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔(تفسیر مکہ)

وصیت کے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی

سوال ان آیات کریمات کی تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ{۱۰۶}فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ{۱۰۷}ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ{۱۰۸} المائدۃ.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جب کہ تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان تم میں سے معتبر آدمی گواہ ہونے چاہییں یا تمہارے سوا دو گواہ اور ہوں اگر تم نے زمین پر سفر کیا ہو پھر تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد کھڑا کرو وہ دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں اگر تمہیں کہیں شبہ ہو کہ ہم قسم کے بدلے مال نہیں لیتے اگرچہ رشتہ داری ہی کیوں نہ ہو اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے ورنہ ہم بیشک گناہگار ہوں گے۔ پھر اگر اس بات کی اطلاع ہو جائے کہ وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے تو ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں ان میں سے جن کا حق دبایا گیا ہے جو سب سے زیادہ میت کے قریب ہوں پھر اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ سچی

ہے اور ہم نے زیادتی نہیں کی ورنہ ہم بیشک ظالموں میں سے ہوں گے۔ یہ اس امر کا قریب ذریعہ ہے کہ وہ لوگ واقع کو ٹھیک طور پر ظاہر کر دیں یہ اس بات سے ڈر جائیں کہ قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اللہ نافرمانوں کو سیدھی راہ پر نہیں چلاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور عدی بن زید مکہ آتے جاتے رہتے تھے ایک مرتبہ بنو سہم میں سے قریش کا ایک آدمی ان کے ساتھ ہو لیا یہ شخص ایک سرزمین میں جہاں کوئی مسلمان نہ تھا فوت ہو گیا اس نے ان کو اپنے ترکے کا وصی بنا دیا جب یہ دونوں واپس آئے تو اس کا ترکہ اس کے گھر والوں کو دے دیا اور ایک چاندی کا پیالہ چھپا لیا جس پر سونے سے نقش و نگار کیے گئے تھے انہوں نے کہا ہم نے وہ پیالہ نہیں دیکھا انہیں نبی کے پاس لایا گیا تو انہوں نے آپ کے سامنے اللہ کی قسم کھائی اور کہا کہ نہ ہم نے پیالہ چھپایا ہے اور نہ ہی ہمیں اس کا علم ہے لہذا آپ نے ان دونوں کو چھوڑ دیا پھر وہی پیالہ مکہ میں کچھ لوگوں کے پاس نظر آیا تو انہوں نے بتلایا کہ ہم نے تو یہ پیالہ تمیم داری اور عدی بن زید سے خریدا ہے پس اسی سہمی کے رشتہ داروں نے ان سے وہ پیالہ لیا اور ان میں سے دو آدمیوں نے اس بات کی قسم کھائی کہ یہ پیالہ ہمارے رشتہ دار کا ہے اور ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ درست ہے اور ہم اس میں زیادتی کرنے والے نہیں ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تم میں سے ہوں کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے (وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں، اسی طرح آخَرَانِ مِن غَيرِكُم میں دو مفہوم ہونگے۔ یعنی من غیر کم سے مراد یا غیر مسلم اہل کتاب ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جسے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔ مرنے والے موصی کے ورثا کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیانے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو نماز کے بعد یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے۔ (تفسیر مکہ)

بروز محشر انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ {۱۰۹} المائدہ

جواب ترجمہ: وہ دن یاد کرو جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، پوشیدہ باتوں کا تمام تر علم تو آپ ہی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے سوال کرے گا: تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ یعنی تمہاری امتوں نے تمہاری دعوتِ توحید اور اطاعت پر کیا ردِ عمل ظاہر کیا؟ اس سوال کا مقصد رسولوں کو نہیں بلکہ ان کی امتوں کو حجت قائم کرنا اور ان پر اتمامِ حجت کرنا ہے ۔

رسول اس وقت جواب دیں گے: "ہمیں کوئی علم نہیں، بیشک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اس جواب کی وجہ مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکی اور خوف کی وجہ سے رسول بھی اس وقت حیران و پریشان ہوں گے اور کہیں گے کہ ہمیں اس بارے میں علم نہیں، یا یہ کہ ہمیں صرف وہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا، اصل حقیقت اور دلوں کے حال تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے فرمایا لَا عِلْمَ لَنَا یعنی ہمیں صرف وہ علم ہے جو اللہ نے ہمیں دیا اور اصل حقیقت اللہ ہی جانتا ہے، بعض نے کہا کہ یہ جواب اس وقت کی شدت اور خوف کی وجہ سے ہو گا، جب سب کی عقلیں اور ہوش اڑ جائیں گے۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ: یعنی اے اللہ! تو ہی ہر چھپی اور ظاہر چیز کو جانتا ہے، ہم صرف ظاہر کو جانتے ہیں، دلوں کے ارادے اور حقیقتیں تیرے علم میں ہیں ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا دن ہو گا اور اعمال و احوال کی پرسش ہو گی اس لیے تم کو مخالفت و معصیت سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ (تفسیر بیان القرآن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے آگاہ کیجیے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ {۱۱۰} المائدہ

جواب ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ سے فرمائے گا اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے۔ جب میں نے روح القدس (جبریل) سے تمہاری مدد کی۔ تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی طریق پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے اور مردے کو (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا، جبان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے تو جو ان میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آغوش مادر میں گفتگو کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے کسی استاذ کے بغیر انہیں کتابت کا علم سکھایا اور قوت فہم و ادراک عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری جانے والی تورات انہیں سکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل ہونے والی انجیل انہیں سکھائی جو کہ لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا سامان تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام پرندوں کی طرح کی چیز مٹی سے بناتے تھے، جس میں پھونک

مارتے تھے تو پرندہ کی شکل بن جاتی تھی، پھر وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھے کو شفا دیتے تھے تو وہ دیکھنے لگ جاتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کوڑھ کی بیماری والے کو شفا دیتے تو اس کے جسم کی کھال اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتی تھی۔ اللہ سے دعا کرتے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کر دے تو وہ اپنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

حواریان عیسیٰ علیہ السلام کو الہام

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ {۱۱۱} المائدہ

جواب ترجمہ: اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ وہ بولے ہم ایمان لے آئے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص ساتھیوں یعنی حواریین کا ذکر فرما رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جب میں نے حواریین کے دلوں میں یہ بات ڈال دی (یعنی الہام کیا) کہ میرے اور میرے رسول (عیسیٰ) پر ایمان لاؤ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی ڈالی اور انہیں ہدایت دی، جیسا کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یا شہد کی مکھی کو الہام کیا تھا۔ یہاں "وحی" سے مراد نبوت والی وحی نہیں بلکہ الہام اور دل میں ڈالنا ہے ۔

حواریین نے اس الہام کو قبول کیا اور کہا: "ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔" یعنی ہم نے دل سے ایمان قبول کیا اور اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا اور ہم اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے والے اور اس کے دین کے پیروکار ہیں، یہاں "مسلمون" سے مراد ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے دین پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیا ۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں ایمان کو پہلے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ دل کا عمل ہے اور اسلام کو

بعد میں ذکر کیا کیونکہ وہ ظاہر میں اطاعت اور عمل ہے، اس طرح حواریین نے اپنے دل اور عمل دونوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور اطاعت کا اعلان کیا ۔

آسمانی دستر خوان کا نزول

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز حواریوں کے مطالبے پر آسمان سے اترنے والے دستر خوان کا ذکر بھی کیجیے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۱۱۲} قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ {۱۱۳} قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ {۱۱۴} قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ {۱۱۵} المائدہ

جواب ترجمہ: (وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم ! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) خوان نازل کرے ؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو، انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ رہیں، عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے اللہ ! رب ہمارے، ہم پر بھرا ہوا خوان آسمان سے اتار جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کیلئے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، اللہ نے فرمایا بیشک میں وہ خوان تم پر اتاروں گا پھر اس کے بعد جو کوئی تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اسے ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! اگر آپ اللہ تعالیٰ

سے سوال کریں کہ وہ ہم پر آسمان سے ہمارے لیے کھانے کا ایک دستر خوان اتارے تو کیا تمہارا رب ایسا کر سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ اللہ تمہیں حکم دے رہا ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے جس طرح ایمان رکھنے کا حق ہے تو اس کے عذاب سے بچو، حواریوں نے انہیں کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ دستر خوان سے کھائیں اور اللہ کے دیدار سے ہمارے دل تسلی پائیں، ہمیں آپ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں تصدیق ہو جائے، ہم اس کے گواہ بن جائیں کہ واقعی اس نشانی کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتارا ہے، یہ نشانی اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر دلیل ہو گی کہ وہ واقعی ایک ہے، وہ جو چاہے اس پر اسے قدرت حاصل ہے، یہ نشانی آپ کے لیے بھی دلیل اور حجت ہو گی کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے اس مطالبے کا جواب دیتے ہوئے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر آسمان سے کھانے کا ایک دستر خوان اتار دے، تاکہ اس کے اترنے کے دن کو ہم عید اور خوشی کا دن بنالیں، ہم اور ہمارے بعد والے لوگ اس کی عظمت و احترام کا خیال کریں گے، اے ہمارے پروردگار! یہ دستر خوان تیری طرف سے تیری وحدانیت اور میری نبوت کی سچائی پر حجت اور دلیل ہو گا، ہمیں اپنی طرف سے عطاء جزیل کر، آپ بہترین رزق دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر کھانے کا دستر خوان اتاروں گا، پھر اس کے بعد جو شخص میری وحدانیت اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرے گا تو میں اسے ایسا سخت عذاب دوں گا کہ دنیا والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کے مطابق آسمان سے کھانے کا دستر خوان نازل فرمایا۔

اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان قیامت کے دن مکالمہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ {۱۱۶} مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ {۱۱۷} اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۱۱۸} المائدہ

جواب ترجمہ: اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب مناسب تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے معلوم ہوتا۔ (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بیشک تو ساری پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کردے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے، اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالینا؟ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی پاکی و صفائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے کہ میرے لیے مناسب نہیں تھا کہ میں لوگوں کو ناحق بات کرتا، اگر میں ان کو ایسا کہتا تو اے اللہ! تجھے تو اس کا علم ہوتا، کیونکہ تو ایسی ذات ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، تو تو وہ بھید اور راز بھی جانتا ہے جو میرے سینے میں پوشیدہ ہے جب کہ میں تیرے دل کے راز کو نہیں جانتا، تو ہر چیز کو جاننے والا ہے جو ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو، عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ اے میرے رب! میں تو انہیں وہی بات بتاتا رہا جو تو نے میری طرف وحی کی تھی، جس کی تبلیغ کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، جس میں تیری وحدانیت کا ذکر تھا، جس میں تیری عبادت کا ذکر تھا۔

اے اللہ! جب تک میں اپنے لوگوں میں موجود تھا میں ان کے افعال اور اقوال سے آگاہ تھا، جب تو نے زمین پر میری مدت پوری کی، مجھے زندہ آسمان پر اٹھالیا تو پھر تو ہی ان کے سرائر اور پوشیدہ چیزوں سے آگاہ تھا، آسمان اور زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تجھ سے مخفی اور پوشیدہ ہو، اگر تو انہیں سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں، تو ان کے حالات سے بخوبی واقف ہے، ان کے ساتھ جو تو چاہے اپنے عدل کے ساتھ معاملہ فرما، ہاں ان میں سے جو مغفرت اور بخشش کے اسباب کے ساتھ تیرے پاس آئے تو اسے معاف بھی کر سکتا ہے، تو ایسی غالب ہستی ہے کہ تجھ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

قیامت کے دن سچائی نفع دے گی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ {۱۱۹} لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۱۲۰} المائدہ

جواب ترجمہ: اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ جس میں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی، ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ہمیشہ کے لیے وہ اسی میں رہ پڑیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا آج وہ دن ہے جب سچوں کو ان کا سچ فائدہ دے گا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں ایمان، قول و عمل میں سچائی اختیار کی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام و مومنین، ان کا دنیا میں کیا گیا سچ اور ایمان آج ان کے کام آئے گا، جبکہ جھوٹے اور کافر اس دن خسارے میں ہوں گے۔

اس سچائی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے ۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی بادشاہت اور ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس آیت میں اللہ کی عظمت، اس کی بادشاہت اور اس کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے، تاکہ بندے جان لیں کہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے اور وہی جزا و سزا دینے والا ہے۔

ان آیات میں قیامت کے دن سچوں کی کامیابی، جنت کی نعمتیں، اللہ کی رضا اور اس کی عظیم بادشاہت و قدرت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیات ایمان، صدق اور اللہ کی اطاعت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اصل کامیابی اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہے۔

نظر ثانی، اضافات و ترمیمات: ۲۸ جنوری ۲۰۲۶ء بروز بدھ وقت التہجد

سورۃ الانعام (تعارف)

سوال سورۃ الانعام کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الانعام قرآن مجید کی چھٹی سورت ہے، جو مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں ۱۶۵ آیات ہیں، اس سورت کو "الأنعام" اس لیے کہا گیا کہ اس میں زیادہ تر احکام ان جانوروں (انعام) کے متعلق بیان ہوئے ہیں جنہیں مشرکین اپنی جہالت میں بتوں کے نام پر قربان کرتے یا ان کے متعلق مختلف غلط عقائد رکھتے تھے، اس سورت میں ان کی جہالت اور شرک کی تردید کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: سورۃ الانعام کو "الانعام" اس لیے کہا گیا کہ اس میں انعام (یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) کے متعلق مشرکین کے باطل رسوم وعقائد اور ان کے رد کا بیان ہے، مشرکین ان جانوروں کو اپنے معبودوں کے نام پر مخصوص کرتے، بعض کو حرام قرار دیتے اور بعض کو قربان کرتے تھے، اس سورت میں ان تمام باطل رسوم کی تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

شان نزول: سورۃ الانعام کے شان نزول کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں، اکثر مفسرین کے مطابق یہ سورت ایک ہی دفعہ مکمل طور پر نازل ہوئی، اس کے نزول کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے، جنہوں نے آسمان وزمین کے درمیان جگہ کو بھر دیا اور وہ اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول تھے۔ اس عظیم منظر کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ کہا اور سجدے میں گر گئے۔ بعض روایات کے مطابق اس سورت کی چند آیات مدینہ میں نازل ہوئیں، لیکن مجموعی طور پر یہ مکی سورت ہے۔

اہم مضامین: سورۃ الانعام کے اہم مضامین درج ذیل ہیں ①: توحید اور اللہ کی قدرت: اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی تخلیق، اور اس کی قدرت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

② رسالت اور نبوت کی حقانیت: اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ اپنی دعوت میں ثابت قدم رہیں۔

③ قیامت اور آخرت: اس سورت میں قیامت کے دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کا ذکر ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ ④ مشرکین کی جہالت اور باطل رسوم کی تردید: مشرکین کے انعامات کے متعلق باطل عقائد، اولاد کو قتل کرنا، اور دیگر جاہلانہ رسوم کی مذمت کی گئی ہے۔ ⑤ اخلاقی و اجتماعی ہدایات: اس سورت میں توحید، والدین کے ساتھ حسن سلوک، قتلِ اولاد کی ممانعت، یتیموں کے حقوق، انصاف، اور دیگر اخلاقی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔ ⑥ اللہ کی نعمتوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کیا، خصوصاً انعامات (جانوروں) کی تخلیق اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کو بیان کیا۔

سورۃ الانعام قرآن مجید کی عظیم سورت ہے، جس میں عقیدہ، عبادات، اخلاق اور معاشرت کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں اور مشرکین کی جہالت و باطل رسوم کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔

قرآنی آیت میں یعدلون کا مطلب

سوال قرآن کریم کی آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کے ساتھ یعدلون کا مطلب واضح کیجیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ {۱} الأنعام

جواب ترجمہ: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیرا اور اجالا بنایا پھر بھی یہ کافر اوروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں۔

یعدلون کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے غیر کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، عرب کا مقولہ ہے عَدَلَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ إِذَا سَوَّاهُ بِهِ ، وَمَعْنَى یَعْدِلُونَ یُشْرِكُونَ بِهِ غَیْرَهُ، عدل الشئ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی چیز کسی چیز کے ساتھ برابر ہو جائے،

اس لحاظ سے یعدلون کا معنی یہ ہو گا کہ وہ اللہ کے غیر کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے کہ یعدلون کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کو اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ (تفسیر جلالین) تفسیر بیضاوی میں ہے کہ وہ لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ حضرت سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یعدلون کا معنیٰ ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

حضرت ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اَلْاٰلِهَةَ الَّتِي عَبَدُوهَا عَدَلُوهَا بِاللّٰهِ تَعَالَى، وَلَيْسَ لِلّٰهِ عِدْلٌ وَلَا نِدٌّ، وَلَيْسَ مَعَهُ اٰلِهَةٌ، وَلَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا (تفسیر در منثور) وہ معبودان جن کی وہ عبادت کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی نہیں ہے، نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے، نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، نہ ہی اللہ نے کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ ہی کسی کو بیٹا بنایا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَجْعَلُونَ لِلّٰهِ عَدْلًا وَشَرِيكًا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ وَحْدَهُ، پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے برابر اور شریک بنا لیے حالانکہ اللہ وہ ذات ہے جس نے ان تمام اشیاء کو اکیلے پیدا کیا ہے۔

مقصود اس آیت کا توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل کو بیان فرما کر دنیا کی ان تمام قوموں کو تنبیہ کرنا ہے یا تو سرے سے توحید کی قائل نہیں، یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت کو چھوڑ بیٹھی ہیں۔

مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اہرمن، یزدان کو خالق خیر اور اہرمن کو خلقِ شر قرار دیتے ہیں، اور انہی دونوں کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدا کا شریک بتاتے ہیں، آریہ سماج توحید کے قائل ہونے کے باوجود روح و مادّہ کو قدیم اور خدا تعالیٰ کو قدرت و خلقت سے آزاد قرار دے کر توحید کی حقیقت سے ہٹ گئے، اسی طرح نصاریٰ توحید کے قائل ہونے کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا تعالیٰ کا شریک و سہیم بنانے

لگے، اور پھر عقیدہ توحید کو تھامنے کے لئے ان کو ایک تین اور تین ایک کا غیر معقول نظریہ اختیار کرنا پڑا، اور عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھلائی کہ ہر پہاڑ کا ہر پتھر ان کے نزدیک نوعِ انسانی کا معبود بن سکتا تھا۔ غرض انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے مخدومِ کائنات اور اشرف المخلوقات بنایا تھا یہ جب راہ سے بھٹکا تو اس نے نہ صرف چاند، سورج، اور ستاروں کو بلکہ آگ، پانی اور درخت، پتھر یہاں تک کہ کیڑوں مکوڑوں کو اپنا مسجود و معبود اور حاجت روا، مشکل کشا بنالیا۔ (معارف القرآن)

اَجلاً اور اَجلٌ میں فرق

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتایئے اجلاً اور اجلٌ مسمّٰی میں کیا فرق ہے؟

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًاؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ {۲} الانعام

جواب ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت مقرر کر دیا اور اس کے ہاں ایک مدت مقرر ہے تم پھر بھی شک کرتے ہو۔

اجلاً سے مراد تمہاری اس دنیا میں باقی رہنے کی مدت ہے، یعنی ہر انسان کی عمر مراد ہے۔ اجلٌ مسمّٰی سے مراد قیامت کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا دن۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجلاً سے مراد موت ہے اور اجلٌ مسمّٰی سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ابو مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجلاً سے مراد گزری ہوئی مخلوق کی مدت ہے اور اجل مسمیٰ سے مراد بعد میں آنے والی مخلوق کی مدت ہے، پہلے والوں کی مدت معلوم ہے جب کہ بعد والوں کی مدت نامعلوم ہے۔ پہلے اجل سے مراد اجل الموت ہے جب کہ بعد والے اجل سے مراد قیامت کا دن ہے۔

بعض کے ہاں پہلے اجل سے مراد تخلیق سے موت تک کی مدت مراد ہے اور دوسرے اجل سے مراد موت اور بعث کے درمیان کی مدت یعنی برزخ مراد ہے۔ بعض کے نزدیک پہلے اجل سے مراد

نیند ہے اور دوسرے اجل سے مراد موت ہے۔ بعض کے نزدیک پہلے اجل سے مراد ہر انسان کی وہ مدت عمر مراد ہے جو گزر چکی اور دوسرے اجل سے مراد ہر انسان کی وہ مدت عمر ہے جو ابھی باقی ہے۔

یونس بن یزید ایلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلے اجل سے مراد ان چھ دنوں کی مدت ہے جن میں اللہ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور دوسرے اجل سے مراد اس کے بعد سے لے کر قیامت تک پیدا کی جانے والی مخلوق کی اجل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے اجل سے مراد موت ہے اور دوسرے اجل سے مراد آخرت ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے اجل سے مراد مدت دنیا ہے اور دوسرے اجل سے مراد انسان کی موت تک کی عمر ہے۔

چھپے اور کھلے راز اللہ ہی جانتا ہے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ {۳} وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ {۴} الانعام

جواب ترجمہ: وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں تمہارے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے اور تمہارے کیے دھرے سے بھی واقف ہے۔ اور جب بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو وہ منہ ہی پھیر جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، علم اور قدرت کو بیان کیا گیا ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین میں معبود ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کے تمام باشندے اسی کی عبادت کرتے ہیں اور وہی ان کا رب ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہے، بلکہ اس سے مراد اس کی الوہیت، عبادت اور تدبیر ہے، جیسا کہ سلف صالحین اور مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اَللّٰهُ الْمَعْبُوْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی وہی آسمانوں اور زمین میں معبود ہے، اور وہی ان سب کا مدبر ہے۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے راز، تمہاری چھپی ہوئی باتیں اور تمہاری ظاہر باتیں سب جانتا ہے، تم جو کچھ چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو، اللہ کے علم میں ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ: یعنی تم جو بھی عمل کرتے ہو، چاہے وہ نیکی ہو یا بدی، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور اسی کے مطابق جزا یا سزا دیتا ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ: اس آیت میں کفار کے رویے کی مذمت کی گئی ہے کہ ان کے پاس جب بھی اللہ کی کوئی نشانی یا معجزہ آتا ہے، وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اس پر غور نہیں کرتے، آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ سے مراد وہ دلائل، معجزات اور نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت اور قدرت کے ثبوت کے لیے بھیجتا ہے، لیکن کفار ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی ان سے اعراض کرتے ہیں، یعنی ان پر ایمان نہیں لاتے اور ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

آیت مبارکہ میں الحق سے کیا مراد ہے؟

سوال آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز یہ بتائیے کہ اس میں "الحق" سے کیا مراد ہے

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ {٥} الأنعام

جواب ترجمہ: جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو بھی جھٹلا دیا۔ سو ان کو ان چیزوں کا جن کا یہ استہزاء کرتے ہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الحق کی مراد میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد معجزات ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت محمد عربی ﷺ ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شریعت ہے جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے اور وہ احکام ہیں جو آپ ﷺ لے کر آئے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وعدہ و وعید ہے، بسا اوقات انہیں ترغیب دی جاتی تھی اور بعض اوقات کسی سبب سے انہیں ڈرایا جاتا تھا، امام رازی رحمہ اللہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں اس میں شامل ہوں۔

تفسیر جلالین میں الحق سے مراد قرآن کریم لیا گیا ہے، تفسیر بیضاوی میں بھی الحق سے مراد قرآن کریم لیا گیا ہے، سراج الدین دمشقی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر اللباب میں فرمایا کہ الحق سے مراد تمام آیات ہیں، ابو جعفر طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر طبری میں لکھتے ہیں کہ الحق سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کہ لوگوں نے ان کا اس وقت انکار کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

بڑی بڑی اقوام کی تباہی کے اسباب

سوال بڑی بڑی قومیں کس وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں؟ اس آیت کی روشنی میں بتائیے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ {٦} الأنعام۔

جواب ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیئے تھے کہ تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار بارش برسائی اور نہریں بنا دیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہ رہی تھیں۔ پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور امتیں پیدا کر دیں۔

تفسیر: یعنی عاد و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور ساز و سامان دیا گیا تھا، بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے بغاوت اور تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے۔ تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر انکے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذّبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔ (فوائد عثمانیہ)

مشرکین کے عجیب سوالات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ {۷} وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ {۸} وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ {۹} وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۱۰} قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ {۱۱} الانعام

جواب ترجمہ: اور اگر ہم آپ پر کوئی ایسی کتاب اتار دیں جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہو پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھو بھی لیں تب بھی انکار کرنے والے یہی کہیں گے کہ کچھ نہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر فرشتہ کیوں نہ اترا اور اگر ہم فرشتہ اتار دیتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو مہلت بھی نہ ملتی۔ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو یقیناً ایک آدمی ہی (کی صورت کا) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈالتے جس شبہ میں وہ اب مبتلا ہیں۔ اور بیشک آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق بنایا جا چکا ہے تو جو وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان مذاق اڑانے والوں ہی پر الٹ پڑا۔ آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ: الخ اور اگر ہم (اے حبیب ﷺ آپ ﷺ پر کاغذ پر لکھی ہوئی ایک کتاب نازل کر دیتے اور یہ لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیتے، بلکہ اپنے ہاتھوں سے چھو کر اس کی تصدیق بھی کر لیتے، تب بھی یہ اپنے انکار اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہ لاتے، اور یہی کہتے کہ تم جو کچھ لائے ہو یہ تو کھلا ہوا جادو ہی ہے، اس لیے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

شان نزول: مفسر قرآن کلبی فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ اے محمد! خدا کی قسم ہم تب تک آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمیں اللہ کے ہاں سے ایک کتاب نہ لا کر دیں اور

اس کتاب کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ کی طرف سے ہے اور یہ کہ آپ اس کے رسول ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ: الخ اور یہ کافر کہتے ہیں: اللہ نے محمد ﷺ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا جو ہم سے بات کرتا اور ان کے رسول ہونے کی گواہی دیتا؟ اور اگر ہم ان کی خواہش کے مطابق کوئی فرشتہ نازل کر دیتے، پھر بھی اگر یہ ایمان نہ لاتے تو ہم فوراً انہیں ہلاک کر دیتے اور پھر انہیں توبہ کی کوئی مہلت نہ دی جاتی۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا: الخ اور اگر ہم جس کو رسول بنا کر بھیجتے وہ فرشتہ ہی ہوتا، تو ہم اسے لازماً انسان کی صورت میں بھیجتے، تاکہ وہ اس کی بات سن سکیں اور اس سے ہدایت لے سکیں، کیونکہ فرشتے کو اس کی اصل صورت میں دیکھنے اور اس سے بات کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ فرشتہ انسان کی شکل میں آتا تو ان پر معاملہ پھر بھی مشتبہ ہی رہتا (اور وہ شک ہی میں پڑے رہتے)۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ: پس اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ فرشتہ نازل کرنے کا مطالبہ کر کے تم سے استہزا کر رہے ہیں، تو تم سے پہلے بھی بہت سی امتوں نے اپنے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا، تو پھر وہ عذاب انہیں آگھیرے رہا جس کا وہ انکار کرتے اور جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ: آپ (اے حبیب ﷺ!) ان جھٹلانے اور مذاق اڑانے والوں سے فرما دیجیے، زمین میں چل پھر کر دیکھو، پھر غور کرو کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا، وہ اپنی قوت اور حفاظت کے باوجود اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

پوری کائنات میں اللہ کی حاکمیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۱۲} وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {۱۳} قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ۭ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ {۱۴} قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ {۱۵} مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ {۱۶} وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۱۷} وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ {۱۸} الانعام

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجئے یہ سب اللہ ہی کے لیے ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم فرمالیا ہے اور وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اسی کے لیے ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنالوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ آپ فرما دیئے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمان بردار ہوا، اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جایئے۔ آپ فرما دیجئے! کہ بیشک! میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو میرے رب نے اس پر رحم فرمایا، اور یہ کھلی کامیابی ہے۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ: الخ آپ (اے حبیب ﷺ) ان سے فرما دیجیے: آسمانوں کی بادشاہی، زمین کی بادشاہی اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، وہ کس کی ہے؟ آپ فرما دیجیے: یہ سب کی سب اللہ ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے، اسی وجہ سے وہ فوراً سزا نہیں دیتا، بلکہ مہلت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب

(توبہ نہ کریں تو) قیامت کے دن ان سب کو جمع فرمائے گا، وہ دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے اللہ کا انکار کر کے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا، وہ ایمان نہیں لاتے، چنانچہ اپنے آپ کو اس نقصان سے بچا نہیں پاتے۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: الخ اور اللہ ہی کے لیے ہے ہر اس چیز کی بادشاہی جو رات اور دن میں ٹھہری ہوئی ہے یا گردش کر رہی ہے۔ وہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے اور عنقریب ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ سے کہا اے محمد! ہمیں علم ہے کہ تم جس چیز کی طرف ہمیں دعوت دے رہے ہو اس پر تمہیں تمہاری ایک ضرورت مجبور کر رہی ہے ہم تمہارے لیے اپنے اموال میں سے ایک حصہ مقرر کر دیتے ہیں تاکہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور آپ اپنے اس کام سے باز آجائیں جو آپ کر رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: الخ آپ (اے حبیب ﷺ) ان مشرکوں سے کہہ دیجیے جو اللہ کے ساتھ بتوں اور دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، کیا یہ عقل کی بات ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا کارساز بناؤں، اس سے دوستی رکھوں اور اسی سے مدد مانگوں؟ حالانکہ وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی سابق نمونے کے پیدا فرمایا، نہ اس کی تخلیق میں کسی نے اس سے سبقت کی اور وہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، جبکہ کوئی اسے رزق دینے والا نہیں، پس وہ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے اور بندے سب اس کے محتاج ہیں، آپ فرما دیجیے: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس امت میں سب سے پہلے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والا بنوں، اور مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں مشرکوں میں شامل ہوں۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ: الخ آپ فرما دیجیے: اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں، یعنی اس کے حرام کردہ امور (خصوصاً شرک) کا ارتکاب کروں، یا اس کے حکم کردہ امور (ایمان اور اطاعت) کو چھوڑ دوں، تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مجھے بڑے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ: الخ جس شخص سے قیامت کے دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، یقیناً اس پر اللہ نے رحمت فرما دی، اور یہی نجات کھلی اور واضح کامیابی ہے، جس کے مقابلے میں کوئی کامیابی نہیں۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ: اور اگر (اے انسان!) اللہ کی طرف سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ: الخ اور وہ اپنے بندوں پر کامل غلبہ رکھنے والا ہے، انہیں اپنے حکم کے تابع رکھنے والا، ہر اعتبار سے ان پر بلند و برتر ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے، تمام مخلوق اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے اور وہ اپنے بندوں کے اوپر اسی شان کے ساتھ ہے جو اس کی عظمت کے لائق ہے، وہ اپنے پیدا کرنے، تدبیر کرنے اور شریعت مقرر کرنے میں سراسر حکمت والا ہے اور پوری خبر رکھنے والا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت پر اللہ کی گواہی

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز بتائیے کہ یہ کس مناسبت سے نازل ہوئی؟

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ {۱۹} الأنعام۔

جواب ترجمہ: ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے۔ کہہ دو کہ خدا ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے۔ اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے۔ کہ اس کے ذریعے سے تم

کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں۔ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ (اے محمد ﷺ! کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

شان نزول: کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم کسی کو نہیں دیکھتے جو اس رسالت کے معاملے میں جس کا آپ دعوی کرتے ہیں آپ کی تصدیق کرتا ہو ہم نے آپ کے بارے میں یہود اور نصاری سے پوچھا لیکن وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آپ کا کوئی ذکر ہے نہ صفت ۔ لہٰذا آپ ایسا کیجیے کہ ہمارے سامنے کوئی ایسا شخص پیش کیجیے جو آپ کے زعم کے مطابق آپ کے رسول ہونے پر گواہی دے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری ۱۸۰، سیوطی ۱۱۵، زادل المیسر ۳/ ۱۳، قرطبی ۶/ ۳۹۹)

یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کو خوب پہچانتے تھے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ {۲۰} الأنعام۔

جواب ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے ان (ہمارے پیغمبر ﷺ کو اس طرح پہنچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہنچانا کرتے ہیں جنہوں نے اپنے تئیں نقصان میں ڈال رکھا ہے۔ وہ ایمان نہیں لاتے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی اس کے علاوہ کہ میری صداقت کا خدا گواہ ہے اور قرآن کریم اس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت دے رہا ہے۔ وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی جن کی طرف کتب سماویہ کا عالم سمجھ کر تم میرے معاملہ میں رجوع کرتے ہو، اپنے دلوں میں پورا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ میں ہی وہ نبی آخر الزماں ہوں جس کی بشارت انبیائے سابقین دیتے چلے آئے

ہیں۔ ان کو جس طرح بہت سے بچوں میں سے اپنی اولاد کے شناخت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کے معلوم کرنے میں بھی کوئی شبہ اور دھوکہ نہیں ہے۔ البتہ حسد، کبر، تقلید آباء، اور حب جاہ ومال وغیرہ اجازت نہیں دیتے کہ مشرف بایمان ہو کر اپنی جانوں کو نقصان دائمی اور ہلاکت ابدی سے بچائیں۔

حضرت زید بن سمین جو اہل کتاب میں سے ہیں انہوں نے رسول کریم ﷺ کو تورات وانجیل کے بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا، صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو پہلے تصدیق نہیں ہو سکی تھی، امتحان کے بعد تصدیق ہوئی، وہ یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہو گا، پھر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی پوری طرح آپ ﷺ میں پائی اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ إِنَّهُمْ يَعْرِفُونَ هٰذَا الَّذِي جِئْتَهُمْ بِهِ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ،بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالْأَنْبَاءِ عَنِ الْمُرْسَلِينَ الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْأَنْبِيَاءِ، فَإِنَّ الرُّسُلَ كُلَّهُمْ بَشَّرُوا بِوُجُودِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِبَعْثِهِ وَصِفَتِهِ، وَبَلَدِهِ وَمُهَاجَرِهِ، وَصِفَةِ أُمَّتِهِ؛ (ابن کثیر)

یہ جو کچھ آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اسے وہ اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، بہ سبب اس کے جو ان کے پاس پہلے انبیاء اور رسولوں کی طرف سے پہنچنے والی اخبار اور اطلاعات تھیں، کیونکہ جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے ان سب نے نبی کریم ﷺ کے وجود کی، آپ ﷺ کی بعثت کی، آپ ﷺ کی صفات کی، آپ ﷺ کے شہر کی، آپ ﷺ کی ہجرت کی، آپ ﷺ کی امت کی صفات کی اطلاع دی تھی۔

لوگوں میں سب سے بڑا ظالم کون؟

سوال قرآن کی اس آیت کی روشنی میں بتائیں کہ لوگوں میں سب سے بڑا ظالم کون ہے؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ{۲۱} الأنعام

جواب اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔

یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (یعنی نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اس طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کیے ہیں اور یوں یقیناً نبی کی پیش گوئی کی تیس جھوٹے دجال ہونگے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہو گا کہ وہ نبی ہے۔ گزشتہ صدی میں بھی قادیاں کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اس لئے سچا نبی اور بعض مسیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لئے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔

جس طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والا بڑا ظالم اور جھوٹا ہے اسی طرح وہ لوگ بھی بہت بڑے ظالم اور جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کی بیوی ہے، یا اللہ کا بیٹا ہے، یا اللہ کی بیٹیاں ہیں، پھر یہ لوگ کس قدر ظالم ہیں جو اللہ کی مخلوق کو اللہ کی عبادت میں شریک سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی براہین اور دلائل واضحہ کو جھٹلاتے ہیں جن کے ذریعے اللہ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو مضبوط فرمایا تھا، ایسے ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ یہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

قیامت میں مشرکوں کی رسوائی اور حق کے مقابلے میں ان کی ہٹ دھرمی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ {۲۲}ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ {۲۳}اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ {۲۴}وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ {۲۵}وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ {۲۶}وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۲۷}بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ {۲۸}وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ {۲۹}وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ {۳۰} الانعام

جواب ترجمہ: اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہو گا ان کا فریب اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے۔ اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری پن کر دیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں، اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی جانوں کو

اور سمجھتے نہیں ہیں۔ اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے! ہماری بربادی کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب بھی وہ کام کریں گے جس سے وہ منع کیے گئے اور بلاشبہ جھوٹے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے۔ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے حضور، رب تعالیٰ شانہ کا سوال ہو گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے! رب تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ چکھ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا: الخ اور (اے حبیب ﷺ!) قیامت کے اس دن کو یاد کیجیے جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، پھر ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کی تھی، ڈانٹ اور ملامت کے انداز میں کہیں گے، کہاں ہیں وہ تمہارے شریک جن کے بارے میں تم جھوٹ موٹ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں؟

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ: الخ پھر اس سخت آزمائش کے بعد ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے گا، سوائے اس کے کہ وہ اپنے معبودوں سے صاف بیزاری ظاہر کریں گے اور جھوٹ بولتے ہوئے کہیں گے، اللہ کی قسم! اے ہمارے رب، ہم دنیا میں مشرک نہ تھے، بلکہ ہم تو تجھ پر ایمان رکھنے والے اور تجھے ایک ماننے والے تھے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ: الخ دیکھیے (اے حبیب ﷺ!) انہوں نے کس طرح اپنے ہی خلاف جھوٹ بولا، جب انہوں نے اپنے آپ سے شرک کی نفی کی، اور وہ سب جھوٹے سہارے اور گھڑے ہوئے شریک، جنہیں وہ دنیا کی زندگی میں اللہ کے ساتھ شریک بناتے تھے، آج ان سے غائب ہو گئے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ: الخ اور ان مشرکوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو (اے حبیب ﷺ!) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں جب آپ قرآن پڑھتے ہیں، لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے، اس لیے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں، یہ ان کے عناد اور روگردانی کا نتیجہ ہے اور ہم نے ان کے کانوں میں ایسی گرانی ڈال دی ہے کہ وہ نفع دینے والی بات سن ہی نہیں پاتے، چنانچہ وہ خواہ کتنی ہی کھلی نشانیاں اور واضح دلائل دیکھ لیں، ایمان نہیں لاتے، یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس آکر حق کے مقابلے میں باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ (قرآن) تو پہلے لوگوں کی کتابوں سے لیا ہوا قصہ ہے۔

شانِ نزول: ابو سفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ (جو ربیعہ کے بیٹے تھے) اور اُمیہ اور اُبَیّ (جو خلف کے بیٹے تھے) یہ سب رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کو غور سے سن رہے تھے، تو انہوں نے نضر سے کہا: اے ابو قُتَیلہ! محمد ﷺ کیا کہہ رہے ہیں؟ نضر نے جواب دیا: اس ذات کی قسم جس نے (محمد ﷺ اور بات کرنے والوں کے درمیان یہ بات) رکھی ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کہتے ہیں، سوائے اس کے کہ میں ان کے ہونٹوں کو حرکت کرتے دیکھتا ہوں کہ وہ کچھ بات کر رہے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، بالکل اسی طرح جیسے میں تمہیں گزشتہ قوموں کے قصے سنایا کرتا ہوں اور نضر بن حارث پچھلی امتوں کے قصے بہت زیادہ بیان کیا کرتا تھا اور قریش کو یہ قصے سناتا تو وہ اس کی باتیں غور سے سنتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے (اسی واقعے کے پس منظر میں) یہ آیت نازل فرمائی۔ (اسباب النزول)

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ: الخ اور یہ لوگ دوسروں کو بھی رسول پر ایمان لانے سے روکتے ہیں اور خود بھی آپ سے دور بھاگتے ہیں، یوں نہ تو وہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ کسی اور کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل سے کسی اور کو نہیں بلکہ خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا شعور نہیں۔

شانِ نزول: مقاتل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے پاس تشریف فرما تھے اور انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اسی دوران قریش کے لوگ ابو طالب کے پاس جمع ہو گئے، ان کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کا تھا، اس موقع پر ابو طالب نے کہا:

وَاللّٰهِ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ ... حَتَّى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا
فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ ... وَأَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا
وَعَرَضْتَ دِينًا لَا مَحَالَةَ أَنَّهُ ... مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا
لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارِي سَبَّةً ... لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مَتِينَا

ترجمہ: اللہ کی قسم! یہ سب مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے، جب تک کہ میں خود مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ پس آپ اپنے کام کو کھل کر انجام دیجیے، آپ پر کوئی ملامت نہیں، خوش خبری قبول کیجیے اور آپ کی وجہ سے آنکھیں ٹھنڈی رکھی جائیں۔ اور آپ نے ایسا دین پیش کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، کہ وہ تمام مخلوق کے دینوں میں سب سے بہتر دین ہے۔ اگر ملامت کا اندیشہ نہ ہوتا یا بدنامی کا خوف نہ ہوتا، تو آپ مجھے اس دین کے معاملے میں کھلا اور مضبوط مددگار پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے (اسی واقعے کے پس منظر میں) یہ آیت نازل فرمائی، وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ اور وہ (لوگ) اس سے روکتے بھی ہیں۔ (اسباب النزول)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ: الخ اور اگر آپ (اے رسول!) اس وقت کا منظر دیکھیں جب یہ قیامت کے دن آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، تو آپ ان کی بدحالی پر حیران رہ جائیں گے، جب وہ حسرت سے کہیں گے، کاش! ہمیں دنیا کی زندگی کی طرف واپس لوٹا دیا جائے، اور ہم اللہ کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں، اور ایمان والوں میں شامل ہو جائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ: الخ حقیقت یہ نہیں جیسا یہ کہہ رہے ہیں، بلکہ اس وقت ان پر وہ سب کچھ ظاہر ہو جائے گا جسے یہ پہلے چھپایا کرتے تھے، خصوصاً ان کا یہ جھوٹا قول وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ جب ان کے اپنے اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے اور اگر بالفرض انہیں دوبارہ دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے، تو یہ پھر وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا، یعنی کفر اور شرک، اور یقیناً یہ اپنے ایمان کے وعدے میں جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا: الخ اور یہ مشرک کہتے ہیں، ہماری تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے سوا کوئی زندگی نہیں، اور ہم دوبارہ زندہ کر کے حساب کے لیے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ: الخ اور اگر آپ (اے حبیب ﷺ!) اس وقت کا منظر دیکھیں جب قیامت کے منکر اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، تو ان کی بدحالی دیکھ کر سخت تعجب ہو گا، جب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا، کیا یہ دوبارہ اٹھایا جانا حق نہیں تھا، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے، ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں، یہ بالکل حق تھا، اس میں کوئی شک نہیں، تب اللہ فرمائے گا، اب اپنے کفر کی سزا کا مزہ چکھو، کیونکہ تم دنیا کی زندگی میں اس دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔

انسان کون سی چیز اپنی پیٹھ پر اٹھائے گا؟

سوال اس آیت کریمہ کی روشنی میں بتائیے کہ وہ کون سی چیز ہے جسے انسان قیامت کے دن اپنی پیٹھ پر اٹھائے گا اور وہ اس کے لیے بہت ہی بڑا بوجھ ہو گا؟

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ {۳۱} الأنعام

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ نقصان میں آ گئے۔ یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آموجود ہو گی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس کوتاہی پر

افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے، دیکھو جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے۔

جو چیز انسان اپنی پیٹھ پر اٹھائے گا وہ اس کے گناہ ہوں گے جو وہ دنیا میں کرتا رہا ہے، اس کی وہ برائیاں ہوں گی جن کا وہ ارتکاب کرتا رہا، اس کے وہ جرائم ہوں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو مرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کافر یا فاجر جب اپنی قبر سے اٹھے گا اس وقت اس کے سامنے ایک شخص آئے گا جو نہایت بھیانک، خوفناک اور بدصورت ہو گا اس کے جسم سے تعفن والی سڑاند کی سخت بدبو آرہی ہو گی وہ اس کے پاس جب پہنچے گا یہ دہشت و وحشت سے گھبرا کر اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گا خواب! کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ یہ جواب دے گا ہرگز نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تو نہایت بدصورت کریہہ منظر اور تیز بدبو والا ہے تجھ سے زیادہ بدصورت کوئی بھی نہ ہو گا، وہ کہے گا سن میں تیرا خبیث عمل ہوں جسے تو دنیا میں مزے لے لے کر کرتا رہا، سن تو دنیا میں مجھ پر سوار رہا اب کمر جھکا میں تجھ پر سوار ہو جاؤں گا چنانچہ وہ اس پر سوار ہو جائے گا یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ لوگ اپنے بداعمال کو اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے۔

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو بھی ظالم شخص قبر میں جاتا ہے اس کی لاش کے قبر میں پہنچتے ہی ایک شخص اس کے پاس جاتا ہے سخت بدصورت سخت بدبودار سخت میلے اور قابل نفرت لباس والا یہ اسے دیکھتے ہی کہتا ہے تو تو بڑا ہی بدصورت ہے بدبودار ہے، یہ کہتا ہے تیرے اعمال ایسے ہی گندے تھے۔ وہ کہتا ہے تیرا لباس نہایت متعفن ہے۔ یہ کہتا ہے تیرے اعمال ایسے ہی قابل نفرت تھے۔ وہ کہتا ہے اچھا بتا تو سہی اے منحوس تو ہے کون؟ یہ کہتا ہے تیرے عمل کا مجسمہ، اب یہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور اس کیلئے عذابوں کے ساتھ ہی ایک عذاب ہوتا ہے جب قیامت کے دن یہ اپنی قبر سے چلے گا تو یہ کہے گا ٹھہر جاؤ دنیا میں تو نے میری سواری لی ہے اب میں تیری سواری لوں گا چنانچہ وہ اس

پر سوار ہو جاتا ہے اور اسے مارتا پیٹتا ذلت کے ساتھ جانوروں کی طرح ہنکاتا ہوا جہنم میں پہنچاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دنیا کی حقیقت، آخرت کی برتری اور رسول ﷺ کی تسلی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ {۳۲} قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ {۳۳} وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ {۳۴} وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ {۳۵} الانعام

جواب ترجمہ: اور نہیں ہے دنیا والی زندگی مگر ایک لعب اور لہو البتہ آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ہم جانتے ہیں کہ بیشک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنے والے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایات پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ: الخ اور یہ دنیا کی زندگی، جس پر تم بھروسا کیے بیٹھے ہو، ان لوگوں کے لیے جو اس میں اللہ کی رضا کے مطابق عمل نہیں کرتے، محض کھیل، دل لگی اور دھوکے کا سامان ہے، رہی آخرت کی زندگی تو وہ ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، یعنی ایمان اور اطاعت کے ان کاموں کو انجام دیتے ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا اور شرک اور نافرمانی جیسے کاموں سے بچتے ہیں جن سے اس نے منع فرمایا، تو کیا تم (اے مشرکو!) عقل سے کام نہیں لیتے کہ ایمان لاؤ اور نیک اعمال کرو؟

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ: الخ (اے میرے حبیب ﷺ!) ہم خوب جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا آپ کو جھٹلانا ظاہری طور پر آپ کو رنج اور غم میں مبتلا کرتا ہے، پس آپ یہ بات جان لیجیے کہ حقیقت میں وہ آپ کو دل سے جھوٹا نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور امانت کو خوب پہچانتے ہیں، لیکن یہ ظالم لوگ ہیں جو حق کو پہچان لینے کے باوجود ظاہراً اس کا انکار کرتے ہیں۔

شانِ نزول: اخنس بن شریق، ابو جہل بن ہشام ایک دوسرے سے ملے تو اخنس نے ابو جہل سے کہا کہ اے ابو الحکم مجھے محمد کے بارے میں خبر دو کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ یہاں اس وقت میرے سوا کوئی بھی تمہاری بات نہیں سن رہا، ابو جہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! محمد بیشک وشبہ سچے ہیں محمد نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن جب بنو قصی لواء، سقایہ، حجابہ، ندوہ اور نبوت سبھی کچھ لے جائیں تو پھر باقی سب قریش کے لیے کیا رہ جاتا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا: الخ اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ جھٹلانا صرف اسی پیغام کے ساتھ خاص ہے جو آپ لے کر آئے ہیں، بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے، اور ان کی قوموں نے انہیں اذیتیں پہنچائیں، مگر انہوں نے اللہ کی راہ میں دعوت اور جہاد کے کام پر صبر کیا یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے ان کی مدد اور نصرت آگئی۔ اور اللہ کے فیصلوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور یقیناً آپ کے پاس بھی ان رسولوں کی خبریں پہنچ چکی ہیں جو آپ

سے پہلے گزر چکے ہیں، کہ انہوں نے اپنی قوموں سے کیا کچھ پایا اور اللہ نے کس طرح ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے انہیں فتح و نصرت عطا فرمائی۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ :الخ اور اگر (اے میرے حبیب ﷺ!) ان لوگوں کا جھٹلانا اور اس حق سے منہ موڑنا جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں، آپ پر بہت شاق گزر رہا ہے، تو اگر آپ سے ہو سکے کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا لیں اور ان کے پاس کوئی ایسی نشانی لے آئیں جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے اس کے علاوہ ہو، تو لے آئیں۔ (مطلب یہ ہے کہ یہ آپ کے بس میں نہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ان سب کو اسی ہدایت پر جمع کر دیتا جو آپ لے کر آئے ہیں، لیکن اس نے گہری حکمت کے تحت ایسا نہیں چاہا۔ پس آپ ہرگز ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جو اس حقیقت سے ناواقف ہو جائیں اور آپ اپنی جان کو اس غم میں نہ گھلائیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

دعوت نبوی ﷺ کو ماننے والے زندہ ہیں

سوال اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تشبیہ بیان کی ہے، اسے ذکر کریں،

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ {۳۶} الأنعام

جواب ترجمہ: بے شک قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد عربی ﷺ کی دعوت کو ماننے والوں کو زندہ قرار دیا کہ وہ بات سنتے بھی ہیں اور بات کو مانتے بھی ہیں، جب کہ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو سنتے بھی نہیں اور سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

مولانا محمد اسحاق کاشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ہدایت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں کھلے دل، صاف نیت اور صحیح ارادے سے اور ہدایت کو اپنانے اور قبول کرنے کی غرض سے اور جو اس کے بغیر سنتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔ سو صدق و اخلاص باعث سرفرازی ہے۔

سو جو صحیح نیت سے سنتے ہیں وہ سمجھتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کو قبولِ حق کی توفیق وسعادت نصیب ہوتی ہے اور جو صحیح نیت وارادے سے نہیں سنتے، ان کو سمجھنے کی توفیق نہیں ملتی اور ایسوں کا سننا نہ سننا برابر ہوتا ہے اور وہ محروم کے محروم ہی رہتے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل صمٌّ، بکمٌ، عمیٌ کے مصداق ہوتے ہیں اور یہ کان، آنکھ اور دل رکھنے کے باوجود اندھے، بہرے اور گونگے ہوتے ہیں۔ سو انسان کی محرومی اور سرفرازی کا تعلق دراصل اس کے اپنے اندر اور اپنے قلب و باطن سے ہے۔ (تفسیر مدنی)

نور ہدایت سے محروم لوگ حقیقت میں مردہ ہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں (جو زندہ ہیں اور) صحیح معنوں میں سنتے ہیں، رہے مردہ تو ان کو اللہ ہی زندہ کر کے اٹھائے گا، پھر ان سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ حق کو سنتے مانتے ہیں وہ زندہ نہیں، مردہ ہیں، دل کے مردے جو ایمان ویقین کی دولت سے محروم ہیں، اس سے مراد کافر ومنکر لوگ ہیں کہ وہ اگرچہ بظاہر زندہ انسانوں کی طرح دو ٹانگوں پر چلتے پھرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ مردہ ہیں اور ان کے یہ جسم دراصل ان کی چلتی پھرتی قبریں ہیں، اس لیے یہ لوگ حق بات کو سننے سمجھنے اور اس کو اپنانے، اختیار کرنے سے قاصر ہیں، سو یہ اگرچہ بظاہر زندہ ہیں، بلکہ دنیاوی معاملات میں تو یہ بہت تیز ہیں، لیکن حقیقت میں یہ لوگ مردہ ہیں کہ ان کے دل نور ایمان ویقین سے محروم ہیں اور یہ عقل ودل کے مردہ ہیں اور اس تشبیہ سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مردے سنتے نہیں، کیونکہ یہ تشبیہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی موقع پر کسی کو کچھ سنوا دے تو وہ اور بات ہے کہ وہ اس پر قادر ہے۔ (تفسیر مدنی)

مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے اس پر اسلاف میں بھی اختلاف تھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر بھی اس سلسلہ میں دو گروہ تھے، ایک گروہ کا خیال تھا کہ مردے سنتے ہیں اور ایک گروہ کا خیال تھا کہ مردے نہیں سنتے، اسی طرح مردوں کے سننے اور نہ سننے کا اختلافی مسئلہ قرون اولیٰ سے لے کر آج

تک اختلافی ہی ہے، علماء کرام نے سماع موتیٰ اور عدم سماع موتیٰ پر باقاعدہ کتابیں تحریر کی ہیں، دونوں طرف سے دلائل کے انبار لگائے گئے ہیں، مگر کوئی فریق دوسرے فریق پر دلائل کے لحاظ سے بازی نہیں لے جاسکا۔

نشانیوں کی حکمت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۷} الانعام

جواب ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی آپ فرمادیجیے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ: الخ اور مشرک جو متعنت اور ٹال مٹول کرنے والے ہیں، ایمان کے بارے میں بار بار شک وسوال کرتے ہیں، کہتے ہیں "کاش محمد ﷺ پر کوئی خارق العادت نشانی نازل ہوتی، جو رب کی طرف سے ان کے صدق کا برہان بن جاتی " (اے حبیب ﷺ!) آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ ہر طرح کی نشانی نازل کرنے پر قادر ہیں، جیسا وہ چاہیں، لیکن اکثر وہ مشرک جو نشانی کی طلب میں ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ نشانیوں کا نزول اللہ کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے، نہ کہ ان کی طلب کے مطابق اور اگر اللہ نے کوئی نشانی نازل کر دی اور پھر وہ لوگ ایمان نہ لاتے، تو وہ اسی نشانی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے۔

حشرِ جانوران اور لوحِ محفوظ

سوال کیا صرف اولاد آدم ہی کو دنیا میں حیات اجتماعی حاصل ہے؟ اس آیت کی روشنی میں بتائیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ {۳۸} الانعام

جواب ترجمہ: زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو، یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں، ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔

اس آیت نے یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام جانوروں کو بھی قیامت کے بعد حشر کے دن زندہ کرکے اٹھایا جائے گا، تم جیسی ہی اصناف ہیں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں دوسری زندگی دی جائے گی اسی طرح ان کو بھی دوسری زندگی ملے گی، ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جانوروں نے دنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے میدان حشر میں مظلوم جانور کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے، اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلف نہیں ہیں اس لیے ان پر دوبارہ موت طاری کردی جائے گی، یہاں اس حقیقت کو بیان فرمانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ کفار عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے کے سارے انسان جو مر کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ان کو دوبارہ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ صرف انسانوں ہی کو نہیں جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا؛ حالانکہ جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے، رہا یہ معاملہ کہ دنیا کی ابتداء سے انتہا تک کے بیشمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کا کیسے پتہ لگایا جائے گا تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ لوح محفوظ میں ہر بات درج ہے اور یہ ایسا ریکارڈ ہے جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے، لہٰذا نہ انسانوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل ہے نہ جانوروں کا۔ (توضیح القرآن)

جانوروں کا حشر: ایک دوسری آیت وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر:۵) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کا بھی قیامت کے دن حشر ہوگا ان سے کفر و شرک اور ایمان و اعمال کا محاسبہ تو نہیں ہوگا مگر جو ظلم کسی جانور نے دوسرے پر زیادتی سے کیا ہوگا اس کا بدلہ ضرور دلایا جائے گا کیونکہ اتنی عقل انہیں بھی بخشی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تم سے حقداروں کے حق ادا کروائے جائیں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ والی بکری کا بدلہ دلوایا جائے گا۔ (مسلم۔ تفسیر تیسیر القرآن)

کفر و سرکشی، اللہ کی آزمائش اور عبرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۳۹} قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۴۰} بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ {۴۱} وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ {۴۲} فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۴۳} الانعام

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھیروں میں ہیں۔ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تمہارے پاس قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کی طرف تم اسے پکارتے ہو۔ اور تم جو شرک کرتے ہو اسے بھول جاتے ہو۔ اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلف کے ذریعہ پکڑاتا کہ وہ عاجزی کریں۔ سو کیوں انہوں نے

عاجزی نہ کی جب ان پر ہمارا عذاب آیا، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھلایا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ: الخ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں، وہ ایسے ہیں جیسے بہرے جو سن نہیں سکتے اور گونگے جو بول نہیں سکتے، اور وہ اندھیروں میں ہیں، کچھ نہیں دیکھ سکتے، ایسی حالت میں ان کا ہدایت پانا ناممکن ہے، اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے، اسے سیدھی راہ پر رکھ دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے، وہ اسی کو بھٹکاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ: الخ (اے میرے حبیب ﷺ!) ان مشرکوں سے کہہ دیجیے، "بتایئے، اگر اللہ کا عذاب تم پر نازل ہو یا وہ قیامت آئے جس کی تمہیں پیشگوئی کی گئی ہے، کیا تم اس وقت اپنے معبودوں کو پکارو گے کہ وہ تم پر پڑنے والے مصائب اور مشکلات کو دور کریں، اگر تم سچے ہو کہ وہ فائدہ پہنچانے یا نقصان سے بچانے کے قابل ہیں؟"

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ: الخ عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی خدائی میں دوسرے بہت سے دیوتا اس طرح شریک ہیں کہ خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل ہیں، اب ہوتا یہ تھا کہ ان دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی پرستش کرتے رہتے تھے مگر جب کوئی ناگہانی آفت آپڑتی تھی مثلاً سمندر میں سفر کرتے ہوئے پہاڑ جیسی موجوں میں گھر جاتے تھے تو اپنے گھڑے ہوئے دیوتاؤں کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، یہاں ان کی اس عادت کے حوالے سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ جب دنیا کی ان مصیبتوں میں تم اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو تو اگر کوئی بڑا عذاب آجائے قیامت ہی آکھڑی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے۔ (توضیح القرآن)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ: الخ ہم نے تمہارے سے پہلے بھی کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، لیکن وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو جھٹلاتے رہے اور جو پیغام ان کے پاس آیا اس سے منہ موڑتے

رہے، اللہ نے ان پر سختیاں بھیجیں، جیسے غربت اور بیماری، تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے عاجز ہوں اور اس کے سامنے سر جھکائیں۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا: الخ اگر وہ لوگ جب ان پر اللہ کا عذاب آیا، تذلل و عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے جھک جاتے، تو اللہ ان پر رحمت فرماتا اور بلایا ہوا مصیبت دور کر دیتا، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے، انہوں نے سبق نہ سیکھا اور عبرت نہ حاصل کی، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے اچھا دکھایا، یعنی کفر اور گناہوں کو ان کے لیے بھلا بنایا، اسی طرح وہ اپنی بد کرداری پر قائم رہے۔

جو لوگ اللہ کی ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھائیں

سوال اللہ تعالیٰ انسان کو ڈھیل دیتا ہے، لیکن جب اس کی اس ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ اس آیت کی روشنی میں فرمائیے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ{۴۴} الانعام

جواب ترجمہ: پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہو گئے جو انہیں دی گئیں تھیں ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا وہ اس وقت ناامید ہو کر رہ گئے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اور تمرد کا مظاہرہ کرتا ہے، مزید نافرمانی میں آگے بڑھتا ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی گرفت میں اچانک آجاتا ہے، اس پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ اور دوسری آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ جب ان کی نافرمانی حد سے گزرنے لگی تو اب ایک خطرناک آزمائش میں ان کو مبتلا کیا گیا کہ ان پر دنیا کی نعمتوں راحتوں اور کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

اس میں اس بات پر عام انسانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا میں کسی شخص یا جماعت پر عیش و عشرت کی فراوانی دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں کہ یہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں اور یہی کامیاب زندگی کے مالک ہیں، بلکہ بسا اوقات یہ حالت ان مبتلاء عذاب نافرمانوں کی بھی ہوتی ہے، جن کو سخت سزا میں دفعۃً پکڑنا طے کر لیا جاتا ہے۔

اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ کسی شخص پر نعمت و دولت برس رہی ہے، حالانکہ وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر جما ہوا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ استدراج ہو رہا ہے، یعنی اس کی عیش و عشرت اس کو سخت عذاب میں پکڑے جانے کی ایک علامت ہے (مسند احمد، بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور بڑھانا چاہتے ہیں تو دو وصف ان میں پیدا کر دیتے ہیں، ایک ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی، دوسرے عفت اور عصمت، یعنی خلافِ حق چیزوں کے استعمال سے پرہیز اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہتے ہیں تو ان پر خیانت کے دروازے کھول دیتے ہیں، یعنی وہ اپنی خیانتوں اور بداعمالیوں کے باوجود دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر)

ظالموں کی تباہی و بربادی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۴۵} قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ {۴۶} قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ {۴۷} الانعام

جواب ترجمہ: سو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا، اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں دیدے۔ دیکھ لیجیے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے! اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے بے خبری میں یا خبر داری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائے گا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا: الخ کافر آخر کار نابود کر دیے جائیں گے، یعنی ان کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو فتح دیتا ہے اور اس کی تعریف اور شکر صرف اسی کے لیے ہے، جو رب العالمین ہے، کیونکہ اس نے اپنے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اپنے اولیاء کی مدد فرمائی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ: الخ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ان مشرکوں سے کہہ دیجیے": بتایئے، اگر اللہ تمہیں کانوں اور آنکھوں سے محروم کر دے، اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تاکہ تم کچھ نہ سمجھ سکو، تو تمہارے معبودوں میں سے کون وہ ہے جو تمہیں تمہاری کھوئی ہوئی سمجھنے اور دیکھنے کی طاقت واپس لائے؟ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) غور کرو کہ ہم نے ان کے لیے واضح دلائل اور شواہد پیش کیے، پھر بھی وہ ان سے منہ موڑتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً: الخ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ان سے فرمایئے، "بتاؤ، اگر اللہ کا عذاب بلا اطلاع اچانک تم پر آئے، یا وہ ظاہر طور پر سامنے آئے، تو اس عذاب سے بچنے کا کوئی امکان نہیں، وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ پکڑے جائیں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی

سوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کی کیا ڈیوٹی لگائی گئی تھی؟ آیت کی روشنی میں بتائیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ {۴۸} الأنعام۔

جواب ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو شخص ایمان لے آوے اور اپنی اصلاح کرلے سو ان پر کوئی ڈر نہ ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

قرآن کریم میں ہمیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ اطاعت گزار بندوں کو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کی خوشخبری سنائیں، جو لوگ اللہ کے احکامات نہیں مانتے، گناہ اور نافرمانی کی زندگی گزارتے ہیں انہیں دردناک عذاب سے ڈرائیں۔

مولانا اسحاق مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی ان کا کام تو صرف اتنا ہے کہ حق قبول کرنے والوں کو حقیقی سعادت اور دائمی کامیابی کی خوشخبری سنا دیں اور اس سے منہ موڑنے والوں کو اس کے برے انجام سے ڈرائیں اور خبردار کریں، باقی اس سے آگے نافرمانوں پر عذاب لے آنا یا ان کی نت نئی فرمائشوں کو پورا کرنا نہ تو ان کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی ان کے بس اور اختیار میں، پس جو لوگ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ایسے سوالات کرتے یا اس طرح کی توقعات رکھتے ہیں وہ ان کی اپنی قلب و نظر کی خرابی اور مت ماری کا نتیجہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

بہر کیف اس ارشاد سے رسولوں کی بعثت کے اصل مقصد کو واضح فرما دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ ان کا کام عذاب کی نشانیاں دکھانا یا عذاب کو لے آنا یا خوارق و عجائب کی نمائش کرنا نہیں ہوتا، جس طرح کہ ان کے منکرین اور مخالفین نے سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ان کو خداوند قدوس کی بے پایاں رحمت و عنایت کی خوشخبری دینے والا اور جھٹلانے والوں کے لئے عذاب سے خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ سو ان کا کام اِنذار و تبشیر ہوتا ہے اور بس۔ (تفسیر مدنی)

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن سے ہدایت پانے والے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ{۴۹}قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ{۵۰}وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ{۵۱}الانعام

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرمادیجیے! کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائینگے کہ نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ: اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، انہیں اپنے نافرمانی کے سبب عذاب پہنچ کر رہے گا۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ: الخ (اے حبیب ﷺ!) ان مشرکوں سے کہہ دیجیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جن میں میں جیسے چاہوں تصرف کروں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں، مگر وہی جو اللہ نے وحی کے ذریعے مجھے بتا دیا ہے اور نہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف نازل کی جاتی ہے اور میں وہ دعویٰ نہیں کرتا جس کا مجھے حق نہیں۔ آپ ان سے یہ بھی فرمادیجیے، کیا وہ شخص جو حق سے اندھا ہو چکا ہو اور وہ شخص جو حق کو دیکھ لے اور اس پر ایمان لے آئے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ: الخ (اے نبی ﷺ!) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے خوف رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن وہ اپنے رب کے حضور جمع کیے جائیں گے، اس حال میں کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی کارساز ہو گا جو نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی

سفارش کرنے والا جو نقصان کو ٹال سکے، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ کے احکام کی پابندی کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ یہی لوگ ہیں جو قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ {۵۲} الانعام

جواب ترجمہ: اور جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کر جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں تیرے ذمہ ان کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی حساب ان کے ذمہ اگر تو نے انہیں دور ہٹایا پس تو بے انصافوں میں سے ہو گا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہم چھ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی میرے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ، قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان لوگوں کو یہاں سے اٹھا دیجیے کیونکہ ہم ان لوگوں کے پیروکار نہیں بننا چاہتے تو رسول اللہ کے قلب اطہر میں اللہ کی مشیت کے مطابق جو بات داخل ہونا تھی سو ہوئی اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه (ابن کثیر ۱۳۴/۲)

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہم لاچار اور بے کس لوگ تھے صبح و شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے، قرآن کریم اور خیر کی باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتے رہتے اور آپ ہمیں جنت دوزخ، نفع مند چیزوں اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں متنبہ فرماتے رہتے ایک مرتبہ اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری آپ کے

پاس آکر کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کے معزز لوگ ہیں ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ لوگ ہمیں ان (گھٹیا لوگوں) کے ساتھ دیکھیں لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجیے پھر ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے، انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک رضامند نہ ہوں گے جب تک آپ ﷺ ہمارے درمیان ایک دستاویز نہ لکھ لیں چنانچہ ایک چمڑا اور دوات لائی گئی تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ) الی قولہ (فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ)(سورۃ انعام ۵۳)ترجمہ۔ اور جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں (اور) اس کی ذات کے طالب ہیں ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالو۔

اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم میں سے فضل کیا ہے (خدا نے فرمایا) بھلا خدا شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ (زاد المسیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سردارانِ قریش کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری تو آپ ﷺ کے پاس خباب بن ارت رضی اللہ عنہ صہیب رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا اے محمد! کیا آپ انہی لوگوں پر راضی ہو گئے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے پیروکار ہو جائیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (نیسابوری)

حق و باطل کا امتیاز، اہل ایمان سے شفقت اور توحید خالص کا اعلان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ {۵۳} وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ

رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۵۴}وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ {۵۵}قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ {۵۶}قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ {۵۷}قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ {۵۸}

الانعام

جواب ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں کیا ہمارے درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا اللہ شکر گزاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آجائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ رحمت کو مقرر کرلیا ہے۔ کہ جو شخص تم میں جہالت کی وجہ سے کوئی گناہ کرلے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنا حال درست کرلے تو بلاشبہ وہ غفور ہے، رحیم ہے۔ اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں، تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔ آپ فرما دیجیے! بیشک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجیے! میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔ ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ آپ فرما دیجیے کہ بیشک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجیے! اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ: الخ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا، چنانچہ دنیاوی نعمتوں اور حصوں میں ان کو مختلف درجوں کا بنادیا، تاکہ کافر اور مالدار لوگ غریب ایمان والوں کے بارے میں یہ کہیں: "کیا انہی فقیروں پر اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر ہدایت کی نعمت فرمائی ہے؟ اگر ایمان واقعی کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ بڑھتے۔"

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ: کیا اللہ شکر گزاروں کو سب سے زیادہ جاننے والا نہیں کہ وہی انہیں ایمان کی توفیق دیتا ہے اور ناشکروں کو بھی خوب جانتا ہے، اس لیے انہیں محروم چھوڑ دیتا ہے؟ ہاں، اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا: الخ اور (اے حبیب ﷺ!) جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، تو آپ ان کو سلام کہا کریں، ان کی عزت افزائی کے لیے، اور انہیں اللہ کی وسیع رحمت کی خوش خبری دیجیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے (یہ اس کا فضل ہے)، پس تم میں سے جو کوئی نادانی اور غفلت کی حالت میں کوئی گناہ کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے، تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ: الخ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ مجرموں کا راستہ اچھی طرح واضح ہو جائے اور اس سے بچا جا سکے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: الخ آپ فرما دیجیے: مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ اور فرما دیجیے: میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، کیونکہ اگر میں نے تمہاری خواہشات کی پیروی کی تو میں ضرور گمراہ ہو جاؤں گا، اور ہدایت پانے والوں میں شامل نہ رہوں گا۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ: الخ آپ فرما دیجئے: میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر قائم ہوں، اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے، جس عذاب یا نشانی کو تم جلدی مانگ رہے ہو، وہ میرے اختیار میں نہیں، فیصلہ تو صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہی حق بیان کرتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ: الخ آپ فرما دیجئے: اگر وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے کہ انہیں کتنی مہلت دینی ہے اور کب پکڑنا ہے۔

غیب کی چابیاں

سوال اس آیت کریمہ میں جن غیب کی چابیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیا ہیں؟

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ{۵۹} الأنعام

جواب ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاوں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

غیب کی چابیوں سے مراد غیب کے خزانے ہیں، جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان میں سے ایک قیامت کا علم ہے، بارش کا اترنا ہے، شکم مادر میں جو کچھ ہے وہ ہے، کل انسان کیا کرے گا، انسان کہاں مرے گا، ان کے بارے میں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں یعنی لوح محفوظ میں ہے۔ لوح محفوظ میں جو چیز ہوگی وہ علم الٰہی میں پہلے ہوگی۔ اس اعتبار سے مضمون آیت کا حاصل یہ ہوا کہ

عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک و تر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہو سکتی۔ بناءعلیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تنبیہ) مفاتیح کو جن علماء نے مَفتح بفتح المیم کی جمع قرار دیا ہے انھوں نے مفاتیح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا اور جن کے نزدیک مفتح بکسر المیم کی جمع ہے وہ مفاتیح الغیب کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی غیب کی کنجیاں مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پاسکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کرلے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ لاکھوں کروڑوں جزئیات واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہیے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غالب، قادر اور قاہر ذات کی کاریگریاں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {٦٠} وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ {٦١} ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ {٦٢} قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ {٦٣} قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ {٦٤} قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ {٦٥}وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ {٦٦} لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ {٦٧}وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {٦٨} الانعام

جواب ترجمہ: اور وہی ہے جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو۔ اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ پوری کر دی جائے میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والا بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس کو ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے خبردار! اسی کے لیے حکم ہے۔ اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔ آپ فرمایئے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے، تم اسے چپکے سے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ فرما دیجیے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف جماعتیں کر کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی۔ آپ دیکھ لیجیے کہ ہم کیسے مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ اور آپ کی قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے۔ اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کش

ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ: الخ اور وہی اللہ ہے جو رات کے وقت تمہاری جانیں (عارضی طور پر) قبض کر لیتا ہے، یعنی نیند کے ذریعے اور دن میں تم جو کچھ کرتے ہو اسے خوب جانتا ہے، پھر دن میں تمہیں دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ تم اپنے کام انجام دو، یہاں تک کہ وہ مقررہ مدت پوری ہو جائے جو اللہ کے پاس طے ہے، پھر اسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم دنیا کی زندگی میں کرتے رہے تھے اور اسی کے مطابق بدلہ دے گا۔

الفاظ و معانی: یَتَوَفّٰىكُمْ، عارضی طور پر جان قبض کرنا (نیند کے ذریعے) **بِالَّیْلِ**: رات کے وقت، **مَا جَرَحْتُمْ**: جو تم نے کمایا، جو اعمال کیے (اصل معنی: زخم لگانا، یہاں اعمال کے معنی میں) **یَبْعَثُكُمْ**: تمہیں دوبارہ اٹھا دیتا ہے (نیند سے بیدار کرتا ہے) **اَجَلٌ مُّسَمًّى**: مقررہ مدت، طے شدہ وقت (عمر)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ: الخ اور وہی اللہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے، انہیں اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہے، اپنی شان کے لائق ان پر بالا دست ہے اور تم پر معزز فرشتے مقرر کرتا ہے جو تمہارے اعمال کی نگرانی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو موت کا فرشتہ اور اس کے مددگار اس کی جان قبض کر لیتے ہیں اور وہ اپنے سپرد کیے گئے کام میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

الفاظ و معانی: اَلْقَاهِرُ: مکمل غلبہ رکھنے والا، زبردست قابو والا۔ **فَوْقَ عِبَادِهٖ**: اپنی شان کے لائق بالادستی کے ساتھ۔ **حَفَظَةً**: نگہبان، اعمال لکھنے والے فرشتے، **تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا**: ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی جان قبض کرتے ہیں۔ **لَا یُفَرِّطُوْنَ**: کوتاہی نہیں کرتے، غفلت نہیں برتتے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ: الخ پھر جن کی جانیں قبض کی گئی ہوں گی، وہ سب اپنے حقیقی مالک اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، جس کا فیصلہ نافذ اور حکم سراسر عدل پر مبنی ہے اور وہ حساب لینے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ **اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ**: سب سے تیز حساب لینے والا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: الخ (اے حبیب ﷺ!) ان مشرکوں سے کہہ دیجیے: کون ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں پیش آنے والی ہلاکتوں سے بچاتا ہے؟ تم اسے ہی پکارتے ہو عاجزی اور گڑگڑا کر، چھپے ہوئے بھی اور کھلے عام بھی، (اور کہتے ہو:) اگر اس نے ہمیں ان مصیبتوں سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: خشکی اور سمندر کی تاریکیاں (ظاہری بھی اور باطنی بھی)

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا: الخ آپ فرما دیجیے: اللہ ہی تمہیں ان مصیبتوں سے نجات دیتا ہے اور ہر طرح کی تکلیف سے بچاتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا: الخ آپ فرما دیجیے: اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے کہ تم پر ایسا عذاب بھیجے جو تمہارے اوپر سے آئے، جیسے پتھر برسنا، کڑک دار آندھیاں یا طوفان، یا تمہارے پاؤں تلے سے آئے، جیسے زلزلہ اور زمین میں دھنس جانا، یا تمہیں گروہوں میں بانٹ دے اور تم ایک دوسرے سے لڑنے لگو۔ (اے حبیب ﷺ!) غور کیجیے کہ ہم کس طرح دلائل کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھ سکیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ: الخ اور آپ کی قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلا دیا، حالانکہ وہ سراسر حق ہے۔ آپ فرما دیجیے: میں تم پر نگران مقرر نہیں کیا گیا، میں تو صرف کھلے عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ: الخ ہر خبر کے لیے ایک مقرر وقت ہے اور ہر بات کو انجام تک پہنچنا ہے اور تم عنقریب جان لوگے (کہ انجام کیا ہے)۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: الخ اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کے بارے میں تمسخر اور مذاق میں لگے ہوں، تو ان سے کنارہ کش ہو جایئے،

یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے اور آپ ان کے پاس بیٹھ جائیں، پھر یاد آجائے، تو فوراً اٹھ جایئے، اور ان ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھئے۔

ایک آیت میں دو بار یَتَّقُونَ کا مفہوم

سوال اس آیت مبارکہ میں دو بار یتقون کا لفظ آیا ہے، ان میں سے پہلے یتقون اور دوسرے یتقون سے کیا مراد ہے؟

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ{٦٩} الانعام

جواب ترجمہ: اور جھگڑنے والوں کے حساب میں سے پرہیز گاروں کے ذمہ کوئی چیز نہیں لیکن نصیحت کرنی ہے شاید کہ وہ ڈر جائیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کی مجلس میں جانے کی مطلقاً ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے، کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں، (یہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے) اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بد گوئی ہے، اس پر دوسری آیت اس کے بعد والی نازل ہوئی، وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ ،یعنی جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں وہ اگر اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان شریر لوگوں کے اعمال بد کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں، ہاں اتنی بات ان کے ذمہ ہے کہ حق بات ان کو پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آجائیں۔ (معارف)

تو یہاں پہلے یتقون سے مراد اہل ایمان ہیں اور دوسرے یتقون سے مراد کافر لوگ ہیں۔

باطل رویّے اور الٰہی گرفت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ {۷۰} قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۷۱} وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ {۷۲} وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۭ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ {۷۳} الانعام

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس قرآن سے نصیحت کرتے رہیے تاکہ کوئی اپنے کیے میں پھنس نہ جائے کہ اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی رہے نہ سفارشی اور وہ پورا کا پورا فدیہ دینا بھی چاہے گا تو لیا نہ جائے گا، وہ لوگ تو اپنے کیے میں پھنس ہی چکے، ان کے لیے کھولتا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں۔ فرما دیجیے کہ کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکاریں جو نہ ہمیں فائدہ پہنچا سکے نہ نقصان اور ہمیں اللہ نے راہ دی اس کے بعد ہم الٹے پھریں، جیسے کسی کو شیطانوں نے زمین میں بھٹکا دیا ہو وہ سرگرداں ہو اور اس کے ساتھی اس کو راستہ پر آنے کے لیے آواز دے رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ، بتا دیجیے کہ اللہ کی بتائی راہ ہی اصل راہ ہے، اور ہمیں تو یہی حکم ہے کہ ہم جہانوں کے پروردگار کے فرمان بردار رہیں۔ اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اسی سے ڈرتے رہو، وہی وہ

ذات ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک بنایا اور جس دن وہ کہے گا ہو جا بس وہ ہو جائے گا۔ اسی کی بات سچ ہے اور اس دن اسی کی بادشاہت ہے جب صور پھونکی جائے گی، چھپے اور کھلے کو جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا :الخ(اے میرے حبیب ﷺ!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنالیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور آپ قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے، تاکہ کوئی جان اپنے اعمالِ بد کے سبب ہلاکت کے حوالے نہ کر دی جائے، اس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہو گا جس سے مدد مانگ سکے اور نہ کوئی سفارشی جو قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچا سکے اور اگر وہ ہر طرح کا فدیہ دینا چاہے تو بھی اس سے قبول نہ کیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے ہوئے اعمال کے سبب ہلاکت کے سپرد کر دیے گئے، ان کے لیے قیامت کے دن نہایت گرم پانی پینے کو ہو گا اور دردناک عذاب ہو گا، اس کفر کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا:الخ(اے میرے حبیب ﷺ!)ان مشرکوں سے کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان؟ اور کیا ہم ہدایت پانے کے بعد الٹے پاؤں پھر جائیں اور اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیطانوں نے گمراہ کر دیا ہو، وہ زمین میں حیران و سرگرداں پھر رہا ہو، اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آ جا، مگر وہ ان کی بات ماننے سے انکار کر دے؟ کہہ دیجیے: یقیناً اللہ ہی کی ہدایت اصل ہدایت ہے اور ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم ربّ العالمین کے فرماں بردار بن جائیں۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ :الخ اور ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نماز کو قائم رکھیں، اور اللہ سے ڈرتے رہیں، اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: الخ اور وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن وہ کسی چیز کو کہتا ہے: "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے اور جس دن قیامت برپا ہو گی، اس کا قول سراسر حق ہو گا اور اسی کے لیے بادشاہی ہو گی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ ہر چھپی اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے، بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

ابراہیمی توحید اور ابطال معبودان باطلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھیے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ {۷۴}وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ {۷۵}فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ {۷۶}فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ {۷۷}فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ {۷۸}اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ {۷۹}وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ {۸۰}وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۸۱}الانعام

جواب ترجمہ: اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں

سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوتا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بیشک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں۔ اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس کی قوم نے حجت بازی کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے میرے پروردگار کا حکم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنا لیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ :الخ اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ **آزَرَ**: ابراہیم علیہ السلام کے والد یا چچا کا نام،

أَصْنَامًا: صنم کی جمع ہے، اس کا معنیٰ ہے بت۔

آلِهَةً :معبود، جن کی عبادت کی جائے۔ **ضَلَالٍ مُبِينٍ**: کھلی، واضح گمراہی۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ :اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ **مَلَكُوْتَ** :بادشاہی، اقتدارِ کامل، غیبی نظام۔

الْمُوْقِنِيْنَ :کامل یقین رکھنے والے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ: پھر جب ان پر رات چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ: رات چھا گئی۔ كَوْكَبًا: ستارہ۔ اَفَلَ: ڈوب جانا، غروب ہو جانا۔ الْاٰفِلِيْنَ: ڈوبنے والے (زوال پذیر)

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا :الخ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔ الْقَمَرَ: چاند۔ بَازِغًا: چمکتا ہوا، طلوع ہوتا ہوا۔ الضَّآلِّيْنَ: گمراہ لوگ، راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً :پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اے میری قوم! میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ بَرِيْٓءٌ: بیزار، لاتعلق۔ تُشْرِكُوْنَ: تم شریک ٹھہراتے ہو۔

ایک اشکال: ستاروں، چاند اور سورج کو دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اپنا رب قرار دیا، اس سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی طور پر مؤحد نہیں تھے؟ بعض معتزلہ اور فلسفیانہ رائے رکھنے والے بعض مفسرین کو آیات کے ظاہر سے اشکال پیدا ہوا ہے، اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

اشکال کا جواب: ابراہیم علیہ السلام پیدائشی طور پر موحد تھے یا نہیں؟ اس بارے میں مفسرین کرام رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ آپ پیدائشی طور پر مؤحد اور اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی سے رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی: وَلَقَدْ آتَيْنَآ إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ (الأنبياء:٥١)۔

آپ علیہ السلام نے سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھ کر جو کہا هٰذَا رَبِّيْ (یہ میرا رب ہے)، اس کا مقصد خود یقین کرنا یا شرک کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک مناظرانہ اسلوب تھا، یعنی آپ علیہ السلام اپنی قوم کو ان کے باطل عقیدے کی تردید اور توحید کی دعوت دینے کے لیے ان کے سامنے ان کے ہی انداز میں استدلال پیش کر رہے تھے۔

مفسرین رحمہم اللہ نے وضاحت کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے کہیں، نہ کہ خود اس پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فَأَرَادَ أَنْ يُنَبِّهَهُمْ عَلَىٰ ضَلَالَتِهِمْ، وَيُرْشِدَهُمْ إِلَى الْحَقِّ مِنْ طَرِيقِ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ... وَإِنَّمَا قَالَهُ زَمَانَ مُرَاهَقَتِهِ أَوْ أَوَّلِ أَوَانِ بُلُوغِهِ یعنی آپ نے یہ باتیں اپنی قوم کو ان کے باطل عقیدے کی تردید کے لیے کہیں اور یہ اس وقت تھا جب آپ جوانی یا بلوغت کے قریب تھے ۔(بیضاوی)

امام سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ هٰذَا الْقَوْلُ مِنْهُ تَعْرِيضًا لِقَوْمِهِ عِنْدَ حَيْرَةِ قُلُوبِهِمْ؛ لِأَنَّهُ كَانَ أُوتِيَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ، یعنی یہ قول آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے بطور دلیل اور ان کی گمراہی کو ظاہر کرنے کے لیے کہا، کیونکہ آپ کو پہلے ہی ہدایت مل چکی تھی ۔ (تفسیر القرآن)

امام ابن عاشور رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ دراصل ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ دکھانے کے بعد پیش آیا اور اس میں مقصد اپنی قوم کو توحید کی طرف بلانا اور شرک کی تردید کرنا تھا۔(التحریر والتنویر)

اسی طرح ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَنَّهُ قَالَ: أَتُحَاجُّونَنِي فِي اللهِ وَقَدْ هَدَانِي؛ أَيْ تُجَادِلُونَنِي فِي أَمْرِ اللهِ، وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَقَدْ بَصَّرَنِي وَهَدَانِي إِلَى الْحَقِّ، وَأَنَا عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْهُ، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں توحید پر ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ یہ کہ ابراہیم علیہ السلام پیدائشی طور پر موحد تھے اور انہوں نے سورج، چاند اور ستاروں کو رب کہہ کر اپنی قوم کے باطل عقیدے کی تردید اور توحید کی دعوت کے لیے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا، نہ کہ خود اس پر ایمان رکھتے تھے، یہ بات جمہور مفسرین کے نزدیک مسلم ہے۔

اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ: بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، یکسو ہو کر، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ وَجَّهۡتُ: میں نے اپنا رخ کر لیا۔ فَطَرَ: پیدا کیا، عدم سے وجود میں لایا۔ حَنِیۡفًا: یکسو ہو کر، باطل سے ہٹ کر حق کی طرف۔ الۡمُشۡرِکِیۡنَ: شرک کرنے والے۔

وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ: الخ اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، انہوں نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ وہ مجھے ہدایت دے چکا ہے؟ اور میں ان چیزوں سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو، مگر یہ کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے، کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ وَحَاجَّهٗ: اس سے جھگڑا کیا۔

اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ: کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو؟۔ وَسِعَ: گھیر لیا، محیط ہو گیا۔ تَتَذَکَّرُوۡنَ: نصیحت حاصل کرتے ہو۔

وَکَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ: الخ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جنہیں تم نے شریک بنایا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ پس دونوں گروہوں میں امن کا زیادہ حق دار کون ہے، اگر تم جانتے ہو؟ سُلۡطٰنًا: دلیل، حجت، برہان۔ الۡفَرِیۡقَیۡنِ: دو گروہ۔ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ: امن کا زیادہ حق دار۔

امن و اطمینان کے حقدار کون لوگ ہیں؟

سوال اس آیت مبارکہ میں کون سے لوگوں کے اطمینان و امن کی بات کی گئی ہے؟

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ{۸۲} الأنعام

جواب ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے۔ اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

جن لوگوں نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کی، ان کی شریعت پر عمل کیا، اپنے ایمان وایقان کو شرک کی گندگی کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، تو ایسے ہی خوش نصیب لوگوں کے لیے امن شانتی اور جمعیت خاطر کا سامان ہوگا، انہی کا دل اطمینان بخش صورت حال حاصل کرے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو راہ حق کے موافق ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ان آیات میں سے پہلی آیت میں یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ عذاب سے مامون ومطمئن صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائیں اور پھر اپنے ایمان میں کسی ظلم کی ملاوٹ نہ کریں، حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم السلام سہم گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کوئی ظلم اپنی جان پر بذریعہ گناہ کے نہیں کیا اور اس آیت میں عذاب سے مامون ہونے کی یہ شرط ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی ظلم نہ کیا ہو، تو پھر ہماری نجات کی کیا سبیل ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے، آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے ،اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ، اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، دریاؤں کو پوجنے والی مخلوق اپنی بیوقوفی سے ان چیزوں کو بااختیار سمجھتی ہے اور ان کی عبادت چھوڑنے سے اس لئے ڈرتی ہے کہ کہیں یہ چیزیں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچادیں، حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گر کی بات ان کو بتلائی کہ خدائے قدوس جو تمھارے ہر کام سے باخبر بھی ہے اور تمھارے ہر بھلے برے پر پوری طرح قادر بھی ہے اس سے تو تم ڈرتے نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی مصیبت آجائے اور جن چیزوں میں نہ علم ہے نہ قدرت اس سے ایسے ڈرتے ہو؟ یہ سوائے بے عقلی کے اور کیا ہے، ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ سے چاہیے اور جس کا اس پر ایمان ہو وہ کسی خطرہ میں نہیں۔

اس آیت میں وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ فرمایا ہے، اس میں ظلم سے تو رسول کریم ﷺ کی تصریح کے موافق شرک مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، لیکن لفظ بظلم کو نکرہ لا کر عربی زبان کے قواعد کے مطابق عام کر دیا جو ہر قسم کے شرک کو شامل ہے اور لفظ لم یلبسوا لبس سے بنا ہے جس کے ایک معنی ہیں اُوڑھنا یا خلط ملط کر دینا اور مراد آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملا دے یعنی خدا تعالیٰ کو تمام صفاتِ کمال کے ساتھ ماننے کے باوجود غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن و ایمان سے خارج ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر مشرک و بت پرست ہو جائے ، بلکہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا کسی ولی اللہ کو اللہ کی بعض صفاتِ خاصہ کا شریک ٹھہرائے اس میں ان عوام کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزار کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں، نعوذ باللہ منہ۔ (تفسیر معارف القرآن)

حجت سے مراد اور اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ {۸۳} وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ {۸۴} وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ {۸۵} وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ {۸۶} الانعام

جواب ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے اور ہم نے انکو

اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو بھی، یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل علیہ السلام اور الیسع علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کو بھی اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ : حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں کھلی فتح پائی، اور ان کو لاجواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا پھر اس کے واضح دلائل بتلا دیئے، کسی کو اپنی عقل و فہم یا تقریر اور زورِ خطابت پر نازنہ ہونا چاہیے بغیر خدا تعالیٰ کی امداد و اعانت کے کسی کا بیڑا پار نہیں ہوتا، نری عقل انسانی ادراکِ حقائق کیلئے کافی نہیں جس کا مشاہدہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے، کہ بڑے بڑے ماہر فلاسفر گمراہی کے راستہ پر پڑ جاتے ہیں اور بہت سے اَن پڑھ جاہل صحیح عقیدہ اور نظریہ کے پابند ہو جاتے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ نے خوب فرمایا بے عنایاتِ خاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق (معارف القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اس حجت کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان مباحثے کے دوران پیش کی گئی، پھر وہ حجت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافر بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کی تھی۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ستاروں کے ڈوبنے کے بعد جو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اس سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

توحید کی اہمیت اور شرک کی قباحت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ {۸۷} ذَلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ {۸۸} الانعام

جواب ترجمہ: اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو، اور ہم نے ان کو چن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔

وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ : یہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے ان کے بعض آباء، بعض ذریت (اولاد) اور بعض بھائیوں کو بھی چن لیا (یعنی نبوت و ہدایت کے لیے منتخب کیا) اور انہیں سیدھے راستے (دینِ اسلام) کی طرف ہدایت دی۔ "من" یہاں تبعیض کے لیے ہے، یعنی سب آباء یا سب ذریت مراد نہیں، بلکہ بعض، کیونکہ بعض انبیاء علیہم السلام کے آباء یا ذریت میں کافر بھی تھے، جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا یا ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر ۔ (مختصر تفسیر بغوی)

اجْتَبَيْنَاهُمْ : یعنی ہم نے انہیں چن لیا، **هَدَيْنَاهُمْ** : یعنی ہم نے انہیں ہدایت دی۔

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ : یعنی دینِ اسلام اور توحید کی طرف رہنمائی کی۔ (عیون التفاسیر)

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ : یہ (یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے منتخب شدہ اہل) اللہ کی ہدایت ہے، جسے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

وَلَوْ أَشْرَكُوا : یعنی اگر یہ انبیاء علیہم السلام اور برگزیدہ لوگ بھی (فرضاً) شرک کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے، اس میں یہ سبق ہے کہ اللہ کے ہاں سب سے اہم چیز توحید ہے اور شرک کی صورت میں کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

انبیاء کی ہدایت، وحی الٰہی کی حقانیت، قرآن کی عالمگیر دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ {۸۹} اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ {۹۰} وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ {۹۱} وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ {۹۲} الانعام

جواب ترجمہ: یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی۔ اگر یہ (کفّار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کیلئے) ایسے لوگ مقرّر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنیوالے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجیے کہ میں اس پر تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لیے۔ اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچاننی تھی جبکہ انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی، آپ فرما دیجیے کہ کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی۔ تم نے اسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو، اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے۔ اور یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی

تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ :الخ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے جن پر ہم نے نبوت اور ہدایت کے ساتھ انعام کیا، یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب دی، جیسے ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے، موسیٰ علیہ السلام کی تورات، داؤد علیہ السلام کی زبور، عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، انہیں ہم نے ان کتابوں کو سمجھنے کا فہم عطا کیا، ہم نے اپنی وحی کو پہنچانے کے لیے ان لوگوں کو چنا، اے رسول! اگر یہ کافر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے ان آیات کا انکار کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہم اسے ایک اور قوم کے سپرد کر دیں گے، یعنی مہاجروں اور انصار کے حوالے کر دیں گے، ان کی پیروی کرنے والے لوگوں کے سپرد کر دیں گے جو قیامت تک آتے رہیں گے، جو اس کا انکار نہیں کریں گے، بلکہ وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ :الخ یہی وہ انبیاء علیہم السلام ہیں، اور وہ بھی جن کا ذکر ان کے آباء، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے کیا گیا ہے، یہی لوگ حقیقی طور پر ہدایت یافتہ ہیں، پس (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ انہی کے طریقے کی پیروی کیجیے اور ان ہی کو اپنا نمونہ بنائیے اور اپنی قوم سے فرما دیجیے: میں تم سے اس قرآن کے پہنچانے پر کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ قرآن تو تمام جہان والوں (انسانوں اور جنوں) کے لیے ایک نصیحت ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے سیدھی اور درست راہ حاصل کریں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ :الخ اور مشرکوں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی وحی نازل ہی نہیں کی۔ (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) ان سے کہہ دیجیے: پھر وہ کون ہے جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی، جو روشنی اور ہدایت تھی اس کی قوم کے لیے؟ تم (یہود) اسے ورقوں میں رکھ لیتے ہو، ان میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور بہت سا حصہ چھپا لیتے ہو، اور تمہیں (اے عربو!) قرآن کے ذریعے وہ علم سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ

تمہارے باپ دادا۔ (اے میرے حبیب ﷺ!) فرما دیجیے: اسے اللہ ہی نے نازل کیا ہے، پھر انہیں چھوڑ دیجیے کہ وہ اپنی بے ہودہ بحثوں میں کھیلتے رہیں، یہاں تک کہ یقین (موت یا قیامت) ان کے پاس آ جائے۔ قدر نہیں پہچانی کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی عظمت نہیں پہچانی، اس کی تعظیم نہیں کی جس طرح اس کی تعظیم کا حق تھا۔ قَرَاطِیسَ، قرطاس کی جمع ہے، کاغذات، ورق۔ الیقین: یقینی چیز یعنی موت یا قیامت۔ یَلْعَبُونَ: لغو مشاغل میں پڑے رہتے ہیں

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ: اور یہ قرآن ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا، یہ بابرکت ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے مکہ والوں اور اس کے ارد گرد کے تمام لوگوں کو خبردار کریں اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ كِتَابٌ مُبَارَك: بابرکت کتاب۔ مُصَدِّق: تصدیق کرنے والا۔ أُمَّ الْقُرَى: مکہ مکرمہ۔ مَنْ حَوْلَهَا: جو اس کے آس پاس ہیں۔ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَة: آخرت پر ایمان رکھنے والے۔ يُحَافِظُونَ: حفاظت کرتے ہیں، پابندی کرتے ہیں نماز کی۔

جھوٹے مدعیان نبوت

سوال یہ آیت مبارکہ کن لوگوں کے بارے میں اتری ہے؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ {۹۳} الانعام

جواب ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو خدا پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب خدا نے نازل کی ہے اس

طرح میں بھی بنالیتا ہوں اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (انکی طرف عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلّت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم خدا پر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔

یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ مقفی کلام اور کہانت کی باتیں کرتا تھا اور نبوت کا دعوی کرتا تھا اور یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ نے اس کی طرف وحی بھیجی ہے۔ (طبری ۷/ ۱۸۱، قرطبی ۷/ ۳۹) وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ

یہ آیت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے پہلے پہل وہ اسلام لایا تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اسے کچھ لکھوانے کے لیے بلایا جب یہ آیت مومنین کے بارے میں نازل ہوئی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ (المومنون آیت ۱۲) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، تو آپ نے اس کی املاء کروائی جب آپ اس فرمان تک پہنچے (ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ (سورۃ مومنون ۱۴) پھر اس کو نئی صورت میں بنادیا، تو عبد اللہ کو انسان کی تخلیق سن کر بہت تعجب ہوا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ترجمہ۔ تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالکل اسی طرح مجھ پر نازل ہوا ہے اس وقت عبد اللہ کو شک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد سچے ہیں تو جیسے ان کی طرف وحی کی گئی اسی طرح اللہ نے میری طرف بھی وحی بھیجی ہے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو جیسے انہوں نے کلام کیا ویسا ہی میں نے بھی کیا ہے اور قرآن میں اس کا یہی قول مذکور اسی طرح ہے۔ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ، اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب خدا نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنالیتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر دین اسلام سے مرتد ہو گیا۔ (نیشابوری، سیوطی، طبری، زاد المسیر)

قیامت کی تنہائی سے کائناتی ہدایت تک

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ{۹۴}اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ{۹۵}فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ{۹۶} وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ{۹۷}الانعام

جواب ترجمہ: اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گزرے ہو گئے جو تم پر کیا کرتے تھے۔ بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر ان سے درخت وغیرہ اُگاتا) ہے۔ وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔ وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایارات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو غالب ہے علم والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور دریا کے اندھیروں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ: اور (قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا:) تم ہمارے پاس اکیلے ہی آ پہنچے ہو، جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، نہ مال ساتھ ہے نہ جاہ و منصب، جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا سب پیچھے چھوڑ آئے ہو اور آج ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھتے جنہیں تم اللہ کا شریک سمجھتے تھے، تمہارے باہمی تعلقات منقطع ہو چکے اور جن باتوں کا تم دعویٰ کرتے تھے سب باطل ہو گئیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى: بے شک اللہ ہی دانے کو پھاڑ کر اس سے کھیتی اگاتا ہے اور گٹھلی کو چیر کر اس سے درخت نکالتا ہے۔ وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو پیدا کرتا ہے۔ یہی اللہ ہے، پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ زندہ کو مردہ سے نکالنے کی مثال جیسے جڑی بوٹیاں دانے اور گٹھلی سے نکالتا ہے، گٹھلی اور دانہ جماد اور مردے کی طرح ہے، اسی طرح انڈے سے مرغی کے چوزے کو نکالتا ہے، اور انڈے کو مرغی سے نکالتا ہے۔ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے نیک اولاد پیدا کرتا ہے اور نیک سے کافر اولاد پیدا کرتا ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا: وہی اللہ ہے جو صبح کی روشنی کو رات کے اندھیرے سے چیر کر نکالتا ہے اور اس نے رات کو آرام کا وقت بنایا اور سورج اور چاند کو ایک مقرر حساب کے ساتھ چلایا، یہ سب غالب، علم والے رب کا مقرر کردہ نظام ہے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ: صبح کو پھاڑنے والا (روشنی نکالنے والا) سَكَنًا: آرام کا وقت۔ حُسْبَانًا: مقرر حساب، ٹھہرا ہوا نظام۔ الْعَزِيْز: غالب، زبردست۔ الْعَلِيْم: سب کچھ جاننے والا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا: راہنمائی سے کیا مراد ہے؟: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کے لیے ستارے بنائے تاکہ وہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ان کے ذریعے راہنمائی حاصل کریں، یہاں "راہنمائی" سے مراد بنیادی طور پر سمتی رہنمائی (Directional Guidance) ہے، یعنی ایسے حالات میں صحیح سمت کی پہچان، جب انسان کو راستے کی ظاہری نشانیاں

میسر نہ ہوں، خصوصاً رات کے وقت، جب ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے، پہاڑ، راستے اور قدرتی نشانات دکھائی نہیں دیتے، ایسے میں انسان ستاروں کی مدد سے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی سمت متعین کرتا ہے اور یوں اپنی منزل کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔

خشکی (البرّ) میں راہنمائی: قدیم زمانے میں جب نہ سڑکیں تھیں، نہ میل کے پتھر اور نہ جدید آلاتِ سفر، صحرا، جنگلات اور ویران علاقوں میں سفر نہایت دشوار ہوتا تھا، ان حالات میں قافلے نجمِ قطبی اور دیگر معروف ستاروں کو دیکھ کر سمت پہچانتے تھے، انہی ستاروں کے ذریعے وہ یہ جان لیتے کہ شمال کدھر ہے، جنوب کس طرف ہے اور منزل کا رخ کس سمت میں ہے، قرآنِ کریم نے ان ہی حالات کو ظُلُمَاتِ الْبَرِّ یعنی خشکی کی تاریکیاں قرار دیا ہے۔

سمندر (البحر) میں راہنمائی: اسی طرح سمندر میں تو ویسے ہی کوئی مستقل نشانی موجود نہیں ہوتی، چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے اور رات کے اندھیرے میں جہازران بالکل بے سہارا محسوس کرتے تھے، ایسے میں وہ ستاروں کی گردش، قطبی ستارے کی بلندی اور مخصوص برجوں کے طلوع و غروب سے اپنا راستہ متعین کرتے، یہی وہ کیفیت ہے جسے قرآن نے ظُلُمَاتِ الْبَحْرِ یعنی سمندر کی تاریکیاں کہا ہے۔

کیا یہ راہنمائی صرف ظاہری ہے؟: مفسرینِ کرام رحمہم اللہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس آیت میں راہنمائی کے دو درجے بیان ہوئے ہیں ①: ظاہری راہنمائی: جس کا تعلق سفر، سمت کی پہچان اور منزل تک پہنچنے سے ہے اور اس میں ستارے انسان کے لیے قدرتی رہبر کا کام دیتے ہیں۔ ② باطنی و معنوی راہنمائی: جس طرح ستارے جسمانی سفر میں راستہ دکھاتے ہیں، اسی طرح انبیاء علیہم السلام، وحی اور آیاتِ الٰہی انسان کو کفر، جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان، ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا:

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ، یعنی ہم نے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو علم، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مستقر اور مستودع کیا ہے؟

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں مستقر اور مستودع کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ {۹۸} الأنعام۔

جواب ترجمہ: اور اللہ وہی ہے جس نے ایک شخص سے تم سب کو پیدا کیا پھر ایک تو تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ تحقیق ہم نے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں ان کے لیے جو سوچتے ہیں۔

مستقر قرار سے بنا ہے اس جگہ کو مستقر کہتے ہیں جو کسی چیز کے لئے جائے قرار ہو، اور مستودع، ودیعت سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی کے پاس عارضی طور سے چند روز رکھ دینے کے، تو مستودع اس جگہ کو کہا جائے گا جہاں کوئی چیز عارضی طور پر چند روز رکھی جائے، یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے انسان کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، پھر اس کے لئے ایک مستقر یعنی مدت تک رہنے کی جگہ بنادی، اور ایک مستودع یعنی چند روزہ رہنے کی جگہ۔

قرآن کریم کے الفاظ تو یہی ہیں، ان کی تعبیر و تفسیر میں بہت سے احتمال ہیں، اسی لئے علماء تفسیر کے اقوال اس میں مختلف ہیں، کسی نے فرمایا مستودع ماں کا پیٹ، اور مستقر یہ دنیا ہے، کسی نے فرمایا کہ مستودع قبر ہے اور مستقر دار آخرت اور بھی متعدد اقوال ہیں، اور الفاظ قرآنی میں سب کی گنجائش ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں اس کو ترجیح دی کہ مستقر دارالآخرت کا مقام جنت یا دوزخ ہے اور انسان کی ابتداء آفرینش سے آخرت تک جتنے مراحل اور درجات ہیں وہ سب مستودع یعنی چند روزہ قیام کی جگہ ہیں، خواہ شکم مادر ہو یا زمین پر رہنے سہنے کی جگہ یا قبر و برزخ، قرآن کریم کی ایک آیت سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس میں فرمایا لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

طَبَق، یعنی تم ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ہمیشہ چڑھتے رہو گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دارِ آخرت سے پہلے پہلے انسان اپنی پوری زندگی میں ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے، جو ظاہری سکون و قرار کے وقت بھی درحقیقت سفر عمر کے منازل طے کر رہا ہے۔

مسافر ہوں کہاں جانا ہے، ناواقف ہوں منزل سے
اول سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے

اس آخری آیت میں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مخلوقات کی نیرنگیوں میں مشغول ہو کر اپنے اصلی مستقر اور خداو آخر تسے غافل ہو جانے والے کی آنکھیں کھول دی گئی ہیں، تاکہ وہ حقیقت کو پہچانے اور دنیا کے دھوکہ و فریب سے نجات پائے، مولانا جامی رحمۃ اللہ نے خوب فرمایا کہ

ہمہ اندر زمین ترازین است کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

(معارف القرآن)

زیتون اور انار کے درخت میں مشترکات

سوال زیتون اور انار کے درخت میں کون سی چیز ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے اور کون سی چیز ان میں ایک دوسرے سے مختلف ہے؟ آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۹۹} الانعام

جواب ترجمہ: اور وہی تو ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے۔ پھر ہم ہی اس سے ہر طرح کی روئیدگی اُگاتے ہیں پھر اس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ

اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جُلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔ ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً: وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، یعنی بارش کا پانی، جس سے اس ذات نے ہر قسم کے پودے اگائے، اس پودے سے اس نے سبزیاں اور درخت پیدا کیے، جن سے بیج نکلتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں، جیسے کہ کانوں میں بیج جڑتے ہیں اور کھجور کے پھل سے خوشہ نکلتا ہے جو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، دونوں آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں اور اس ذات نے انگور کے باغات اگائے اور زیتون اور انار پیدا کیے، جن کے پتے ایک جیسے ہیں لیکن پھل مختلف ہیں، اے لوگو! دیکھو ان کے پھل پہلے کیسے ظاہر ہوتے ہیں اور جب پک جاتے ہیں تو کیسے ہوتے ہیں؟ بے شک اس میں اللہ کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہی لوگ ان نشانوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

زیتون اور انار میں مشابہت: دونوں کے پتے ایک جیسے ہیں، دونوں پھل زمین پر اگنے والے پودوں سے حاصل ہوتے ہیں، دونوں سے فائدہ کھانے پینے اور دیگر مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔

زیتون اور انار میں فرق: پھل مختلف ہیں، زیتون چھوٹا اور بیضوی، انار بڑا اور اندر دانوں والا۔ زیتون کا رنگ سبز یا کالا ہوتا ہے، انار کا رنگ سرخ۔ ذائقہ اور استعمال میں بھی فرق ہے (زیتون زیادہ تر تیل یا نمکین، انار کھانے یا رس کے لیے)۔

خود تراشیدہ معبود اور معبود حقیقی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ {۱۰۰} بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ

كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ {۱۰۱} ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ {۱۰۲} الانعام

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا فرمایا ہے، اور اس کے لیے انھوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں، وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے، اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ: الخ یعنی کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود گھڑ لیتے ہو حالانکہ تمہارے اور تمہارے تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، یعنی معبود وہی ہے جو خالق ہے، پھر ان لوگوں کی حماقت وضلالت بیان ہو رہی ہے، جو اللہ کی اولاد بیٹے بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جبکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے، یہ سب ان کی من گھڑت اور خود تراشیدہ بات تھی اور محض غلط اور جھوٹ تھا، حقیقت سے بہت دور نرا بہتان باندھا تھا اور بے سمجھی سے اللہ کی شان کے خلاف ایک زبان سے اپنی جہالت سے کہہ دیا تھا بھلا اللہ کو بیٹوں اور بیٹیوں سے کیا واسطہ نہ اس کی اولاد نہ اس کی بیوی نہ اس کی کفو کا کوئی، وہ سب کا خالق وہ کسی کی شرکت سے پاک وہ کسی کی حصہ داری سے پاک، یہ گمراہ جو کہہ رہے ہیں سب سے وہ پاک اور برتر سب سے دور اور بالاتر ہے۔

شان نزول: کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ اور ابلیس بھائی ہیں اللہ لوگوں اور مویشیوں یعنی حیوانات کا خالق ہے ابلیس سانپوں درندوں اور بچھوؤں کا خالق ہے اسی کی طرف اشارہ اس قول خداوندی میں ہے **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ۔**

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ :الخ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو آسمانوں کا خالق اور زمین کا خالق ہے، بغیر کسی مثال کے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی زوجہ نہیں ؟! اور وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور ہر چیز سے باخبر ہے، اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ :الخ یہی وہ وصف والا ہے، اے لوگو! یہی تمہارا رب ہے، تمہارے لیے کوئی اور رب نہیں، اور اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اور وہی ہر چیز کا موجد ہے، پس اسے ہی اکیلا عبادت کرو۔ وہی عبادت کے مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

رویت باری تعالیٰ

سوال کیا اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے ؟ آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ {۱۰۳} الأنعام۔

جواب ترجمہ: آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے، وہ باریک بین اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ناممکن ہے، جب کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا جنت میں دیدار ممکن ہو گا، وہ بھی اہل ایمان کے لیے جو جنت میں داخل ہوں گے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، ارشاد ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ (۲۲) إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳) (القیامہ) کچھ چہرے اس دن سرسبز و شاداب ہوں گے، وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے

حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ لے ہاں وہ خود ازراہ لطف و کرم اپنے کو دکھانا چاہے تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی فرما دے گا۔ مثلاً آخرت میں مومنین کو حسب مراتب رویت ہو گی جیسا کہ نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے یا بعض روایات کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں رویت ہوئی علی اختلاف الاقوال۔ باقی مواضع میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں لہٰذا عام قاعدہ کی بناء پر نفی رویت ہی کا اعتقاد رکھا جائے گا۔ مفسرین سلف

میں سے بعض نے ادراک کو احاطہ کے معانی میں لیا ہے یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ آخرت میں بھی رویت ہو گی احاطہ نہ ہو گا، ہاں اس کی شان یہ ہے کہ وہ تمام ابصار و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس وقت لطیف کا تعلق لا تدرکہ سے اور خبیر کا وہو یدرک سے ہو گا۔

رُویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ رویت باری تعالیٰ کے ذیل میں لکھتے ہیں انسان کو حق تعالیٰ کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تمام علماء اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس عالم دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اور زیارت نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ رَبِّ اَرِنِی "اے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیجئے"۔ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ لَن تَرَانِی "آپ ہر گز مجھے نہیں دیکھ سکتے"۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو جب یہ جواب ملتا ہے تو پھر اور کسی بشر کی کیا مجال ہے، البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا صحیح و قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور خود قرآن کریم میں موجود ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۲) القیامہ) قیامت کے روز بہت سے چہرے تر و تازہ ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ [الْمُطَفِّفِينَ : ۱۵) یعنی کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محجوب و محروم ہوں گے۔

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت مختلف مقامات پر ہو گی، عرصہ محشر میں بھی اور جنت میں پہنچنے کے بعد بھی اور اہل جنت کے لئے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت حق تعالیٰ کی زیارت ہو گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنت میں مل چکی ہوں ان سے زائد اور کچھ چاہیے تو بتلاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں، یہ لوگ عرض کریں گے، یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا، اس سے

زیادہ ہم اور کیا چاہیں ؟ اس وقت حجاب درمیان سے اُٹھا دیا جائے گا اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہو گی اور جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہو گی، یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا کہ (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح عیاناً دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے، ان کو روزانہ صبح وشام حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہو گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی اور آخرت میں سب اہل جنت کو ہو گی اور رسول کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے، جیسا شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جا سکتا۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ جب آیت قرآنی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رویت ہو ہی نہیں سکتی تو پھر قیامت میں کیسے ہو گی ؟ اس کا جواب کھلا ہوا یہ ہے کہ آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لئے حق تعالیٰ کی رویت وزیارت ناممکن ہے، بلکہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ انسانی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

قیامت میں بھی جو زیارت ہو گی وہ اسی طرح ہو گی کہ نظر احاطہ نہیں کر سکے گی اور دنیا میں انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو بھی برداشت کر سکے، اس لئے دنیا میں

رویت مطلقاً نہیں ہو سکتی اور آخرت میں قوت پیدا ہو جائے گی، تو رویت و زیارت ہو سکے گی، مگر نظر میں ذات حق کا احاطہ اس وقت بھی نہ ہو سکے گا۔

دوسری صفت حق تعالیٰ شانہ کی اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے، دنیا کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں، یہ علم مطلق اور احاطہ علمی بھی حق تعالیٰ شانہ کی ہی خصوصیت ہے، اس کے سوا کسی مخلوق کو تمام اشیاء کائنات اور ذرہ ذرہ کا علم نہ کبھی حاصل ہوا نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ مخصوص صفت ہے رب العزت جل شانہ کی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ، لطیف، عربی لغت کے اعتبار سے دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، ایک معنی مہربان، دوسرے ب مقابل کثیف یعنی وہ چیز جو حواس کے ذریعہ محسوس معلوم نہیں کی جا سکتی۔

اور خبیر کے معنی ہیں باخبر، معنی اس جملہ کے یہ ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہیں، اس لئے حواس کے ذریعہ ان کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، اور خبیر ہیں، اس لئے ساری کائنات کا کوئی ذرہ ان کے علم و خبر سے باہر نہیں اور اگر لطیف کے معنی اس جگہ مہربان کے لئے جاویں تو اشارہ اس طرف ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہمارے ہر قول و فعل بلکہ ارادہ اور خیال سے بھی باخبر ہیں، جس کا اقتضاء یہ تھا کہ ہم ہر گناہ پر پکڑے جایا کرتے، مگر چونکہ وہ لطیف و مہربان بھی ہیں، اس لئے ہر گناہ پر مواخذہ نہیں فرماتے۔ (معارف القرآن)

حضرت ضحاک رحمہ اللہ قرآنی آیت الی ربھا ناظرہ کے تحت فرماتے ہیں کہ نَاظِرَةٌ إِلَى وَجْهِ اللهِ (در منثور) وہ اپنے رب کے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تَنْظُرُ إِلَى اللهِ نَظْرًا، چہرے اللہ کی طرف نظر سے دیکھ رہے ہوں گے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلنَّضْرَةُ الْحَسَنُ نَظَرَتْ إِلَى رَبِّهَا فَنَضَرَتْ بِنُوْرِهِ، شاداب چہرے اپنے رب کی طرف دیکھیں گے ہ اس کے نور سے شاداب ہوں گے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ تَنْظُرُ إِلَى الْخَالِقِ چہرے اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کی طرف دیکھیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تنظر إِلَى وَجه رَبِّهَا چہرے اپنے رب کے چہرے کو دیکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تَنْظُرُ كُلَّ يَوْمٍ فِي وَجْهِ اللهِ ، چہرے روزانہ اللہ کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أُنْظُرْ مَا أَعْطَى اللهُ عَبْدَهُ مِنَ النُّورِ فِي عَيْنَيْهِ، أَنَّهُ لَوْ جَعَلَ نُورَ أَعْيُنِ جَمِيعِ خَلْقِ اللهِ مِنَ الإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالدَّوَابِّ وَكُلِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ، فَجَعَلَ نُورَ أَعْيُنِهِمْ فِي عَيْنَيْ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِهِ، ثُمَّ كَشَفَ عَنِ الشَّمْسِ سِتْرًا وَاحِدًا، وَدُونَهَا سَبْعُونَ سِتْرًا، مَا قَدَرَ عَلَى أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الشَّمْسِ، وَالشَّمْسُ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نُورِ الْكُرْسِيِّ، وَالْكُرْسِيُّ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نُورِ الْعَرْشِ، وَالْعَرْشُ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نُورِ السِّتْرِ

خیال تو کرو کہ اللہ نے اپنے بندے کی آنکھوں میں کس قدر نور رکھا ہے؟ اگر اللہ کی تمام مخلوق انسان، جنات، جانور اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے ان سب کی آنکھوں کا نور اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کی دو آنکھوں میں رکھ دیا جائے، پھر سورج کے آگے سے ایک پردہ ہٹا دیا جائے حالانکہ سورج کے اس کے علاوہ بھی ستر پردے ہیں، پھر بھی یہ سورج کی طرف دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا، حالانکہ سورج صرف ایک حصہ ہے کرسی کے نور کے ستر اجزا میں سے، کرسی ایک حصہ ہے عرش کے نور کے ستر حصوں میں سے، عرش ایک حصہ ہے نور کے ستر پردوں میں سے۔

اس روایت کے ظاہر سے یوں لگتا ہے کہ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے مطابق بندہ قیامت کے دن اپنے رب کو نہیں دیکھ سکے گا، مگر دوسری روایات کے سیاق وسباق کو سامنے رکھ کر اس روایت سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بندہ اپنے رب کا دیدار کرے گا، کیونکہ مضبوط روایا تمہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر موجود ہے، خود قرآنی نص سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ اللہ کا دیدار ہو گا، خود حضرت عکرمہ

رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت ہے جس سے واضح ہوتا ہے انسان اللہ کا دیدار کرے گا، جیسے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انْظُرُوا مَاذَا أَعْطَى اللهُ عَبْدَهُ مِنَ النُّورِ فِي عَيْنَيْهِ أَنْ نَظَرَ إِلَى وَجْهِ الرَّبِّ الْكَرِيمِ عَيَانًا دیکھو تو سہی کہ اللہ نے اپنے بندے کی دونوں آنکھوں میں کس قدر نور رکھا ہے؟ تاکہ وہ اپنے کریم رب کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ (تفسیر در منثور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ، وَلَا حَدٍّ مَحْدُودٍ، وَلَا صِفَةٍ مَعْلُومَةٍ (در منثور) بندے اپنے رب کی طرف بلا کیفیت، بلا محدود حد، بلا معلوم صفت کے دیکھیں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ إِلَى جَنَّاتِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَنَعِيمِهِ وَخَدَمِهِ وَسُرُرِهِ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ، وَأَكْرَمُهُمْ عَلَى اللهِ مَنْ يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهِ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً، مرتبے کے لحاظ سے جنت والوں میں ادنیٰ درجے کا جنتی اپنے باغات، اپنی ازواج، اپنی نعمتوں، اپنے خدام، اپنے پلنگوں کو ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا، ان میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہو گا جو اللہ کے چہرے کی طرف صبح وشام دیکھے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسے سورج کو دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے سامنے بادل نہ ہو؟ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھو گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا، پھر ان سے کہے گا کہ جو کوئی کسی کی عبادت کیا کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے لگ جائے، پھر جو جس کی عبادت کیا کرتا تھا وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا، جو سورج کی پوجا کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے لگ جائے گا، جو چاند کی پوجا کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے

لگ جائے گا، جو بتوں کی پوجا کرتا تھا وہ بتوں کے پیچھے لگ جائے گا، پھر یہ امت باقی رہ جائے گی، اس میں اس امت کے منافقین بھی ہوں گے، پھر اللہ ان کے سامنے اس صورت میں آئے گا جس میں وہ اسے پہچان نہیں رہے ہوں گے، پھر اللہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے کہ ہم اللہ سے پناہ چاہتے ہیں، تو ہمارا رب نہیں ہے، ہمارا رب جب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے، تو اللہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، چنانچہ وہ کہیں گے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے، پھر وہ اس کی پیروی کریں گے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَرَىٰ رَبَّنَا؟ قَالَ: هَلْ تَرَوْنَ الشَّمْسَ فِي قَوْمٍ لَا غَيْمَ فِيهِ، وَتَرَوْنَ الْقَمَرَ فِي لَيْلَةٍ لَا غَيْمَ فِيهَا؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ، حَتَّىٰ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيُحَاضِرُ رَبَّهُ مُحَاضَرَةً، فَيَقُولُ: عَبْدِي، هَلْ تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا وَ كَذَا؟ فَيَقُولُ: أَلَمْ تَغْفِرْ لِي؟ فَيَقُولُ: بِمَغْفِرَتِي صِرْتَ إِلَىٰ هَذَا.

یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کسی قوم میں سورج کو دیکھتے ہو جس میں کوئی بادل نہیں ہوتا، اور چاند کو دیکھتے ہو جب کوئی بادل نہیں ہوتا، ہم نے کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس بے شک عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے یہاں تک کہ تم میں ایک شخص اپنے رب سے مکالمہ کرے گا، اللہ فرمائے گا کہ اے میرے بندے! کیا تو فلاں فلاں گناہ کو جانتا ہے؟ وہ کہے گا کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھے معاف نہیں کر دیا تھا؟ اللہ فرمائے گا کہ میرے معاف کرنے کی وجہ سے ہی تو تو ادھر ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَرَوْنَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَوْ كَمَا تَرَوْنَ الشَّمْسَ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ، تم اللہ

عزوجل کو قیامت کے دن اس طرح دیکھو گے جیسے تم چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو، یا تم سورج کو اس طرح دیکھتے ہو کہ اس کے سامنے کوئی بادل نہیں ہوتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَنَّ اللهَ لَيَتَجَلَّى لِلنَّاسِ عَامَّةً وَتَجَلَّى لِأَبِي بَكر خَاصَّةً، باقی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عام دیدار ہو گا جب کہ حضرت ابو بکر کے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص دیدار ہو گا۔ (دار قطنی)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ساری امتوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کرے گا، غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو کہے گا کہ تم ان کے پیچھے لگ جاؤ، جب وہ ان کے پیچھے لگ جائیں گے تو اللہ انہیں دوزخ میں ڈال دے گا، پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے پاس آئے گا، مسلمان ایک بلند جگہ پر ہوں گے،

فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: نَحْنُ الْمُسْلِمُونَ. فَيَقُولُ: مَا تَنْتَظِرُونَ؟ فَيَقُولُونَ: نَنْتَظِرُ رَبَّنَا عَزَّ وَجَلَّ. فَيَقُولُ: وَهَلْ تَعْرِفُونَهُ إِنْ رَأَيْتُمُوهُ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ. فَيَقُولُ: كَيْفَ تَعْرِفُونَهُ وَلَمْ تَرَوْهُ؟ فَيَقُولُونَ: نَعْرِفُهُ إِنَّهُ لَا عَدْلَ لَهُ. فَيَتَجَلَّى لَنَا ضَاحِكًا، ثُمَّ يَقُولُ: أَبْشِرُوا يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا جَعَلْتُ لَهُ مَكَانَهُ فِي النَّارِ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا.

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ مسلمان کہیں گے کہ ہم مسلمان ہیں۔ پھر اللہ ان سے پوچھے گا کہ تم کس چیز کی انتظار کر رہے ہو؟ مسلمان کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انتظار کر رہے ہیں، اللہ فرمائیں گے کہ اگر تم اللہ کو دیکھ لو تو پہچان لو گے؟ مسلمان کہیں گے کہ جی ہاں۔ پھر اللہ فرمائے گا تم نے تو اسے دیکھا ہوا نہیں ہے پھر کیسے پہچانو گے؟ مسلمان کہیں گے کہ ہم اسے پہچان لیں گے اس لیے کہ اس کے برابر یا اس جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ہنستے ہوئے تجلی

ڈالے گا۔ پھر فرمائے گا کہ اے گروہ مسلمین! خوش ہو جاؤ، تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے عوض میں یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالوں۔ (دار قطنی، ابن مردویہ)

ابن عساکر میں لاعدل لہ کی جگہ لاشبیہ لہ کے الفاظ ہیں، ابن عساکر نے بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، اس میں یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے میرے بندو! اپنے سروں کو اٹھالو، میں نے تم میں سے ہر شخص کے لیے یہود و نصاریٰ کو فدیہ بنا کر دوزخ میں ڈال دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَتَجَلَّى لَنَا رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ يَنظُرُونَ إِلَى وَجهِهِ فَيَخِرُّونَ لَهُ سُجَّدًا فَيَقُولُ : اِرْفَعُوا رُؤُوسَكُم فَلَيْسَ هٰذَا بِيَوْمِ عِبَادَةٍ (دار قطنی) اللہ تعالیٰ ہمارے لیے تجلی فرمائیں گے، لوگ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنے سروں کو اٹھالو، آج عبادت کا دن نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَيرْفَع الْحجاب بَينه وَبينهمْ فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ وَينظر إِلَيْهِم عز وَجل (دار قطنی) قیامت کے دن اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان سے پردے اٹھ جائیں گے بندے اللہ کی طرف دیکھیں گے اور اللہ بندوں کی طرف دیکھے گا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ، إِلا رِدَاءَ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ، دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان دونوں کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ چاندی کا ہے، لوگوں اور اللہ کے درمیان صرف ایک کبریائی کی چادر کا فاصلہ ہو گا جو اللہ کے چہرے پر ہو گی۔ (مجلس املاء فی رویۃ اللہ تعالیٰ، مصنفہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن محمد اصفہانی الدقاق)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یَوْمُ الْقِیَامَةِ، أَوَّلُ یَوْمٍ نَظَرَتْ فِیهِ عَیْنٌ إِلَی اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (مجلس املاء فی رویۃ اللہ) قیامت کا دن وہ پہلا دن ہو گا جس میں نظر اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھے گی۔ حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے

یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُنَادٍ یُنَادِی أَهْلَ الْجَنَّةِ بِصَوْتٍ یُسْمِعُ أَوَّلَهُمْ وَآخِرَهُمْ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَكُمُ الْحُسْنَی وَزِیَادَةً وَالْحُسْنَی: الْجَنَّةُ، وَالزِّیَادَةُ: النَّظَرُ إِلَی وَجْهِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَی (رویۃ اللہ، مصنفہ ابو عبد الرحمن بن عمر بن محمد بن سعید التجیبی المصری المالکی البزار المعروف بابن النحاس ص ۱۷) قیامت کے دن جنت والوں کے لیے ایک منادی بھیجا جائے گا جو ایسی آواز کے ساتھ پکارے گا کہ اسے پہلے والے اور بعد والے سب سنیں گے، کہ بے شک اللہ نے تمہارے ساتھ حسنیٰ اور اس سے زیادہ کا وعدہ کیا ہے، حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یَبْعَثُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُنَادِیًا بِصَوْتٍ یُسْمِعُ أَوَّلَهُمْ وَآخِرَهُمْ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَكُمُ الْحُسْنَی وَزِیَادَةً، فَالْحُسْنَی: الْجَنَّةُ، وَالزِّیَادَةُ: النَّظَرُ إِلَی وَجْهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (رویۃ اللہ للدار قطنی ج ا ص ۱۵۶) اللہ تعالیٰ جل شانہ قیامت کے دن ایسی آواز میں ایک منادی کو اٹھائیں گے جو ان کے اگلوں اور پچھلوں کو یہ بات سنائے گا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ حسنیٰ اور زیادہ کا وعدہ کیا ہے، پس حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آیت مبارکہ میں موجود لفظ وزیادہ سے یہی معنیٰ مراد لیا ہے، ابن النحاس رحمہ اللہ نے رویۃ اللہ میں تحریر فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا الزِّیَادَةُ: النَّظَرُ إِلَی وَجْهِ رَبِّهِمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَی، زیادۃ سے مراد ہے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔

دار قطنی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب رویۃ اللہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں زیادہ سے مراد رحمان کے چہرے کی طرف دیکھنا بیان کی گئی ہے۔ ابو تمیمہ حجمی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ کے دوران یہی معنیٰ بیان کرتے ہوئے سنا، جس میں وہ فرمارہے تھے کہ زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ (رویۃ اللہ، دار قطنی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار الحسنیٰ اور زیادۃ کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی معنیٰ بیان فرمایا کہ الحسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ (ایضا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے، وہ اپنی ہتھیلی پر سفید شیشے کی طرح کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھے، اس میں ایک سیاہ نکتہ بھی تھا، میں نے ان سے پوچھا کہ اے جبریل یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ جمعہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ جمعہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کے لیے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ میں نے پوچھا اس میں ہمارے لیے کیا ہے؟ جبریل نے کہا آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے آپ کے بعد عید ہے، یہود و نصاریٰ آپ کے پیچھے ہوں گے۔ میں نے پوچھا اس میں ہمارے لیے کیا ہے؟ جبریل نے کہا آپ کے لیے اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس میں بندہ اللہ سے کسی چیز کا سوال کرے گا تو اللہ وہ اسے عطا کرے گا، اگر وہ اسے نہ ملی تو اللہ اس چیز کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دے گا، جو اس کے لیے اس سے بڑھ کر ہو گی۔

میں نے پوچھا اس میں جو سفید نکتہ ہے وہ کیا ہے؟ جبریل نے کہا کہ یہ قیامت ہے اور ہم اسے یوم المزید کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا، اے جبریل! یوم المزید کیا ہے؟ جبریل نے کہا، اللہ نے جنت میں ایک وادی بنائی ہے، جس میں مشک کے دوٹیلے ہیں، بہت زیادہ سفید، جب جمعہ کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ علیین سے اتر کر اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے، اس کرسی کو نور کی کرسیوں کے ساتھ گھیر لیا جائے گا، پھر انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے اور ان کرسیوں پر بیٹھیں گے، ان کرسیوں کو نور کے منبروں کے ساتھ

گھیر لیا جائے گا اور جواہرات کے ساتھ مزین سونے سے ان کرسیوں کو گھیر لیا جائے گا، پھر صدیقین اور شہدا آئیں گے، یہاں تک کہ وہ ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے، پھر بالاخانوں والے اپنے بالاخانوں سے اتر کر ان ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے لیے تجلی فرمائیں گے، پھر اللہ فرمائیں گے أَنَا الَّذِي صَدَقْتُكُمْ وَعْدِي، وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي، وَهَذَا مَحَلُّ كَرَامَتِي، میں وہ ہوں جس نے تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے، یہ میری بزرگی کا مقام ہے۔ اللہ فرمائیں گے مجھ سے مانگو، چنانچہ یہ لوگ اللہ سے مانگیں گے، یہاں تک کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی، پھر ان کے لیے اس میں وہ چیز کھولی جائے گی مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، جو ان کی آنکھ نے دیکھی نہیں ہو گی، ان کے کان نے سنی نہیں ہو گی اور کسی دل پر اس کا خیال تک نہیں گزرا ہو گا۔

یہ کچھ اتنی دیر میں ہو گا جس قدر تم لوگ جمعہ سے واپس لوٹتے ہو، پھر وہ اپنی کرسی پر بلند ہو گا، اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہدا ہوں گے، بالاخانوں والے اپنے بالاخانوں کی طرف واپس چلے جائیں گے، ان کے بالاخانے اور ان کے دروازے سفید موتی کے ہوں گے، یا سبز زمرد کے ہوں گے، یا سرخ یاقوت کے ہوں گے، ان میں نہریں گر رہی ہوں گی، ان کی بیویاں، ان کے خدام اور ان کے پھل ان میں ہوں گے، جمعہ کے دن وہ ان تمام چیزوں کی طرف سب سے زیادہ ضرورت مند ہوں گے۔ لِيَزْدَادُوا نَظَرًا إِلَى رَبِّهِمْ، وَيَزْدَادُوا مِنْهُ كَرَامَةً (رویۃ اللہ للدار قطنی) تاکہ وہ اپنے رب کی طرف خوب دیکھیں جس سے ان کی بزرگی میں اضافہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفَى إِبْرَاهِيمَ بِالْخُلَّةِ، وَاصْطَفَى مُوسَى بِالْكَلَامِ وَاصْطَفَى مُحَمَّدًا بِالرُّؤْيَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رویۃ اللہ للدار قطنی) بے شک اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کے ساتھ منتخب کیا ہے۔

علامہ دار قطنی رحمہ اللہ نے رویۃ اللہ کے عنوان سے وہ تمام روایات جمع کی ہیں جن میں اہل جنت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے، ان روایات کی تعداد پونے تین سو کے قریب ہے، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں اللہ کو دیکھنا، شب معراج میں دیکھنا بھی بتایا گیا ہے۔ اسی طرح ابن النحاس رحمہ اللہ نے رویت اللہ پر روایات جمع کی ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں روایات کا ایک خاصہ ذخیرہ پیش کیا ہے، علامہ اصفہانی الدقاق رحمہ اللہ نے مجلس املاء فی رویۃ اللہ پر روایات جمع کی ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عجالہ نافعہ میں علامہ آجری رحمہ اللہ کی ایک کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ آجری رحمہ اللہ نے بھی رویت اللہ پر روایات جمع کی ہیں، مگر بندہ کو علامہ آجری رحمہ اللہ کا جمع کردہ یہ ذخیرہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

ہدایت کا فائدہ اور گمراہی کا وبال

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ {۱۰۴} الانعام

جواب ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آچکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے لیے اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہو گا۔ اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ: بَصَائِر، بَصِيرَة کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: ایسی روشن دلیلیں جو انسان کی عقل اور دل دونوں کو حق دکھا دیں، اس سے مراد قرآنِ کریم کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، دلائلِ توحید، نبوت اور آخرت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام دروازے کھول دیے اور حق کو اس قدر واضح کر دیا کہ اب کسی کے لیے لاعلمی کا عذر باقی نہیں رہا۔

فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ: یعنی جو شخص ان دلائل سے فائدہ اٹھا کر ایمان لے آئے، حق کو پہچان لے اور اس پر عمل کرے تو اس کا نفع خود اسی کی ذات کو پہنچے گا، اللہ تعالیٰ کو کسی کے ایمان کی حاجت نہیں، بلکہ ایمان انسان ہی کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا: اور جو شخص دل کی آنکھیں بند کر لے، ضد، تکبر یا خواہشِ نفس کی وجہ سے حق کو دیکھنے سے انکار کرے تو اس کا نقصان بھی اسی پر پڑے گا، یہاں عَمِيَ سے مراد جسمانی اندھا پن نہیں بلکہ قلبی اندھا پن ہے، یعنی حق واضح ہونے کے باوجود اسے قبول نہ کرنا۔

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ: نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کے ایمان لانے یا نہ لانے کے ذمہ دار نہیں، نہ ہی آپ ان پر زبردستی کرنے والے ہیں، آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اس کے بعد ہر شخص خود اپنے انجام کا ذمہ دار ہے۔

خلاصۂ یہ ہے کہ یہ آیت انسان کو اس کی ذاتی ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے واضح دلائل عطا کر دیے ہیں، اب نہ ایمان لانے میں کسی پر جبر ہے اور نہ کفر پر کوئی مجبور ہے، جو حق کو اپنائے گا وہ خود فائدہ اٹھائے گا اور جو انکار کرے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا، رسول ﷺ محض داعی اور مبلغ ہیں، محافظ یا جبر کرنے والے نہیں۔

اُمی کی زبان سے حیران کن فصیح کلام

سوال اس آیت میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ دَرَسْتَ، اس کا کیا مطلب ہے؟

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ {۱۰۵} الأنعام۔

جواب ترجمہ: اور اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہے اور تاکہ ہم سمجھداروں کے لیے واضح کر دیں۔

اُمی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو فصیح و بلیغ پیرایہ بیان میں سن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامین عالی آپ نے کسی نصرانی یا یہودی سے پڑھ کر یاد کر لئے ہیں اور جاہلیت

کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل بڑے بڑے مستشرقین کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی مزید توثیق کر رہے ہیں۔ (الکتاب)

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے اس قرآن میں مشرکین کے لیے توحید، نبوت اور آخرت کے بارے میں ظاہری دلائل بیان کیے ہیں، اسی طرح ہم ان کے لیے ہر اس چیز کے بارے میں دلائل نازل کریں گے جس سے یہ ناواقف ہیں، ایسے مرحلے پر وہ اس کو جھٹلاتے ہوئے پکار اٹھیں گے کہ یہ باتیں تو تو یہودیوں سے سیکھتا ہے، اسی طرح ہم جب حق قبول کرنے والوں کے لیے آیات بدل بدل کر اتاریں گے، تو وہ انہیں قبول کریں گے، ان کی اتباع اور پیروی کریں گے، یہی وہ لوگ ہوں گے جو رسول کریم حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے جو ان پر نازل کی گئی ہے۔

یوں تو سارے قرآن کو پلٹ پلٹ کر دیکھا اور پڑھا جائے تو انسانی عقل حیرت میں گم ہو جاتی ہے کہ یہ کیسا فصیح اور بلیغ کلام ہے، کس قدر اس میں الفاظ کی تہوں میں معانی پوشیدہ ہیں، اس بحر کی موجوں میں معانی موجزن ہیں، جیسے ایک جھلک اسی مقام پر ملاحظہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے کانوں میں، ان کی آنکھیں کھول دینے والی باتیں انڈیل رہے ہیں، جیسے فالق الحب والنویٰ میں فرمایا کہ اللہ وہ ہے جو زمین کے نیچے دانے کو پھاڑتا ہے، اس سے جڑی بوٹیاں نکالتا ہے، گٹھلی کو پھاڑ کر اس میں سے درخت نکالتا ہے، بے جان گٹھلی کو پھاڑ کر اس میں سے سرسبز پتے نکالتا ہے، اسی طرح ایک دانے کو دیکھا جائے، کہ اس کے اندر سے اللہ تعالیٰ کیا کیا پیدا کرتا ہے، مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، مردے کو زندہ سے نکالتا ہے، یعنی خشک دانے سے تر و تازہ جڑی بوٹیوں کو وجود عطا کرتا ہے، اسی طرح خشک دانے سے زندہ اور پروان چڑھنے والی بوٹیوں اور نباتات کو وجود دیتا ہے، مومن کے وجود سے کافر اور کافر کے وجود سے مسلمان جنم لیتا ہے، اسی طرح زندہ اور مردہ مومن اور کافر سے استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اللہ ان چیزوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے

ہیں کہ یہ سب کچھ کرنے والا ہی تو تمہارا پیدا کرنے والا ہے، تمہارے کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے، اس وضاحت اور تشریح کے بعد تم حق اور سچ سے کیوں اعراض وروگردانی کرتے ہو۔

پھر رب العالمین اندھیرے کے دبیز پردے پھاڑ کر روشنی لاتا ہے، رات کی تاریکی اور اس کے سواد کے اندر سے پو پھٹتی ہے تو صبح کا اجالا ہوتا ہے، پھر اس کی کاریگری ملاحظہ کی جائے کہ وہ رات کو پر سکون بنادیتا ہے، تاکہ لوگ اپنی نقل وحرکت ختم کرکے اس میں آرام کرلیں۔

سورج اور چاند کو باریک ترین حساب کے لیے وجود دیا، ان کے ساتھ انسانی مصلحتیں وابستہ تھیں، ان کے ذریعے زمانوں، دن اور رات کے حسابات معلوم کیے جاتے ہیں، یہ غالب اور خوب علم والے اللہ کی تقدیر ہے۔

رب تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ستاروں کو وجود دیا، تاکہ انسان خشکی اور دریاؤں میں ان کے ذریعے راستے معلوم کریں، اپنے مشکل ترین اسفار کو ان کے ذریعے آسان بنائیں، ان کے ذریعے اللہ نے انسانوں پر احسان کیا ہے کیونکہ چٹیل میدانوں، دریاؤں کی موجوں پر رواں دواں مسافر انہی کی وساطت سے راہ پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی قدرت کے دلائل، اپنی قدرت کے براہین ان لوگوں کے لیے بیان کیے ہیں جو اپنے خالق کی عظمت پر غور وفکر کرتے ہیں، تدبر سے کام لیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ واضح فرمارہے ہیں کہ تمہارے پیدا کرنے والے کی طاقت اور قوت کا عالم یہ ہے کہ اس نے ایک انسانی جان سے تمہیں وجود دیا، تمہیں پیدا کیا، وہ آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔ پھر انسان غور وفکر تو کرے کہ اس کا ایک مستقر ہے ایک مستودع ہے، مستقر ماؤں کے رحموں میں انسان کا ٹھہرنا ہے، مستودع سے مراد باپ کی صلب میں ٹھہرنا ہے، بعض مستقر رحم مادر اور مستودع زمین کو قرار دیتے ہیں جہاں انسان نے مرنا ہے، یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے بیان کیا گیا، واضح کیا گیا جو عقل و

شعور کی نعمت سے سرشار ہیں، جو بات کو سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہیں، جو ان دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

پھر اس ذات قادر وقدیر کی کاریگری ملاحظہ کی جائے جس نے بادلوں سے بارش برسائی، بارش کے پانی سے سبزہ اگایا، بلکہ ہر وہ چیز بارش کے ذریعے نکالی جو دانوں سے اگتی ہے، میوے پیدا کیے، پھل پیدا کیے، سبزیاں، ترکاریاں پیدا کیں، درخت پیدا کیے، علامہ طبری تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس بارش کے ذریعے ہر چیز اگائی ہے، پھر اسے پروان چڑھایا ہے، پھر اسے سنوارا ہے۔

بارش کے پانی سے قدرت والے نے سبزہ اگایا، کچھ ایسی چیزیں اگائیں جو ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں، جیسے گندم کی بالیاں دیکھ لی جائیں کہ اس کے دانے کس طرح ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ سجے ہوتے ہیں، گندم اور جو کی بالیاں دیکھ لی جائیں، تل اور چاولوں کو دیکھ لیا جائے، کھجور کے خوشوں کو دیکھ لیا جائے۔

بارش سے انگور کی بیلوں کو تیار کیا، انگور کے خوشے دیکھ لیے جائیں، اسی بارش کے پانی سے انگور کے باغات سیراب ہوتے ہیں، پھر ہر طرف انگور کے درخت دکھائی دیتے ہیں، جن کی شاخیں انگور سے لدی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

اسی بارش کے پانی سے قدرت والے نے زیتون کا درخت اور انار کا درخت پروان چڑھایا، جن کا پھل دیکھنے میں ایک جیسا ہوتا ہے مگر ذائقے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے پتے ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ان کے پھل مختلف ہوتے ہیں۔

یہ ساری چیزیں پیدا کرنے والے، مختار کل، علیم اور قدیر کی قدرت، علم اور اختیار پر قطعی دلیل ہیں، جو ان ساری چیزوں کی پیدائش کی خبر دیتے ہوئے توجہ دلاتا ہے کہ ذرا تم آنکھیں تو کھولو، ذرا توجہ تو کرو، ان درختوں کے پھلوں کو اس وقت دیکھو جب یہ پھل دے رہے ہوں اور اس وقت غور

وفکر کرو جب ان کا پھل پک کر تیار ہو جائے، ان کو اس وقت دیکھو جب پھل نکل رہا ہوتا ہے، ان کے درمیانے زمانے کو دیکھو اور انکے پکنے کے زمانے کو دیکھو، یہ کس طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہیں؟ کیسے ایک رنگ کے بعد ان پر دوسرا رنگ چڑھتا ہے؟ کیسے ان میں ذائقہ آتا ہے؟ کیسے ان میں خوشبو پیدا ہوتی ہے؟ کیسے یہ پہلے پہل چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں پھر بڑے ہو جاتے ہیں؟ ذرا دھیان تو کرو کہ ان پھلوں کے ابتدائی زمانہ میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ وہ کڑوے ہوتے ہیں، بعض کھٹے ہوتے ہیں، ان میں سے اس وقت کوئی چیز، کوئی پھل کار آمد نہیں ہوتا، پھر جب ان پر ایک وقت گزرتا ہے تو یہ پک کر تیار ہو جاتے ہیں، ان میں مٹھاس آجاتی ہے، ان میں ذائقہ آجاتا ہے، یہ نفع اٹھانے کے قابل ہو جاتے ہیں، سبحان اللہ یہ قادر وقدیر کی بوقلمونی ہے، اس کی کاریگری ہے، اس کی خلاقیت کا عمدہ شاہکار ہے۔

یہ سارے دلائل قدرت تو ان خوش نصیبوں کے لیے ہیں جو مانتے ہیں، جو تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں یہ اللہ کی کاریگری ہے، وہی اکیلے سب کچھ کرتا ہے، جنہوں نے ماننا نہیں ہے وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ جو کچھ ہمارے سامنے بیان کیا جارہا ہے یہ تو نصرانی لڑکوں یسار اور جبر سے سیکھتا ہے اور آکر ہمیں سنا دیتا ہے، یہ تو قریش کے غلام ابوفکیہ سے سیکھتا ہے اور ہمیں آکر سنا دیتا ہے، یہ خود تو کسی سے پڑھا نہیں ہے، اس کو اس قدر باریکی کی باتیں کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اتباع وحی اور ذمہ داری رسالت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ {۱۰۶} وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ {۱۰۷} الانعام

جواب ترجمہ: آپ اس کا اتباع کیجیے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اور آپ مشرکین سے روگردانی کیجیے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے

آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ: الخ (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ اسی چیز کی پیروی کیجیے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے، وہی ہے جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور آپ کافروں کی ہٹ دھرمی اور عناد کی طرف دل نہ لگائیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا: اور اگر اللہ چاہتا تو وہ کبھی شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نہ نگران بنایا ہے کہ ان کے اعمال گنتے پھریں اور نہ آپ ان پر کارساز مقرر کیے گئے ہیں، آپ تو صرف اللہ کے رسول ہیں، اور آپ پر صرف (پیغامِ حق) پہنچا دینا ہی لازم ہے۔

دعوت کا ادب، معجزات کا اختیار اور ضدی دلوں انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۱۰۸}وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ{۱۰۹}وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ{۱۱۰} الانعام

جواب ترجمہ: اور ان کو برا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر، ہم نے ایسے ہی مزین کر دیا ہر امت کے لیے ان کے عمل کو۔ پھر اپنے رب کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے گی تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آجائے گی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں

کو پلٹ دینگے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑ رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: الخ، اے ایمان والو! تم اُن بتوں کو گالی نہ دو جنہیں یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں، اگرچہ وہ نہایت حقیر اور گالی کے زیادہ مستحق ہی کیوں نہ ہوں، تاکہ یہ لوگ جہالت اور سرکشی میں آکر اللہ کو گالی نہ دینے لگیں اور جس طرح اِن لوگوں کے لیے ان کا گمراہانہ عمل خوش نما بنا دیا گیا ہے، اسی طرح ہر امت کے لیے اس کا عمل (خواہ اچھا ہو یا بُرا) مزین کر دیا گیا ہے، پھر سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے، تب وہ انہیں بتادے گا جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور اس کا بدلہ دے گا۔

شانِ نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین نے کہا اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جاؤ ورنہ ہم تمہارے رب کی ہجو کریں گے، اس پر اللہ نے بتوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا تاکہ وہ بے علمی میں دشمنی کے مارے اللہ کو گالیاں نہ دیں۔ (اسباب النزول) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو گالیاں دیتے تھے، جس پر اللہ نے انہیں منع کیا۔ (اسباب)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ: الخ، اور مشرکوں نے اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی) کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجیے: نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، وہ جب چاہتا ہے نازل فرماتا ہے اور اے ایمان والو! تمہیں کیا معلوم کہ اگر وہ نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ اپنی ہٹ دھرمی اور انکار ہی پر قائم رہیں گے، کیونکہ وہ ہدایت کے طالب نہیں۔

شانِ نزول: محمد بن کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بات کی، انہوں نے کہا کہ اے محمد! آپ ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس عصا تھا جسے انہوں نے پتھر پر دے مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے اور

ثمود کے لیے نشانی اونٹنی تھی آپ ہمیں ان نشانیوں میں سے کوئی ایک نشانی لا کر دیں تا کہ ہم آپ کی تصدیق کریں رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ میں تمہیں وہ لا دوں انہوں نے کہا کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجے، خدا کی قسم اگر آپ ایسا کر دینگے تو ہم سب آپ کی پیروی کریں گے رسول اللہ ﷺ دعا کرنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کا پہاڑ سونے کا بن سکتا ہے لیکن میں کوئی نشانی لا دوں جس کی تصدیق نہ کی جائے تو پھر لازماً عذاب نازل کرتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو انھیں چھوڑ دیں تا آنکہ توبہ کرنے والے از خود توبہ کریں رسول اللہ نے جواب دیا میں انہیں ان کے حال پر چھوڑتا ہوں تا وقتیکہ توبہ کرنے والا خود توبہ کرے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ: اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں، (حق قبول کرنے سے روک دیتے ہیں) جیسا کہ انہوں نے پہلی مرتبہ قرآن پر ایمان نہیں لایا تھا اور ہم انہیں ان کی سرکشی اور گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران و سرگرداں بھٹکتے رہیں۔

ہدایت اللہ کے اختیار میں، باطل کے داعی اور قرآن کی قطعی حقانیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ {۱۱۱} وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ {۱۱۲} وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ {۱۱۳} اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ {۱۱۴} وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {۱۱۵} الانعام

جواب ترجمہ: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مردے بات کرلیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے تب بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مقرر کر دیئے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں۔ اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، تو چھوڑ دیجیے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تاکہ وہ اسے پسند کریں، اور تاکہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ اور آپ کے رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ: الخ، اور اگر ہم ان کی بات مان لیتے، چنانچہ ان کے پاس فرشتے اتار دیتے، مردے ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے کہ وہ اسے آنکھوں سے دیکھ لیتے، تب بھی یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لاتے، سوائے اُن کے جن کے لیے اللہ ہدایت چاہتا، لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے، اسی لیے وہ اللہ سے ہدایت کی توفیق مانگنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا: الخ، اور جس طرح (اے حبیب ﷺ) ہم نے آپ کے لیے ان مشرکین کی دشمنی کو آزمائش بنایا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے بھی دشمن بنائے گئے تھے، انسانوں کے سرکش لوگ اور جنّات کے سرکش، جو ایک دوسرے کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور باطل باتوں کو خوش نما بنا کر دھوکا دیتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے، مگر اللہ نے انہیں آزمائش کے طور پر اس حال پر چھوڑ دیا ہے، پس آپ انہیں اور ان کی گھڑی ہوئی باتوں کو چھوڑ دیں اور ان کی پروانہ کرو۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ: اور (یہ سب اس لیے ہے) تاکہ اُن لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، پھر وہ اسے پسند کریں، اس پر راضی ہو جائیں اور جو گناہ وہ کمانا چاہتے ہیں، انہیں کما لیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا: آپ فرما دیجیے (اے حبیب ﷺ) کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم (فیصلہ کرنے والا) تلاش کروں؟ حالانکہ وہی اللہ ہے جس نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل فرمائی ہے، جو ہر بات کو کھول کر بیان کرنے والی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یہود و نصاریٰ) وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس لیے تم ہرگز شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا: اور تیرے رب کا کلام سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہو چکا ہے، کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ ﷺ کو مفوض کر دیئے ہیں، آپ ﷺ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے، آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے، کسی پر ظلم و زیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنیٰ میں لیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں

اعتدال ہے نہ ہر چیز مباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے، کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ (تفسیر انوار البیان)

اکثریت کی پیروی گمراہی کا پیش خیمہ

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کریں

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ {۱۱۶} اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ {۱۱۷} الانعام

جواب ترجمہ: اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لوگے تو وہ تمہیں خدا کا راستہ بھلا دیں گے۔ یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین پر رہنے والی اکثریتی آبادی کی پیروی کریں گے تو وہ تو گمراہ ہیں، وہ اپنی گمراہی کے سبب آپ کو بھی اللہ کے دین سے ہٹا دیں گے، یہ بات ظاہر اور باہر ہے کہ زمین والوں کی اکثریت گمراہ ہے۔

بعض یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ ﷺ اور اہل ایمان سے مردار کھانے کے بارے میں بحث کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ تم لوگ جو جانور خود مارتے ہو اسے تو کھا لیتے ہو اور جسے اللہ مار دے اسے نہیں کھاتے ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کی مردار کھانے کے بارے میں پیروی کرتے تو یہ لوگ آپ کو اللہ کے دین سے ہٹا دیتے، اس لیے کہ وہ جس دین پر قائم ہیں وہ تو محض خیالات ہیں، محض اوہام ہیں، ان کا دین ان کی خواہشات ہی تو ہیں، جس دین کو انہوں

نے اختیار کر رکھا ہے وہ کوئی دلائل و براہین پر تھوڑا ہی کھڑے ہیں وہ تو محض اندھی تقلید ہے، محض اٹکل پچو باتیں ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم، محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں، اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں، اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے، یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا، جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اور اٹکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) اسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہو اسے حلال سمجھتے ہیں، یہ عجیب بات ہے، اس کا جواب اگلی آیتوں میں فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ سے دیا گیا۔ (عثمانی)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ کئی آیتیں اس پر اتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی ملمع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال و حرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہوا سو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سو مردار۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ: بے شک تمہارا رب، اے حبیب ﷺ! لوگوں میں سے اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور وہی ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس راہ پر ہدایت پانے والے ہیں، اس میں سے کوئی بات اس پر مخفی نہیں۔

ذبح میں اللہ کا نام اور حلال و حرام کھانے

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ{۱۱۸} وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ{۱۱۹} وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ{۱۲۰} وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ{۱۲۱} الانعام

جواب ترجمہ: تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھالیا کرو۔ اور تمہارے لیے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتادیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، بیشک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو۔ اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ، بیشک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بیشک وہ گناہ ہے۔ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بیشک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھالیا کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں، جیسے مشرکین از خود مر گیا ہو اور مردار جانور، بتوں اور تھالوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھالیا کرتے تھے، کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے حکم کے مطابق ذبح کیا جائے اس کے کھانے میں حرج سمجھا جائے بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ: اور (اے مومنو!) آخر تمہیں کس چیز نے روک رکھا ہے کہ تم اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے تم پر وہ چیزیں صاف صاف

بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، لہٰذا ان سے بچنا لازم ہے، مگر یہ کہ تم کسی شدید مجبوری میں پھنس جاؤ، کیونکہ مجبوری کے وقت ممنوع چیز بھی جائز ہو جاتی ہے اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی نادانی اور گمراہ کن آرا کی وجہ سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھہراتے ہیں، جیسے مردار وغیرہ، اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے ہیں، جیسے بحیرہ، وصیلہ اور حامی وغیرہ، بے شک تمہارا رب حد سے تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے اور وہ انہیں ان کے تجاوز پر سزا دے گا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ: اور (اے لوگو!) گناہوں کو چھوڑ دو، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے، بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں، اللہ انہیں ان کے کیے کا بدلہ ضرور دے گا۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ: اور (اے مسلمانو!) اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، خواہ اس پر کسی اور کا نام لیا گیا ہو یا بالکل نہ لیا گیا ہو، کیونکہ اس کا کھانا اللہ کی اطاعت سے نکل کر نافرمانی میں داخل ہونا ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں (مردار کے کھانے کے بارے میں) اور اگر تم نے ان کی بات مان لی تو تم بھی ان کی طرح مشرک ہو جاؤ گے۔

شانِ نزول: مشرکوں نے کہا کہ اے محمد! بکری مر جائے تو ہمیں بتایئے کہ اس کو کس نے مارا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ نے مارا ہے انہوں نے کہا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ جسے آپ یا آپ کے صحابہ ماریں یعنی ذبح کریں تو وہ حلال ہے کتا اور باز مارے وہ بھی حلال ہے اور جسے اللہ مارے وہ حرام ہے؟ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے جب اللہ نے مردار کی حرمت کا حکم دیا تو اہل فارس کے مجوسیوں نے قریش کو لکھا جو دورِ جاہلیت میں ان کے دوست تھے اور ان کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ تھا لکھا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی فرمان برداری کرتے ہیں، پھر یہ خیال

کرتے ہیں کہ ان کا ذبح کیا ہوا حلال ہے لیکن اللہ کا ذبح کیا حرام ہے، اس سے مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کے دلوں میں کچھ وسوسہ پیدا ہوا جس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل

سوال آیت کا ترجمہ و تفسیر اور شان نزول بیان کیجیے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۱۲۲} الأنعام

جواب ترجمہ: بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لیے پھرتا ہے وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح کافروں کی نظر میں ان کے کام آراستہ کر دیئے گئے ہیں۔

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل ہیں، ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اوجھ رکھ دی، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان نہ لائے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابو جہل کی اس حرکت کی خبر ہوئی اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آئے تھے اور ان کے ہاتھ میں کمان تھی وہ فوراً غصے میں ابو جہل کی طرف نکل پڑے اور ابو جہل پر اپنی کمان لے کر چڑھ گئے وہ بڑی آہ وزاری کرتا رہا اور کہتا رہا کہ أَمَا تَرَى مَا جَاءَ بِهِ ؟ سَفَّهَ عُقُولَنَا، وَسَبَّ آلِهَتَنَا، وَخَالَفَ آبَاءَنَا ؟ اے ابو یعلی کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ کیا لایا ہے ؟ اس نے ہماری عقلوں کو بے وقوف بنا دیا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں اور ہمارے آباؤ اجداد کی مخالفت کی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا وَمَنْ أَسْفَهُ مِنْكُمْ ؟ ! تَعْبُدُونَ الْحِجَارَةَ مِنْ دُونِ اللهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، تم سے زیادہ کون بے وقوف ہے ؟ تم اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کو پوجتے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور بندے ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (اسباب النزول)

زید بن اسلم رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں منقول ہے کہ اللہ کے فرمان فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ، ترجمہ۔ بلاجو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔

اس سے مراد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا، جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔ اس سے مراد ابو جہل بن ہشام ہے۔ (طبری)

مشرکین کی مکاری اور اللہ کی حکمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ {۱۲۳} وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ {۱۲۴} الانعام

جواب ترجمہ: وہ ان کے لیے اسی طرح مزین کر دیئے گئے اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تاکہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی، اللہ جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ: اور جیسا کہ مکہ میں بڑے بڑے مشرکین نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کی کوشش کی، اسی طرح ہم نے ہر بستی میں کچھ سردار اور عظماء مقرر کیے، جو اپنی

چالا کی اور مکاری سے لوگوں کو شیطان کے راستے کی طرف بلائیں اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے خلاف کام کریں، حقیقت یہ ہے کہ ان کی مکاری اور چالا کی صرف انہی کے لیے نقصان کا باعث بنتی ہے، مگر وہ اپنی جہالت اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اس کا شعور نہیں رکھتے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ: اور جب کافروں کے بڑے بڑے لوگ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ پر نازل ہونے والی کوئی آیت دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں: ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ ہمیں وہی نہیں دے دیتا جو اُس نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیا، اللہ ان کو جواب دیتا ہے کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون پیغام کی ذمہ داری کے قابل ہے اور جسے چاہے، نبوّت اور رسالت سے خاص کرتا ہے، یہ ظالم لوگ اپنے تکبر کی وجہ سے ذلت اور سخت عذاب پائیں گے۔

شانِ نزول: ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا، کیونکہ میں آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور ابو جہل نے کہا بخدا ہم اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔ (معالم التنزیل)

اہل ہدایت کے سینے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز اس میں میں تشبیہ ذکر کی گئی ہے، وہ کیا ہے؟

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۱۲۵} وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ {۱۲۶} الأنعام

جواب ترجمہ: تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس

طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔ اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، بیشک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لیے آیات بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس میں تشبیہ یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دیتے ہیں اس کا سینہ توحید اور ایمان کے لیے کھول دیتے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو حق قبول کرنے سے اس قدر تنگ کر دیتے ہیں جیسے اس شخص کا حال جو فضائی بلندیوں کی سمت چڑھتا ہے تو اس کا دم گھٹ رہا ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر یعنی سینہ اسلام کے لئے کھول دینے کی تفسیر دریافت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ایک روشنی ڈال دیتے ہیں، جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے (حق بات کو آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے اور خلاف حق سے نفرت اور وحشت ہونے لگتی ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے وہ شخص پہچانا جائے جس کو شرح صدر حاصل ہو گیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں علامت ہے کہ اس شخص کی ساری رغبت آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتی ہے، دنیا کی بے جا خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبراتا ہے، اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے لگتا ہے، پھر فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھنا چاہتے ہیں اس کا دل تنگ اور سخت تنگ کر دیتے ہیں، اس کو حق بات کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے جیسے کسی انسان کا آسمان میں چڑھنا۔ (شعب الایمان)

امام تفسیر کلبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "اس کا دل تنگ ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں حق اور بھلائی کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا"۔ یہ مضمون حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب وہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے، اور جب کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو ان میں دل لگتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین میں شرح صدر حاصل تھا اس لئے شکوک وشبہات بہت کم پیش آئے یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی صحبت اور بلاواسطہ شاگردی کے لئے منتخب فرمایا تھا ان کو اسلامی احکام میں شبہات اور وساوس کم سے کم پیش آئے، ساری عمر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو سوالات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے وہ گنے چنے چند ہیں، وجہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت کا گہرا نقش ان کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا ، جس کے سبب ان کو شرح صدر کا مقام حاصل تھا ان کے قلوب خود بخود باطل کا معیاد بن گئے تھے، حق کو آسانی کے ساتھ فوراً قبول کرتے اور باطل ان کے دلوں میں راہ نہ پاتا تھا، پھر جوں جوں رسول کریم کے عہد مبارک سے دوری ہوتی چلی گئی، شکوک و شبہات نے راہ پانی شروع کی، عقائد کے اختلافات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ (معارف القرآن)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شکوک وشبہات کے دور کرنے کا اصلی طریقہ بحث ومباحثہ نہیں شرح صدر کی تحصیل ہے اور آج پوری دنیا شکوک وشبہات کے گھیرے میں پھنسی ہوئی ہے، اور بحث ومباحثہ کی راہ سے اس کو حل کرنا چاہتی ہے جو اس کا صحیح راستہ نہیں۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

راستہ وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت نے اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور ان کے انعام کا استحضار کرکے اس کی عظمت ومحبت دل میں پیدا کی جائے، تو شبہات خود بخود کافور ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خود قرآن کریم نے رسول کریم کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے کہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ، یعنی اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے۔ (معارف القرآن)

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا: یہ دین جو ہم نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ اللہ کی سیدھی راہ ہے جس میں کوئی انحراف نہیں۔ ہم نے اپنی آیات واضح کر دی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل وشعور رکھتے ہیں اور اللہ کی ہدایت کو سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

دارالسلام سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز بتایئے کہ اس میں دارالسلام سے کیا مراد ہے؟

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۱۲۷} الأنعام۔

جواب ترجمہ: ان کے لیے اپنے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کے اعمال کے سبب سے ان کا مددگار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سلام اللہ جل شانہ کا نام ہے، اور دار السلام کے معنی ہیں اللہ کا گھر اور ظاہر ہے کہ اللہ کا گھر امن و سلامتی کی جگہ ہوتی ہے، اس لئے حاصل معنی پھر بھی یہی ہو گئے کہ وہ گھر جس میں ہر طرح کا امن و سکون اور سلامتی و اطمینان ہو، جنت کو دار السلام فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ جنت ہی صرف وہ جگہ ہے جہاں انسان کو ہر قسم کی تکلیف، پریشانی اور اذیت اور ہر خلافِ طبع چیز سے مکمل اور دائمی سلامتی حاصل ہوتی ہے جو دنیا میں نہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو کبھی حاصل ہوئی اور نہ بڑے سے بڑے نبی و رسول کو، کیونکہ دنیائے فانی کا یہ عالم ایسی مکمل اور دائمی راحت کا مقام ہی نہیں۔

قیامت، حشر جن وانس، رسولوں کا اعجاز

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ {۱۲۸} وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ {۱۲۹} يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ {۱۳۰} ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ {۱۳۱} وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۱۳۲} الانعام

جواب ترجمہ: اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔ اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے بعض سے نفع حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی۔ فرمان خداوندی ہو گا کہ دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، بیشک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے ہیں۔ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔ اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں، اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا: اور اے میرے حبیب ﷺ! یاد کرو اُس دن کو جب اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کے دونوں گروہوں کو جمع کرے گا، پھر فرمائے گا: اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں کو زیادہ بہکایا اور انہیں اللہ کی راہ سے روکا اور انسانوں کے پیروکار اپنے رب سے عرض کریں گے، اے ہمارے رب! ہر ایک نے اپنے ساتھی کے ساتھ لطف اٹھایا، جن نے انسان کے اطاعت میں لطف اٹھایا، اور انسان نے اپنی خواہشات میں اور مقررہ وقت تک پہنچ گئے جو تم نے ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا، یہ قیامت کا دن ہے، اللہ فرمائے گا، جہنم تمہارا مستقل ٹھکانہ ہو گی، سوائے اس کے جو اللہ چاہے مدت کے

لحاظ سے جو بعثت سے لے کر ان کے انجام تک مقرر کی گئی ہے، پس یہ مدت جو اللہ نے اُن کے اخروی عذاب میں استثنادی، اس میں رب تمہارا حکیم ہے اور اپنے بندوں پر علیم ہے اور جانتا ہے کہ کون سزا کا مستحق ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا: اور جس طرح ہم نے جنات میں سے شر پسندوں کو انسانوں پر غالب کیا تا کہ انہیں بہکائیں، ہم ہر ظالم کو دوسرے ظالم کے ذریعے شر کی طرف مائل کرتے ہیں، اسے اچھائی سے روکتے اور بری بات میں اسے رغبت دلاتے ہیں، یہ سب ان کے گناہوں کا بدلہ ہے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ: اور ہم قیامت کے دن انسانوں اور جنات سے کہیں گے، کیا تمہارے پاس تمہاری جنس کے رسول نہیں آئے جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتے اور تمہیں اس دن کے خوف کی تلقین کرتے؟ وہ جواب دیں گے، ہاں! آج ہم نے اپنے آپ پر اعتراف کیا کہ آپ کے رسولوں نے ہمیں پیغام پہنچایا ہے، اور ہم اس دن کے بارے میں واقف ہیں، لیکن ہم نے آپ کے رسولوں کو جھٹلایا اور اس دن کو جھٹلایا، اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ دیا تھا، اس کی زینت اور عارضی نعمتوں سے انہیں دھوکہ دیا تھا، اور یہ اقرار کریں گے کہ انہوں نے دنیا میں اللہ کا انکار کیا، اللہ کے رسولوں کا انکار کیا، لیکن اس وقت انہیں ان کا اقرار، اعتراف اور ایمان نفع نہیں دے گا کیونکہ وقت گزر چکا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ: یہ دلیل اور وضاحت (اعذار) اس لیے ہے کہ ہم نے انسانوں اور جنات کے پاس رسول بھیجے، تا کہ کوئی بھی اس کے کیے گئے اعمال پر عذاب کا مستحق نہ ٹھہرے جس کے پاس رسول نہ بھیجا گیا ہو اور جس تک اللہ کی دعوت نہ پہنچی ہو، پس ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ اس کے پاس رسول نہ پہنچا ہو۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا: جنوں اور انسانوں میں سے ہر شخص کے لیے اللہ کے ہاں درجات مقرر ہیں اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی، لہٰذا برائی کے زیادہ اور کم کرنے والے برابر نہیں، پیروکار اور پیروی کیے جانے والے برابر نہیں، جیسے نیک اعمال کرنے والوں کا ثواب بھی برابر نہیں اور تمہارا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں، بلکہ وہ ان پر کامل نظر رکھتا ہے، کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

اللہ کی بے نیازی، انجام کفر اور مشرکانہ بدعات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ {۱۳۳} اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ {۱۳۴} قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ {۱۳۵} وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ {۱۳۶} وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ {۱۳۷} الانعام

جواب ترجمہ: اور آپ کا رب بے نیاز ہے رحمت والا ہے اگر چاہے تو تم سب کو چلتا کر دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے (تمہاری) جگہ پر لے آئے جیسے اس نے دوسری قوم کی نسل میں سے تمہیں کھڑا کر دیا تھا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ ہے وہ آنے ہی کو ہے اور تم (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے۔ کہہ دیجیے اے میری قوم تم اپنی جگہ کام کرو، میں بھی کر رہا ہوں آگے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں ہے، ظالم لوگ تو کامیاب ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اللہ نے جو بھی کھیتی اور مویشی پیدا کیے اس میں سے لوگوں نے اللہ کا ایک حصہ رکھا پھر وہ اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے کہ یہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے، تو جو ان کے شریکوں کا ہوتا وہ اللہ تک نہ پہنچتا اور جو اللہ کا ہوتا وہ شریکوں تک پہنچ جاتا، کیسے برے فیصلے وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیئے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ :اور اے میرے حبیب ﷺ! تمہارا رب اپنے بندوں سے بے نیاز ہے، نہ اسے ان کی حاجت ہے اور نہ ان کی عبادت کی اور نہ ہی ان کا کفر اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے، اس بے نیازی کے باوجود وہ ان پر نہایت مہربان ہے، اگر وہ چاہے تو اے نافرمانو! تم سب کو اپنے پاس سے عذاب کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ دے اور تمہارے بعد جنہیں چاہے ایمان لانے اور اطاعت کرنے والوں میں سے لے آئے، جیسے اس نے تمہیں تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ: جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے، یعنی دوبارہ اٹھایا جانا، حساب اور سزا کا ملنا، وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم اللہ کو بھاگ کر عاجز نہیں کر سکتے، وہ تم پر پورا قابو رکھنے والا ہے اور تمہیں اپنے عذاب میں لے آئے گا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ :اے میرے حبیب ﷺ فرما دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی روش پر قائم رہو، میں بھی اپنے طریقے پر قائم ہوں، میں نے تم پر پوری طرح حق واضح کر دیا ہے، اب عنقریب تم جان لوگے کہ دنیا میں انجام کس کے حق میں ہوتا ہے، زمین کا وارث کون بنتا ہے اور آخرت کا گھر کس کے لیے ہے؟ یقیناً مشرک نہ دنیا میں کامیاب ہوں گے نہ آخرت میں، بلکہ ان کا انجام خسارہ ہی ہے، چاہے وہ دنیا میں کچھ بھی فائدہ اٹھا لیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا: اور مشرکوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے، پھر جو حصہ انہوں نے اپنے شریکوں کے لیے رکھا وہ اللہ کی مقررہ جگہوں تک نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے مقرر کیا وہ اپنے بتوں کی طرف پہنچا دیتے ہیں، کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ اور تقسیم!

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ :اور جس طرح شیطان نے ان کے لیے یہ ظالمانہ تقسیم خوش نما بنا دی، اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شیطانی ساتھیوں نے اپنی اولاد کو قتل کرنا بھی اچھا بنا دیا، تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں، اگر اللہ چاہتا تو وہ

ایسا نہ کرتے، لیکن اس نے حکمتِ بالغہ کے تحت انہیں مہلت دی، پس اے رسول! انہیں اور اللہ پر ان کے جھوٹے بہتان کو چھوڑ دیجیے اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجیے۔

کارہائے شیطانی

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ {۱۳۸} وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ {۱۳۹} الأنعام

جواب ترجمہ: اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی منع ہے۔ اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چارپائے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے، سب خدا پر جھوٹ ہے، وہ عنقریب ان کو ان جھوٹ کا بدلہ دے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچّہ ان چارپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ (بچّہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں۔ (یعنی اسے مرد اور عورتیں سب کھائیں) عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا، بیشک وہ حکمت والا خبردار ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حجر کے معنی حرام کے ہیں، یہ طریقے شیطانی تھے کوئی اللہ کا مقرر کردہ راستہ نہ تھا، اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے۔ پھر جسے چاہتے کھلاتے۔ جیسے فرمان ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (یونس :۵۹) یعنی بتلاؤ تو یہ اللہ کے دیئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال حرام مقرر کر لیتے ہو اس کا حکم تمہیں اللہ نے دیا ہے یا تم نے خود ہی خود پر تراش لیا ہے؟

دوسری آیت مبارکہ میں صاف فرمایا مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ (المائدہ ۱۰۳)
یعنی یہ کافروں کی نادانی، افتراء اور جھوٹ ہے، بحیرہ سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبودان باطل کے نام پر داغ دیتے تھے پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے، جب ان کے بچے ہوتے تھے تو انہیں ذبح کرتے تھے حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے، نہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے نہ ان کا دودھ نکالتے تھے پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور اللہ کا فرمان جانتے تھے اللہ انہیں ان کے اس کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودان باطل کے نام کر دیتے تھے ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے جب انہیں بچہ ہوتا تو اگر نر ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد عورت سب کھاتے، اللہ نے اس فعل سے بھی روکا۔

شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر وہ مرجاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے، ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ اللہ انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ اللہ پر باندھا ہوا تھا، فلاح و نجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی، یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال کسی کو حرام کر لیتے تھے پھر اسے رب کی طرف منسوب کر دیتے تھے اللہ جیسے حکیم کا کوئی فعل کوئی قول کوئی شرع کوئی تقدیر بے حکمت نہیں تھی وہ اپنے بندوں کے خیر و شر سے دانا ہے اور انہیں بدلے دینے والا ہے۔ (ابن کثیر)

اولاد کُشی کی ہلاکت اور رزق میں اللہ کی حدیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ {۱۴۰} وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَيۡرَ

مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ {۱۴۱} الانعام

جواب ترجمہ: بیشک وہ لوگ خسارہ میں پڑگئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دے دیا بیشک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں۔ اور وہ وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر، اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت اور کھیتی جس میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتون کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن اس کا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ : یقیناً وہ لوگ تباہ ہوگئے جنہوں نے نادانی اور کم عقلی کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ کے دیے ہوئے مویشیوں کو حرام ٹھہرالیا، اس جھوٹے دعوے کے ساتھ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، وہ سیدھی راہ سے بہت دور جا پڑے اور ہرگز ہدایت یافتہ نہ تھے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ : اور اللہ ہی ہے جس نے باغات پیدا کیے، کچھ زمین پر پھیلے ہوئے بغیر تنے کے اور کچھ اونچے تنے والے اور اسی نے کھجور کے درخت پیدا کیے اور کھیتیاں پیدا کیں جن کے پھل شکل اور ذائقے میں مختلف ہوتے ہیں اور اسی نے زیتون اور انار پیدا کیے جن کے پتے آپس میں ملتے جلتے ہیں، مگر ذائقے ایک جیسے نہیں ہوتے، کھاؤ اے لوگو! ان کے پھل جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی کے دن ان کا حق ادا کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، بلکہ ناپسند کرتا ہے اور جس ذات نے یہ سب کچھ پیدا کیا، اسی نے اسے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے، لہٰذا مشرکوں کو اس کے حرام ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں۔

حَمُوْلَةً اور فَرْشًا سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ میں حمولۃً و فرشاً کا کیا مطلب ہے؟

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ الأنعام۔

جواب ترجمہ: اور چارپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے) بھی۔ (پس) خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، وہ تمہارا صریح دُشمن ہے۔

حمولۃً کا لفظ حمل سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ہے بوجھ اٹھانا، حمولہ وہ جانور جو بوجھ اٹھا سکے، جیسے رکوبہ عربی میں اس جانور کو کہا جاتا ہے جو سواری کے قابل ہو، اسی طرح عربی میں حلوبہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو دودھ دینے کے لائق ہو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ جس نے اپنی قدرت سے ایسے جانور پیدا کیے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، جیسے بڑے قد و کاٹھ کا جانور اونٹ ہے، گھوڑا ہے، خچر ہے، گدھا ہے، ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی غلامی میں اس طرح لگا دیا کہ یہ اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اس کا سامان اپنی پیٹھوں پر لاد کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جاتے ہیں، آج اگرچہ ان جانوروں کی جگہ انسانی دست کاری کے شاہکار دیو ہیکل گاڑیوں نے لے لی ہے، جو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک انسانی فلاح و ترقی کے لیے کام کرتے ہیں، مگر جانوروں کی افادیت اور اہمیت سے ان دیو ہیکل گاڑیوں کے باوجود انکار ناممکن ہے۔

رب تعالیٰ نے انسانی بے بسی اور اپنی قدرت کے شاہکار ان جانوروں کا یوں ذکر فرمایا وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل:۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار یہ جانور اتنے مفید ہیں کہ انسانی ساز و سامان اٹھائے، اپنی پشتوں پر لادے

ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک بستی سے دوسری بستی، ایک قصبہ سے دوسرے قصبہ تک چلتے چلے جاتے ہیں، جہاں انسان اس سازوسامان کو اٹھائے پہنچ جائے مگر اسے سخت مشقت کا سامنا کرنا پڑے۔

فرشاً سے مراد چھوٹے قد وکاٹھ کے جانور، ان کو فرش اس لیے کہا گیا کہ ان کے قد زمین کے قریب ہوتے ہیں یا زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں، جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ، جن کا گوشت لذت دار ہے، انسان کی صحت کے لیے مفید ہے، مگر یہ نحیف الجثہ جانور انسانی سازوسامان کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

جانوروں کی آٹھ اقسام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ{۱۴۳}وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ{۱۴۴} الانعام

جواب ترجمہ: (یہ بڑے چھوٹے چارپائے) آٹھ قسم کے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) (اے پیغمبر ان سے) پوچھو کہ (خدا نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادینوں کو یا جو بچہ مادینوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اُسے؟ اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔ اور دو (دو) اونٹوں میں سے دو (دو) گایوں میں سے (ان کے بارے میں بھی ان سے) پوچھو کہ (خدا نے) دونوں (کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادینوں کو یا جو بچہ مادینوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اس کو بھلا جس وقت خدا نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تم اس

وقت موجود تھے ؟ تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افترا کرے تا کہ ازراہ بیدانشی لوگوں کو گمراہ کرے ؟ کچھ شک نہیں کہ خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے چوپائے جانوروں میں تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت سے حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے جیسے بحیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حام وغیرہ۔ اسی طرح کھیت اور باغات میں بھی تقسیم کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، کھیت ہوں باغات ہوں، چوپائے ہوں۔

پھر ان چوپایوں کی قسمیں بیان فرمائیں، بھیڑ، مینڈھا، بکری، بکرا، اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل۔ اللہ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے، سواریاں لینے، اور دوسری قسم کے فائدوں کے لئے پیدا کی ہیں، جیسے فرمان ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر:٦) اس نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں۔

بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں بھی کبھی وہ مردوں کیلئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام کر دیتے تھے پھر ان سے ہی سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی دلیل کوئی کیفیت کوئی وجہ تو پیش کرو، چار قسم کے جانور اور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے، ان سب کو اللہ نے حلال کیا ہے کیا تو اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو ؟ اس فرمان الٰہی کے وقت تم موجود تھے ؟ کیوں جھوٹ کہہ کر افترا پردازی کر کے بغیر علم کے باتیں بنا کر اللہ کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو ؟ اگر یہی حال رہا تو دستور ربانی کے ماتحت ہدایت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے، سب سے پہلے یہ ناپاک رسم عمرو بن لحی بن قمعہ نے نکالی تھی اسی نے انبیاء کے دین کو سب سے پہلے بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔

اس آیت میں اہل جاہلیت کو توبیخ کی گئی جو اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا کرتے تھے جن کا ذکر اوپر کی آیات میں آچکا ہے، جب اسلام میں احکام کا بیان ہوا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ

سے جدال کیا اور ان کا خطیب مالک بن عوف جشمی سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا محمد ﷺ ہم نے سُنا ہے آپ ان چیزوں کو حرام کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں حضور نے فرمایا تم نے بغیر کسی اصل کے چند قسم کے چوپایوں کی حرام کرلیں اور اللہ تعالیٰ نے آٹھ نَر و مادہ اپنے بندوں کے کھانے اور ان کے نفع اٹھانے کے لئے پیدا کئے، تم نے کہاں سے انہیں حرام کیا، ان میں حُرمت نَر کی طرف سے آئی یا مادہ کی طرف سے ؟ مالک بن عوف یہ سن کر ساکت اور متحیّر رہ گیا اور کچھ نہ بول سکا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بولتا کیوں نہیں ؟ کہنے لگا آپ فرمایئے میں سنوں گا۔ (خزائن العرفان)

سبحان اللہ سید عالم ﷺ کے کلام کی قوت اور زور نے اہل جاہلیت کے خطیب کو ساکت و حیران کر دیا اور وہ بول ہی کیا سکتا تھا، اگر کہتا کہ نَر کی طرف سے حُرمت آئی تو لازم ہوتا کہ تمام نَر حرام ہوں ، اگر کہتا کہ مادہ کی طرف سے تو ضروری ہوتا کہ ہر ایک مادہ حرام ہو اور اگر کہتا جو پیٹ میں ہے وہ حرام ہے تو پھر سب ہی حرام ہو جاتے کیونکہ جو پیٹ میں رہتا ہے وہ نَر ہوتا ہے یا مادہ۔ وہ جو خصوصی قائم کرتے تھے اور بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے اس حجت نے ان کے اس دعوٰئ تحریم کو باطل کر دیا علاوہ بریں ان سے یہ دریافت کرنا کہ اللہ نے نر حرام کئے ہیں یا مادہ یا ان کے بچے، یہ منکرِ نبوت مخالف کو اِقرارِ نبوت پر مجبور کرتا تھا کیونکہ جب تک نبوت کا واسطہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کا کسی چیز کو حرام فرمانا کیسے جانا جاسکتا ہے۔ (خزائن العرفان)

مسلمانوں کے لیے حرام کی گئی چیزیں

سوال اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں پر جن چوپایوں اور پرندوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کا ذکر کیجیے

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ الانعام

جواب ترجمہ: اے محمد ﷺ! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، اِلّا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سوٗر کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں کوئی چیز ان میں سے کھالے بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حدِ ضرورت سے تجاوز کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جن چوپایوں اور پرندوں کو حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں، مردار، لہو جاری، سوٗر کا گوشت، اسی طرح مسلمانوں پر ایسے جانور کا گوشت کھانا بھی حرام قرار دیا گیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے۔ مردار کی تفصیل سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳ میں ذکر کی گئی ہے، جس میں صرف اپنی طبعی موت مرنے والا مردار ہی نہیں ہے بلکہ کئی اور طریقوں سے مرنے والے جانور بھی مردار بتائے گئے ہیں۔

یہ چند حرام کردہ وہ چیزیں ہیں جن کو واضح طور پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، ہاں نبی کریم ﷺ کی سنت سے گدھوں کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، کتوں کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

یہود پر حرام کی گئی چیزیں

سوال آیت کی روشنی میں یہود پر جو چوپائے اور پرندے حرام کیے گئے تھے ان کو بیان کریں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ {۱۴۶} الانعام

جواب ترجمہ: اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کے چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی ہو یا ہڈی میں ملی

ہو یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم سچ کہنے والے ہیں۔

حضرت ابن جریر رحمہ اللہ ہر ناخن والے جانور کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں **وَهُوَ الْبَهَائِمُ وَالطَّيْرُ مَا لَمْ يَكُنْ مَشْقُوقَ الْأَصَابِعِ، كَالْإِبِلِ وَالنَّعَامِ وَالْأَوِزِّ وَالْبَطِّ**، ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں، جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ **هُوَ الَّذِي لَيْسَ بِمُنْفَرِجِ الْأَصَابِعِ**، جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو۔

ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ **كُلُّ شَيْءٍ مُتَفَرِّقُ الْأَصَابِعِ، وَمِنْهُ الدِّيكُ** ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے مرغ ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے **الْبَعِيرُ وَالنَّعَامَةُ وَأَشْيَاءُ مِنَ الطَّيْرِ وَالْحِيتَانِ** جیسے اونٹ، شتر مرغ اور بہت سے پرند، مچھلیاں۔ انہی سے ایک فرمان ہے کہ **الْبَعِيرُ وَالنَّعَامَةُ**، اونٹ اور شتر مرغ۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ ہیں، ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا۔

اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی، یہود کہتے تھے کہ اسرائیل نے اسے حرام کر لیا تھا، اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں۔ ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو، انتڑیوں کے ساتھ، اوجھڑی کے ساتھ، ہڈی کے ساتھ ہو وہ ان پر حلال تھی، یہ بھی ان کے ظلم، تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام، جیسے فرمان ہے **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا** یہودیوں کے ظلم وستم اور راہ حق سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی کی ہے تو آپ نے فرمایا اللہ اسے غارت کرے، کیا یہ نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ**

عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَّلُوهَا فَبَاعُوهَا، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ، اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سؤر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام فرمائی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهُ يُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ میں جلایا جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ لَا هُوَ حَرَامٌ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) اسے استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بھی حرام ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ وَأَكَلُوا ثَمَنَهُ، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے، جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ کر اس کی قیمت کھانا شروع کر دی۔ (بخاری مسلم)

ایک مرتبہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں مقامِ ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ، فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا ثَمَنَهَا، إِنَّ اللهَ لَمْ يُحَرِّمْ عَلَى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ إِلَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ (بخاری و مسلم)

اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی، اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور فرمایا لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا، وَإِنَّ اللهَ إِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ (مسند احمد، ابو داؤد) اللہ

تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی مگر انہوں نے اسے بیچا اور اس کی قیمت کھا گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لیے کوئی چیز کھانے کے لیے حرام قرار دی تو اس کی قیمت کھانا بھی اس کے لیے حرام قرار دی۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانے میں آپ ﷺ کی عیادت کے لئے گئے اس وقت آپ ﷺ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے، آپ ﷺ نے چہرہ سے چادر ہٹا کر فرمایا، لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ يُحَرِّمُونَ شُحُومَ الْغَنَمِ وَيَأْكُلُونَ أَثْمَانَهَا (مسند احمد) اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ بکریوں کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔

باطل حجتوں کا رد اور اللہ کے قطعی احکام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ {۱۴۷} سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ {۱۴۸} قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ {۱۴۹} قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ {۱۵۰} الانعام

جواب ترجمہ: سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا۔ جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ

چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیتے ہوں کہ بیشک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ: پس اگر وہ اے حبیب ﷺ! آپ کو جھٹلائیں اور اس پیغام کو سچ نہ مانیں جو آپ اپنے رب کی طرف سے لائے ہیں، تو ترغیب کے طور پر ان سے کہہ دیجیے: تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور تم پر اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ تمہیں مہلت دیتا ہے اور فوراً عذاب میں نہیں پکڑتا اور تنبیہ کے طور پر یہ بھی کہہ دیجیے کہ اس کا عذاب گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا لوگوں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا: مشرک کہیں گے اللہ کی مشیت اور تقدیر کو دلیل بنا کر کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم ان چیزوں کو حرام ٹھہراتے جو ہم نے خود حرام کر رکھی ہیں، انہی باطل حجتوں کے ساتھ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا اور کہتے رہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم تکذیب نہ کرتے، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا، آپ ان سے کہہ دیجیے: کیا تمہارے پاس کوئی علم یا دلیل ہے جو یہ ثابت کرے کہ اللہ نے تمہارے شرک اور خود ساختہ حرام ٹھہرانے کو پسند کیا؟ محض کسی کام کا واقع ہو جانا اللہ کی رضا کی دلیل نہیں، تم تو محض گمان کے پیچھے چلتے ہو اور گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا اور تم محض جھوٹ گھڑتے ہو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ: آپ مشرکوں سے کہہ دیجیے: اگر تمہاری یہی کمزور دلیلیں ہیں، تو یاد رکھو کہ اللہ ہی کے پاس فیصلہ کن حجت ہے، جس کے سامنے تمہارے تمام بہانے ختم ہو جاتے ہیں اور تمہاری سارے شبہات باطل ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ: آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجیے جو اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہراتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں حرام کیا ہے، اپنے گواہ لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ واقعی اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ بے علمی میں ایسی گواہی دیں تو آپ ان کی گواہی کو نہ مانیں، کیونکہ یہ جھوٹی گواہی ہے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو اپنی خواہشوں کو فیصل بناتے ہیں، جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ایسے لوگوں کی پیروی کیسے کی جاسکتی ہے؟

عامۃُ النَّاس کے لیے حرام کی گئی چیزیں

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ عام لوگوں کے لیے کون کون سی چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں؟

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ{۱۵۱}وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ{۱۵۲}وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ{۱۵۳}الأنعام

جواب ترجمہ: آپ کہیے کہ آؤ تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہوں خواہ پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد تک پہنچ جائے اور ناپ تول پوری پوری کرو انصاف کے ساتھ، ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو ان کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو اور یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں، اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے ڈر کی وجہ سے قتل کرنا۔ بے حیائی کا کام کرنا۔ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے چاہے علی الاعلان ہو یا چپکے سے۔ ناحق کسی کو قتل کرنا۔ یتیم کا مال کھانا۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنا۔ سچی گواہی نہ دینا۔ عہد وپیمان کی پاسداری نہ کرنا۔ گمراہی والے راستوں پر چلنا۔

دلائل وبراہین کے انبار

سوال اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے لیے واضح دلائل بیان فرمائے تاکہ وہ قرآن کریم پر ایمان لائیں، ان کا ذکر آیات ذیل میں ہے، ترجمہ وتفسیر کیجیے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ{۱۵۴} وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ{۱۵۵}اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ{۱۵۶}اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ{۱۵۷} الأنعام

جواب ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو گئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور (اے کفر کرنے والو) یہ کتاب بھی ہمیں نے اتاری ہے برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔ (اور اس لئے اتاری ہے) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری تھیں اور ہم ان کے پڑھنے سے (معذور اور) بے خبر تھے۔ یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں کی نسبت کہیں سیدھے راستے پر ہوتے۔ سو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان کے (لوگوں کو) پھیرے؟ جو لوگ ہماری آیتوں سے پھیرتے ہیں اس پھیرنے کے سبب ہم ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا: پھر ان بیان کردہ باتوں کے بعد ہم خبر دیتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی، نعمت کی تکمیل کے طور پر، ان کے حسنِ عمل کے بدلے میں اور دین میں جن امور کی ضرورت ہو ان سب کی واضح توضیح کے لیے اور حق کی راہنمائی اور رحمت کے طور پر تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں اور اس کے لیے نیک اعمال کے ساتھ تیاری کریں۔

وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ: فرمایا کہ قرآن کریم میں بہت زیادہ برکت ہے، اس میں بہت زیادہ نفع ہے، اس میں خیر ہی خیر ہے، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا، آفتاب آمد دلیل آفتاب، اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

بہار عالم حسنش جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت رابہ بوارباب معنی را

اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں، اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی ہونے نہ پائے۔ (تفسیر عثمانی)

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ: کافروں کے ایک گروہ نے یہ کہا تھا کہ یہود و نصاریٰ پر کتابیں اتاری گئی تھیں، پھر وہ بد عقلی کا شکار ہو گئے، ان اتاری جانے والی کتابوں سے نفع نہ اٹھا سکے، ہم ان یہود و نصاریٰ کی طرح کمزور عقل والے نہیں ہیں، ہم احمق، بے وقوف اور نادان نہیں ہیں، ہماری عقول درست طور پر کام کر رہی ہیں، ہماری ذہانت و فطانت ایسی ہے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل کی جاتی تو ہم سیدھے راستے پر چل پڑتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری اور مقدس کتاب اپنے پیارے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر ان کے عذر کی جڑ کاٹ دی۔

ایسا وقت جس میں ایمان لانا مفید نہیں

سوال وہ وقت کون سا ہے جب ایسے شخص کو ایمان لانا مفید نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا؟ اس آیت کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ {۱۵۸} الانعام

جواب ترجمہ: یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔ یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں؟ (مگر) جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہو گا)۔ (اے نبی ان سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جس وقت انسان کو ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا وہ وہ وقت ہو گا، جب موت کا فرشتہ اور اس کے مددگار روح قبض کرنے کے لیے آجائیں گے، جب اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کے لیے تشریف لائیں گے، جب قیامت کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی جو قیامت کے آنے پر دلالت کر رہی ہوں گی، جیسے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے جب یہ نشان ظاہر ہو جائے گا تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے (بخاری) پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو بے ایمان کو ایمان لانا، خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو اس کے بعد نیکی یا توبہ کرنا کچھ سود مند نہ ہو گا۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال کا آنا، دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھویں کے آنے کا بھی بیان ہے اور حدیث میں ہے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے بیشتر جو توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، فرمایا عرش کے قریب جا کر سجدے میں گر پڑتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا یہی وہ وقت ہو گا کہ ایمان لانا بے نفع ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے اتنے میں حضور بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔

طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالدُّخَانُ، وَالدَّابَّةُ، وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَخُرُوجُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَالدَّجَّالُ، وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ أَوْ: تَحْشُرُ النَّاسَ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابتہ الارض، یاجوج ماجوج کا آنا، عیسیٰ بن مریم کا آنا دجال کا نکلنا، مشرق، مغرب اور جزیرہ عرب میں تین جگہ زمین کا دھنس جانا، عدن کے درمیان سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک لے جائے گی رات دن ان کے پیچھے ہی پیچھے رہ گی (مسند احمد، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا نشان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تَطُولُ تِلْكَ اللَّيْلَةُ حَتَّى تَكُونَ قَدْرَ لَيْلَتَيْنِ، فَبَيْنَمَا الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ فِيهَا، يَعْمَلُونَ كَمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ قَبْلَهَا وَالنُّجُومُ لَا تَسْرِي، قَدْ قَامَتْ مَكَانَهَا، ثُمَّ يَرْقُدُونَ، ثُمَّ يَقُومُونَ فَيُصَلُّونَ، ثُمَّ يَرْقُدُونَ، ثُمَّ يَقُومُونَ فَيَطُلُّ عَلَيْهِمْ جُنُوبُهُمْ، حَتَّى يَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ اللَّيْلُ، فَيَفْزَعُ النَّاسُ وَلَا يُصْبِحُونَ، فَبَيْنَمَا

هُمْ يَنْتَظِرُونَ طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَشْرِقِهَا إِذْ طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنُوا، وَلَا يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ

وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی بقدر دو راتوں کے، لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گذاری میں بھی، ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے پھر لوگ سو جائیں گے پھر اٹھیں گے کام میں لگیں گے پھر سوئیں گے پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں نہ سورج نکلا ہے کروٹیں دکھنے لگیں گی لیکن صبح نہ ہو گی اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا اس وقت تو تمام روئے زمین کے انسان مسلمان ہو جائینگے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہو گا۔ (ابن مردویہ، تفسیر ابن کثیر)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ إِنَّ اللهَ فَتَحَ بَابًا قِبَلَ الْمَغْرِبِ عَرْضُهُ سَبْعُونَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ، قَالَ: لَا يُغْلَقُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْهُ (ترمذی) اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض ستر سال کا ہے یہ توبہ کا دروازہ ہے یہ بند نہ ہو گا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے۔

اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے یہ سن کر یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ بیان کیا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے کچھ نہیں کہا مجھے حضور کا فرمان خوب محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے، ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو اسی کے بعد دوسری ظاہر ہو گی۔

حضرت عبد اللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہو گا وہ غروب ہوتے ہی عرش تلے جاتا ہے اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے اجازت مل جاتی ہے، جب مشیت

الٰہی سے مغرب سے ہی نکلنا ہو گا تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر بھی جواب نہ ملے گا رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو گا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا تو کہے گا کہ یا اللہ دنیا کو سخت تکلیف ہو گی تو اس سے کہا جائے گا یہیں سے طلوع ہو چنانچہ وہ مغرب سے ہی نکل آئے گا پھر حضرت عبد اللہ نے یہی آیت تلات فرمائی، (مسلم)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا خَرَّ إِبْلِيسُ سَاجِدًا يُنَادِي وَيَجْهَرُ : إِلَهِي، مُرْنِي أَنْ أَسْجُدَ لِمَنْ شِئْتَ، قَالَ : فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ زَبَانِيَتُهُ فَيَقُولُونَ : يَا سَيِّدَهُمْ، مَا هَذَا التَّضَرُّعُ ؟ فَيَقُولُ : إِنَّمَا سَأَلْتُ رَبِّي أَنْ يُنْظِرَنِي إِلَى الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ، وَهَذَا الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ، قَالَ ثُمَّ تَخْرُجُ دَابَّةُ الْأَرْضِ مِنْ صَدْعٍ فِي الصَّفَا، قَالَ : فَأَوَّلُ خطوة تضعها بأنطاكيا، فَتَأْتِي إِبْلِيسَ فَتَخْطمه

جب سورج مغرب سے نکلے گا ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کیلئے تیار ہوں اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے ؟ وہ کہے گا مجھے یہیں تک کی ڈھیل دی گئی تھی، اب وہ آخری وقت آگیا پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا اس کا پہلا قدم انطاکیہ میں پڑے گا وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اس کی ناک پر مارے گا۔ اس روایت کو طبرانی نے اپنی معجم میں نقل کیا ہے، علامہ ابن کثیر بھی اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت نہایت ہی غریب اور ضعیف ہے۔

دین میں فرقہ واریت کی ممانعت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ {۱۵۹} الانعام

جواب ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور فرقوں میں بٹ گئے، اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، جنہوں نے دینِ ابراہیمی کو چھوڑ کر مختلف فرقے بنا لیے اور ہر فرقہ اپنے امام یا نظریہ کے پیچھے چل پڑا، بعض مفسرین نے اس میں امتِ محمدیہ کے اہلِ بدعت اور اہلِ خواہشات کو بھی شامل کیا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ فَارَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا هُمْ أَصْحَابُ الْبِدَعِ وَأَصْحَابُ الْأَهْوَاءِ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ** یعنی اس امت کے اہلِ بدعت اور اہلِ خواہشات بھی اس میں داخل ہیں ۔(تفسیر بغوی)

فَرَّقُوا دِينَهُمْ: کے دو معنی بیان ہوئے ہیں: ایک یہ کہ انہوں نے دین میں اختلاف کیا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا، دوسرا یہ کہ بعض حصے کو مانا اور بعض کو چھوڑ دیا، یعنی دین کو مکمل طور پر نہ اپنایا ۔

شِيَعًا: سے مراد مختلف گروہ اور فرقے ہیں، جو اپنے اپنے نظریات اور اماموں کے پیچھے چلتے ہیں، یہاں شیعہ سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنے کو حب دار اہل بیت سمجھتے ہیں اور حضرات صحابہ کرام کو دشنامتے ہیں، اُن کو اصطلاح میں رافضی کہا جاتا ہے۔

لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ: یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، نہ آپ ان کے اعمال کے ذمہ دار ہیں، نہ ان کے انجام کے، آپ ان کے بارے میں بری الذمہ ہیں ۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ: یعنی ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہی قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال کی حقیقت بتائے گا اور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اس آیت میں مسلمانوں کو فرقہ بندی اور دین میں اختلاف سے سختی سے روکا گیا ہے اور وحدت و اجتماعیت کی تاکید کی گئی ہے، جیسا کہ دوسری آیات میں بھی ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل (عمران: ۱۰۳) خلاصہ یہ کہ اس آیت میں دین کو ٹکڑوں میں بانٹنے، فرقہ بندی اور اختلاف سے منع کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، جو قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

نیکی اور بدی کا حساب

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے بتایئے کہ قیامت کے دن نیکی بدی کا حساب کیسے ہو گا؟

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ {۱۶۰} الأنعام

جواب ترجمہ: جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک نیکی کے بدلے میں اس سے بہتر اجر ملے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا (النَّمْلِ: ۸۹) جو نیکی لائے اس کیلئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔

حدیث قدسی ہے، نبی کریم ﷺ اپنے اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ أن رَبَّكُمْ (عَزَّ وَجَلَّ) رَحِيمٌ، مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتبت لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ، إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ وَاحِدَةً، أَوْ يَمْحُوهَا اللّٰهُ، عَزَّ وَجَلَّ، وَلَا يَهْلَكُ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا هَالِكٌ (بخاری، مسلم، نسائی)

تمہارا رب عزوجل بہت بڑا رحیم ہے نیکی کے صرف ارادے پر نیکی کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے اور ایک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ اور اگر برائی کا ارادہ ہوا پھر وہ برائی نہ کر سکا تو بھی نیکی ملتی ہے اور اگر اس برائی کو کر گذرا تو ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اللہ معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے سچ تو یہ ہے کہ ہلاکت والے ہی اللہ کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ وَمَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَجَزَاؤُهَا مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيئَةً ثُمَّ لَقِيَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً۔ وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً (احمد)

نیکی کرنے والے کے لیے دس گنا ثواب ہے بلکہ میں اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو اکہرا عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں زمین بھر جو شخص خطائیں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، جو میری طرف بالشت بھر آئے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ہاتھ بھر آئے میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آئے میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

ایک اور حدیث بھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ دینے والے کو بھی نیکی ملتی ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے چنانچہ بعض روایات میں تشریح آ بھی چکی ہے۔ دوسری صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے بھول بسر جائے تو اسے نہ ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے اللہ سے ڈر کر نیک نیتی سے اسے ترک نہیں کیا اور اگر بدنیتی سے اس نے کوشش بھی کی اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا کر نہ سکا، موقع ہی نہ ملا، اسباب ہی نہ بنے، تھک کر بیٹھ گیا تو ایسے شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قَالُوا : يَارَسُولَ اللّٰهِ، هٰذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ ؟ قَالَ : إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر لیکن جو مارا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کو مار ڈالنے کا آرزو مند تھا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں برائی کے محض ارادے کو لکھا نہیں جاتا اگر عمل کرلے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کر دیا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں۔ ① بعض لوگ تو وہ ہیں جنہیں دنیا اور آخرت میں وسعت اور کشادگی دی جاتی ہے۔ ② بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں تنگی۔

③ بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے اور آخرت میں انہیں کشادگی ملے گی۔ ④ بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بدبخت رہتے ہیں یہاں بھی وہاں بھی بے آبرو۔

اعمال کی چھ قسمیں یہ ہیں دو قسمیں تو ثواب واجب کر دینے والی ہیں ایک برابر کا، ایک دس گنا اور ایک سات سو گنا۔ واجب کر دینے والی دو چیزیں وہ ہیں جو شخص اسلام و ایمان پر مرے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اس کیلئے جنت واجب ہے اور جو کفر پر مرے اس کیلئے جہنم واجب ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے گو کہ نہ ہو اسے ایک نیکی ملتی ہے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گذرے اسے

ایک ہی گناہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور جو نیکی کا کام کرے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرے اسے سات سو گنا ملتا ہے (ترمذی، مسند احمد)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثلاثةُ نَفَر: رَجُلٌ حَضَرها بِلَغْوٍ فَهُوَ حَظُّه مِنْهَ، وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ، فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعه، وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِإِنْصَاتٍ وَسُكُوتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَة مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذ أَحَدًا، فَهِيَ كَفَّارَةٌ لَهُ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ؛ وَذَلِكَ لِأَنَّ اللهَ يَقُولُ: {مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا} (ابن خزیمہ)

جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے اس کے حصے میں تو وہی لغو ہے، ایک دعا کرتا ہے اسے اگر اللہ چاہے دے چاہے نہ دے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو سکوت اور خاموشی کے ساتھ خطبے میں بیٹھتا ہے کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا نہ کسی کو تکلیف دیتا ہے اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بلکہ اور تین دن تک کے گناہوں کا بھی، اس لئے کہ وعدہ الٰہی میں ہے، جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا الْجُمُعَةُ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي تَلِيهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ (طبرانی) جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کفارہ ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ فَقَدْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ (مسند احمد، ترمذی، نسائی) جو شخص ہر مہینے میں تین روزے رکھے اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر سارا زمانہ روزے سے رہنے کا ثواب دس روزوں کا ملتا ہے۔ ابن مسعود اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ہے اور سیئہ سے مراد شرک ہے۔

ہدایت کاملہ اور ملت ابراہیمی کی جامع حقیقت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ {۱۶۱} الانعام

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے اور ابراہیم کی ملت ہے جو حق کی راہ اختیار کرنے والا تھا، اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ: اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں کو صاف صاف یہ اعلان کر دیں کہ اللہ نے آپ کو اپنی خاص نعمتِ ہدایت سے نوازتے ہوئے اپنے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی عطا فرمائی ہے؛ ایسا راستہ جو ہر قسم کے ٹیڑھ، کجی، انحراف اور گمراہی سے پاک ہے۔ یہ راستہ دراصل دینِ قیّم ہے، یعنی ایسا مضبوط، قائم اور دائمی دین جو ہر زمانے میں حق پر قائم رہنے والا ہے۔

یہی دین درحقیقت ملتِ ابراہیم ہے، وہی خالص توحید پر قائم طریقہ جس میں ہر طرح کے شرک، اوہام اور باطل عقائد سے مکمل بیزاری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یکسو ہو کر صرف اللہ کے بندے تھے اور کبھی مشرکوں میں سے نہ تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ، دینِ ابراہیمی سے تو وہی شخص اعراض و روگردانی کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا ہو۔

اور ایک اور مقام پر ارشاد ہے: وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد

کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں چنا ہے اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی، دین تمہارے والد ابراہیم کا ہے۔

نیز فرمایا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ * شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، بے شک ابراہیم ایک ایسی امت تھے جو اللہ کے فرمانبردار، یکسو (باطل سے ہٹ کر حق کی طرف مائل) تھے، اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انہیں چن لیا تھا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائی تھی۔

اگرچہ نبی کریم ﷺ کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دین میں رسول اللہ ﷺ سے کامل تر ہوں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی دین اپنے کمالِ اتم کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر مکمل ہوا، ایسا کمال جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا، اسی لیے آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے خاتم، تمام بنی آدم کے سردار، اور صاحبِ مقامِ محمود ہیں، وہ مقام جس کی تمنا خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رکھتے ہیں۔

توحید خالص

سوال ان آیات میں توحید خالص کا بیان ہے ان کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ {۱۶۲} لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ {۱۶۳} الأنعام

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیں کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جانوروں کو ذبح کرنا ایک اکیلے اللہ ہی کے لیے ہے، بتوں کے لیے نہیں ہے، مردوں کے لیے بھی نہیں ہے، جنات کے لیے بھی نہیں ہے، نہ ہی ان کے لیے ہے جن کے نام پر یا جن کے لیے تم لوگ اللہ کے نام کے علاوہ ذبح کرتے ہو، نہ غیر اللہ کے لیے کرتا ہوں اور نہ ہی غیر اللہ کے نام پر کرتا ہوں جیسے تم کرتے ہو، میری زندگی اور موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کی شان یہ ہے کہ اس کا کوئی شریک، سہیم اور ساجھی نہیں ہے، الوہیت میں وہ اکیلا ہے، ربوبیت میں وہ تنہا ہے، اس کی صفات میں اور اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے، یہ ایسی خالص توحید ہے جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے، میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

توحید ربوبیت اور قیامت کے دن فیصلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ {۱۶۴} الانعام

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے، اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ چیزیں جتا دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

فرما دیجیے: اے میرے حبیب ﷺ! ان مشرکوں سے، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے، اور وہی ان معبودوں کا بھی رب ہے جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر قیامت کے دن تم سب کو

اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ تمہیں ان باتوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم دنیا میں دین کے بارے میں اختلاف کرتے رہے۔

مراتب و درجات میں فرق کی حکمت

سوال اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مراتب و درجات قائم فرمائے ہیں، بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے، اس میں کیا مصلحت اور حکمت کار فرما ہے؟ اس آیت کی روشنی میں بتائیے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۶۵} الأنعام۔

جواب ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے۔ تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مراتب اور درجات قائم کیے ہیں، بعض کو بعض پر فوقیت اور برتری دی ہے، اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی جو نعمتیں عطا کی ہیں انہیں اس میں آزمائے، تاکہ اللہ لوگوں میں سے شکر گزاروں کو ظاہر کر دے اور منکروں ناشکروں اور ناقدری کرنے والوں کو واضح کر دے۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی تمہیں دوسرے لوگوں کی جگہ بٹھانے اور ان کے مال جائداد کا مالک بن جانے اور پھر عزت و دولت کے اعتبار سے مختلف درجات میں رکھنے سے مقصد ہی یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں کھلیں اور اس کا امتحان ہو کہ جو نعمتیں پچھلے لوگوں کو ہٹا کر تمہارے سپرد کی گئی ہیں، ان میں تمہارا عمل کیا ہوتا ہے، شکر گزاری اور فرمانبرداری کا یا ناشکری اور نافرمانی کا؟

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے، ابن کثیر نے فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے

ہیں جن میں حسب استعداد و لیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمایش کا حاصل یہ ہو گا کہ مثلاً غنی حالت غناء میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے و قس علیٰ ہذا۔ بہر حال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا، حق تعالیٰ اس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور اور جو پورا اترا اس کے لئے رحیم ہے۔ (عثمانی)

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

{ نظر ثانی، ترمیمات واضافات: یکم فروری ۲۰۲۶ء بروز اتوار علی الصبح ۱۰ بجے }

سورۃ الاعراف (تعارف)

سوال سورۃ الاعراف کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الاعراف قرآن مجید کی ساتویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی آیات کی تعداد ۲۰۶ ہے، یہ "سبع طوال" یعنی طویل سورتوں میں شامل ہے، اس سورت میں انسانیت کی ہدایت، انبیاء علیہم السلام کی دعوت، اور سابقہ اقوام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "الاعراف" اس میں مذکور لفظ سے لیا گیا ہے۔ "اعراف" ایک بلند جگہ ہے جس کا ذکر آیت وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ میں آیا ہے، اس جگہ پر قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو جنت اور دوزخ والوں کو ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے۔

شان نزول: سورۃ الاعراف کے بارے میں اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ مکمل طور پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، بعض روایات کے مطابق اس میں چند آیات مدنی ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک یہ مکی سورت ہے، اس سورت کا نزول اس وقت ہوا جب کفارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اذیتیں دے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفار کو انجام سے خبر دار کیا۔

اہم مضامین: سورۃ الاعراف کے اہم مضامین درج ذیل ہیں ①: توحید اور رسالت: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی عبادت اور انبیاء کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ② سابقہ اقوام کے واقعات: قومِ نوح، ہود، صالح، شعیب، اور موسیٰ علیہم السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، تاکہ امتِ محمدیہ عبرت حاصل کرے۔ ③ آدم و ابلیس کا واقعہ: آدم علیہ السلام کی تخلیق، ابلیس کا انکارِ سجدہ، اور انسان کو شیطان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ④ اعراف کا ذکر: اعراف کے مقام اور وہاں موجود لوگوں کا ذکر، جو جنت و دوزخ والوں کو پہچانیں گے۔ ⑤ احکام و ہدایات: اللہ کی طرف رجوع، اس کے احکام کی پیروی اور شیطان کی پیروی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ⑥ دعوتِ اصلاح: انسان کو اپنی اصلاح، توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کی دعوت دی گئی ہے۔

داعی کے لیے مشعل راہ

سوال آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

الٓمّٓصٓ{۱} كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ{۲} الأعراف

جواب ترجمہ: (اے محمد یہ) کتاب (جو) آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس سے آپ کو تنگدل نہیں ہونا چاہیے (یہ نازل) اس لئے (ہوئی ہے) کہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈر سناؤ اور (یہ) ایمان والوں کیلئے نصیحت ہے۔

قرآن کریم عظیم الشان کتاب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اے نبی! آپ کے سینہ اطہر پر اتارا ہے، اس لیے آپ کے دل میں ذرا بھر شک نہ گزرے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتاری جانے والی کتاب ہے، نہ ہی اس کے ابلاغ، اس کی اشاعت اور اس کی ترویج اور اس کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے کی وجہ سے آپ تنگ دل ہوں، ہم نے یہ کتاب آپ پر اتاری ہی اس لیے ہے کہ آپ اس کے ذریعے کافر لوگوں کو ڈرائیں، اہل ایمان کو اس کے ذریعے نصیحت کریں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں آیت میں رسول کریم ﷺ کو خطاب فرما کر یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی ہے، آپ ﷺ کو اس کی وجہ سے دل تنگی نہ ہونی چاہیے، دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ ﷺ کو کسی کا خوف مانع نہ ہونا چاہیے کہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے اور آپ ﷺ کو ایذاء دیں گے، (کذا روی عن ابی العالیہ، مظہری)

اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے اس نے آپ ﷺ کی امداد و حفاظت کا بھی انتظام کر دیا ہے، اس لئے آپ ﷺ کیوں دل تنگ ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ دل تنگی سے مراد یہ ہے کہ قرآن اور احکامِ اسلام سُن کر بھی جو لوگ مسلمان نہ

ہوتے تھے تو یہ آنحضرت ﷺ پر بوجہ شفقت کے شاق ہوتا تھا، اسی کو دل تنگی سے تعبیر کیا گیا، اور یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا فرض منصبی صرف تبلیغ و دعوت کا ہے، جب آپ ﷺ نے یہ کام کر لیا تو اب یہ ذمہ داری آپ کی نہیں کہ کون مسلمان ہوا کون نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کیوں بلاوجہ دل تنگ ہوں۔

اتباع کتاب اور اتباع سنت نبوی ﷺ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ {۳}الاعراف

جواب ترجمہ: اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی، اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو، تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

لوگو! اس کتاب کی پیروی کرو جو تمہارے رب نے تم پر نازل کی ہے اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرو اور اللہ کے سوا اُن لوگوں کی پیروی نہ کرو جنہیں تم شیطانوں یا بد کردار علماء میں سے اپنا کارساز سمجھ بیٹھتے ہو، تم اُن کی پیروی کرتے ہو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اُسے چھوڑ دیتے ہو، محض اس لیے کہ تمہاری خواہشات تمہیں اس کی تلقین کرتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو، اگر تم نصیحت قبول کرتے تو حق کے مقابلے میں کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیتے، اپنے رسول ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کی پیروی کرتے، اس پر عمل کرتے اور اس کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دیتے۔

بستیوں کی تباہی آرام کے اوقات میں کیوں؟

سوال جن بستیوں کو اللہ نے ہلاک و برباد کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ انہیں ایسے وقت میں عذاب دیا گیا جو دن اور رات میں سونے اور آرام کرنے کا وقت تھا؟ ارشاد فرمایا

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ {۴}فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ

جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ{۵} فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ {۶}فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ{۷} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب (یا تو رات کو) آتا تھا جبکہ وہ سوتے تھے یا (دن کو) جبکہ وہ قیلولہ (یعنی دوپہر کو آرام) کرتے تھے۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آگیا تو سوائے اس اقرار کے ان سے کچھ کہتے نہ بنا کہ ہم ہی ناانصاف تھے۔ تو ہم یقیناً ان سے بھی پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔ پھر ہم اپنے علم سے سب کچھ ان کو سنادیں گے اور ہم غائب تو تھے نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا عذاب ایسے وقت میں آیا جب کہ انہیں خبر بھی نہ تھی، رات کا وقت تھا جب وہ آرام سے سو رہے تھے، خراٹے بھر رہے تھے، یا دن کے وقت میں قیلولہ کر رہے تھے ، آرام کر رہے تھے، عذاب آنے کی کوئی نشانی یا کوئی قرینہ انہیں پہلے سے معلوم نہ تھا، ہمارے عذاب نے انہیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ظالموں، نافرمانوں، سرکشوں کو عذاب دینے کے لیے یہ دو اوقات اس لیے خاص کیے ہیں کہ یہ راحت اور آرام کے اوقات ہیں، ان دو اوقات میں عذاب کا آنا یہ زیادہ بھیانک اور شدید ہے، یہ زیادہ عبرت ناک منظر ہے، ایسے اوقات میں گرفت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ان کی سرکشی اور تمرد زیادہ قابل نفرت تھا۔

ہمارے ہاں کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اسے پولیس گرفتار کر لیتی ہے، گرفتاری کے بعد اسے عدالت میں پیش کیا جاتا ہے، پھر عدالت سے احکامات لے کر اس شخص کو جیل بھیجنے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، پھر سالہا سال تک اس شخص کو عدالتی تحقیقات سے گزارا جاتا ہے، عدالت کے حکم پر ہی پولیس اس شخص سے نت نئے طریقوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تحقیق و تفتیش کرتی ہے، پھر مختلف مراحل میں اسے ہتھکڑیاں لگا کر جیل سے عدالت میں لایا جاتا ہے، جب اس شخص کا ایسا جرم ثابت ہو جاتا ہے

جس پر اس کو سزائے موت دی جاتی ہے تو اس کے بعد اس مجرم کو جیل کے باقی قیدیوں سے الگ سیل میں بند کر دیا جاتا ہے، پھر ایک دن آتا ہے کہ اس کے لیے ڈیتھ وارنٹ جاری کر دیے جاتے ہیں، جس تاریخ کو اسے تختہ دار پر لٹکایا جاتا ہے اس سے ایک دن یا کچھ لمحے پہلے عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کروائی جاتی ہے، پھر اسے رات کے آخری حصہ میں اس وقت جب ہر سمت سناٹا چھایا ہوتا ہے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے، اس کو اس سناٹے کے وقت میں تختہ دار پر بھی شاید اسی وجہ سے لٹکایا جاتا ہے۔

قیامت کے دن اعمال کا وزن کیسے ہو گا؟

سوال قیامت کے دن اعمال کا وزن کیسے ہو گا؟ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کی جائے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ {٨} وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ {٩} الأعراف۔۔

جواب ترجمہ: اور اس روز (اعمال کا) تلنا برحق ہے تو جن لوگوں کے (عملوں کے) وزن بھاری ہونگے وہ تو نجات پانے والے ہیں اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا اس لئے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔

قیامت کے دن نیکی بدی انصاف وعدل کے ساتھ تولی جائے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ (الْأَنْبِيَاءِ: ۴۷) قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو رکھیں گے، کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا، رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (النِّسَاءِ: ۴۰) اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

سورۃ قارعہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ * وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ * نَارٌ حَامِيَةٌ (الْقَارِعَةِ) جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اسے عیش و نشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا اس کا ٹھکانا (ہاویہ) ہے جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے۔

سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ * فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ * وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ} (الْمُؤْمِنُونَ : ۱۰۱، ۱۰۳) پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے، تو جن کے (عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو قیامت کے دن میزان میں تولی جائے گی، اس بارے میں کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے کوئی کہتا ہے نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے۔ ان تینوں قولوں کو اس طرح جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ ہم کہیں یہ سب صحیح ہیں کبھی اعمال تولے جائیں گے کبھی نامہ اعمال کبھی خود اعمال کرنے والے۔ واللہ اعلم۔

ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا۔

جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے أَنَّ الْبَقَرَةَ وَ آلَ عِمْرَانَ يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ : غَيَايَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران قیامت کے دن دو سائبانوں کی یا دو ابر کی یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ وَأَنَّهُ يَأْتِي صَاحِبَهُ فِي صُورَةِ شَابٍّ شَاحِبِ اللَّون، فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ ؟ فَيَقُولُ: أَنَا الْقُرْآنُ الَّذِي أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ وَأَظْمَأْتُ نَهَارَكَ (مسند احمد، ابن ماجہ) قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان خوش شکل نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں جو تجھے راتوں کی نیند نہیں سونے دیتا تھا اور دنوں میں پانی پینے سے روکتا تھا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ فَيَأْتِي الْمُؤْمِنَ شَابٌّ حَسَنُ اللَّوْنِ طَيِّبُ الرِّيحِ، فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ ؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ (مسند احمد) مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت خوشبودار آئے گا یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اور کافر و منافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ اعمال تولے جائیں گے ان کی دلیلیں یہ ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ: أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا ؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ ؟ فَيَقُولُ: لَا يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: أَفَلَكَ عُذْرٌ ؟ فَيَقُولُ: لَا يَا رَبِّ، فَيَقُولُ: بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً، فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: احْضُرْ وَزْنَكَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ، فَقَالَ: إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ، قَالَ: فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ، فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ، فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ (ترمذی)

قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو سب کے سامنے لایا جائے گا، اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہو گا جتنا دور تک نظر پہنچے، پھر اللہ اس سے پوچھے گا کہ کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! نہیں، پھر وہ پوچھے گا کہ کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں کہ ہاں تیرے لیے ہمارے پاس ایک نیکی ہے، تجھ پر آج کے دن ظلم وزیادتی نہیں کی جائی گی، چنانچہ ایک کاغذ کا ٹکڑا نکلے گا، جس پر لکھا ہوا ہو گا، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، پھر اللہ اسے فرمائے گا کہ اپنا وزن حاضر کر، وہ کہے گا یا اللہ! یہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے، اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائے گا۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلّہ بھاری رہے گا۔ (مسند احمد، حاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں مگر میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں، اور وہ کلمے یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سبحان اللہ کہنے سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے، اور الحمد للہ سے باقی آدھا پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ایسے دو کام بتاتا ہوں جن پر عمل کرنا انسان کے لئے کچھ بھاری نہیں، اور میزانِ عمل میں وہ سب سے زیادہ بھاری ہوں گے، ایک عمدہ اخلاق، دوسرے زیادہ خاموش رہنا، یعنی بلا ضرورت کلام نہ کرنا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے کتاب الزہد میں بروایت حضرت حازم رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبرئیل امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا تعالیٰ سے رو رہا تھا، تو جبرئیل نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہو گا مگر خدا و آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا، بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا (مظہری)۔

ایک حدیث میں ہے کہ میدان حشر میں ایک شخص حاضر ہو گا، جب اس کا نامہ اعمال سامنے آئے گا تو وہ نیک اعمال کو بہت کم پا کر گھبرائے گا کہ اچانک ایک چیز بادل کی طرح اُٹھ کر آئے گی اور اس کے نیک اعمال کے پلّے میں گر جائے گی اور اس کو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرے اس عمل کا ثمرہ ہے جو تو دنیا میں لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتلاتا یا سکھاتا تھا، اور یہ تیری تعلیم کا سلسلہ آگے چلا تو جس جس شخص نے اس پر عمل کیا ان سب کے عمل میں تیرا حصہ بھی لگایا گیا۔ (مظہری)۔

طبرانی نے بروایت جابر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کی میزانِ عمل میں سب سے پہلے جو عمل رکھا جائے گا وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کا نیک عمل ہے۔

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی جس سے انہوں نے علم دین اور احکام دین لکھے ہیں اور شہیدوں کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون کے وزن سے بڑھ جائے گا۔

جو کہتے ہیں کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا، ان کی دلیل یہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یُؤتَی یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِالرَّجُلِ السَّمِین، فَلَا یَزِن عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَة ثُمَّ قَرَأَ: { فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا } (الْكَهْفِ : ۱۰۵) قیامت کے دن ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہو گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یُؤتَی بِالرَّجُلِ الْعَظِیمِ الْأَكُولِ الشَّرُوبِ فَلَا یَكُونُ لَهُ وَزْنُ بَعُوضَةٍ، قیامت کے دن ایک بڑے آدمی کو لایا جائے گا، جو بہت زیادہ کھانے والا، بہت زیادہ پینے والا ہو گا، مگر اس کا وزن ایک مچھر جتنا بھی نہیں ہو گا۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا أَتَعْجَبُونَ مِنْ دِقَّةِ ساقَيْهِ ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُمَا فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ أُحُدٍ (احمد) ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہے

امام تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ سب روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وَقَدْ يُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ هَذِهِ الْآثَارِ بِأَنْ يَكُونَ ذَلِكَ كُلُّهُ صَحِيحًا، فَتَارَةً تُوزَنُ الْأَعْمَالُ، وَتَارَةً تُوزَنُ مَحَالُّهَا، وَتَارَةً يُوزَنُ فَاعِلُهَا، وَاللهُ أَعْلَمُ، ان روایات کے درمیان تطبیق ممکن ہے، وہ اس طرح کہ یہ سارے طریقے ہو سکتے ہیں، کبھی وزن اعمال کیا جائے، کبھی نامۂ اعمال تولا جائے، کبھی ان اعمال کو سر انجام دینے والے کو تولا جائے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ وزن مختلف صورتوں سے کئی مرتبہ کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ پوری حقیقت ان معاملات کی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اور عمل کرنے کے لئے اس حقیقت کا جاننا ضروری بھی نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہو گا، نیک اعمال کا پلّہ ہلکا رہا تو عذاب کے مستحق ہوں گے،

یہ دوسری بات ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو خود اپنے فضل و کرم سے یا کسی نبی یا ولی کی شفاعت سے معاف فرمادیں اور عذاب سے نجات ہو جائے۔

ایک روایت میں یہاں تک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ترازو کو کھڑا کریں گے، اس کے دو پلڑے ہوں گے اور اس کی زبان ہو گی، اس کے ذریعے بندوں کے اچھے برے اعمال تولے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں میزان کے لیے جمع کا لفظ موازین استعمال فرمایا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال تولنے کے لیے ایک میزان نہیں ہو گا بلکہ بہت سے میزان ہوں گے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ دلوں کے افعال کے لیے الگ میزان ہوں گے، باقی اعضاء کے اعمال کے لیے الگ میزان ہوں گے، قول و قرار کے لیے الگ میزان ہوں گے۔ اہل ایمان کس قدر خوش نصیب ہیں کہ قیامت کے دن جب ان کے اعمال تولے جائیں گے اور وزن کی کمی کی صورت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کام آجائیں گے۔

جیسے ایک روایت میں ہے إِذَا خَفَّتْ حَسَنَاتُ الْمُؤْمِنِ أَخْرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وآله وَسَلَّمَ مِنْ حُجْرَتِهِ بِطَاقَةً كَالْأُنْمُلَةِ فَيُلْقِيهَا فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ الْيُمْنَى الَّتِي فِيهَا حَسَنَاتُهُ فَتَرْجَحُ الْحَسَنَاتُ فَيَقُولُ ذَلِكَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وآله وَسَلَّمَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَا أَحْسَنَ وَجْهَكَ وَأَحْسَنَ خُلُقَكَ فَمَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ وَهَذِهِ صَلَاتُكَ الَّتِي كُنْتَ تُصَلِّي عَلَيَّ قَدْ وَفَّيْتُكَ أَحْوَجَ مَا تَكُونُ إِلَيْهَا

جب مومن کی نیکیاں کم ہوں گی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انگشت جتنا پرچہ نکالیں گے، (ایک روایت کے مطابق سفید رنگ کا پرچہ نکالیں گے) جسے میزان کے دائیں پلڑے میں رکھ دیں گے، جس میں اس مومن کی نیکیاں ہوں گی، جس سے اس کی نیکیوں والا پلڑا جھک جائے گا، یہ مومن بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہے گا، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں آپ کا چہرۂ مبارک کس قدر

خوبصورت ہے، آپ کے اخلاق کس قدر اچھے ہیں؟ آپ بتائیں کہ آپ ہیں کون؟ آپ ﷺ اس بندۂ مومن کو جواب دیں گے کہ میں تمہارا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ تیرا وہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر بھیجا کرتا تھا، میں نے آج تیری سب سے بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے جو تجھے تھی۔ (البسیط علامہ واحدی بحوالہ تفسیر کبیر) ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت کعب رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ يُوضَعُ الْمِيزَانُ بَيْنَ شَجَرَتَيْنِ عِنْدَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ (تفسیر درمنثور) میزان بیت المقدس کے قریب دو درختوں کے درمیان رکھی جائے گی۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ اور ابن جریر رحمہ اللہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ صَاحِبُ الْمَوَازِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَرُدُّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ فَيُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِ الظَّالِمِ فَتُرَدُّ عَلَى الْمَظْلُومِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ الْمَظْلُومِ فَرُدَّتْ عَلَى الظَّالِمِ (تفسیر درمنثور) قیامت کے دن صاحب میزان حضرت جبریل علیہ السلام ہوں گے، بعض لوگ آئیں گے تو ظالم سے نیکیاں لی جائیں گی اور مظلوم کو دی جائیں گی، اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر مظلوم کی برائیاں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی۔

نبی کریم ﷺ سے آپ ﷺ کے گھر کے لوگوں نے پوچھا کہ کیا قیامت کے دن لوگ اپنے گھر کے لوگوں کو یاد کریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین مقامات ایسے ہوں گے جہاں قیامت کے روز لوگ اپنے گھر کے لوگوں کا تذکرہ نہیں کریں گے وہ تین مقامات عِنْدَ الْمِيزَانِ وَعِنْدَ تَطَايُرِ الصُّحُفِ فِي الْأَيْدِي وَعِنْدَ الصِّرَاطِ (تفسیر درمنثور) میزان کے پاس، جب لوگوں کے نامۂ اعمال ہاتھوں میں اڑ رہے ہوں گے اور پلصراط کے قریب نہیں یاد کریں گے۔

بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ إِنَّ مَلَكًا مُوَكَّلٌ بِالْمِيزَانِ، فَيُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُوقَفُ بَيْنَ كِفَّتَيِ الْمِيزَانِ، فَإِنْ ثَقُلَ مِيزَانُهُ نَادَى الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ الْخَلَائِقُ: سَعِدَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ سَعَادَةً لَا يَشْقَى بَعْدَهَا أَبَدًا، وَإِنْ خَفَّ

مِيزَانُهُ نَادَى الْمَلَكُ: شَقِيَ فُلَانٌ شَقَاوَةً لَا يَسْعَدُ بَعْدَهَا أَبَدًا، فرشتے کو قیامت کے دن میزان سپرد کیا جائے گا پھر ایک بندے کو لایا جائے گا، اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، اگر اس کا میزان جھک جائے تو فرشتہ اس قدر اونچی آواز سے کہے گا جس کو مخلوق سن لے کہ فلاں بن فلاں نیک بخت ہو گیا ہے، اس کے بعد اس کے لیے کبھی بھی بد بختی نہیں ہے، اگر اس کا میزان کمزور پڑ جائے تو فرشتہ آواز دے گا کہ فلاں بن فلاں بد بخت ہو گیا ہے اس کے بعد کبھی بھی یہ نیک بخت نہیں ہو گا۔ (تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی)

امام حاکم رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا يُوضَعُ الْمِيزَانُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَو وُزِنَ فِيهِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ لَوَسِعَت فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ : يَا رَبِّ لِمَن يَّزِن هٰذَا فَيَقُولُ اللهُ :لِمَن شِئْتَ مِن خَلقِي فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ : سُبْحَانَكَ مَا عَبَدنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (حاکم بحوالہ تفسیر در منثور علامہ سیوطی) قیامت کے دن ترازو رکھی جائے گی، اگر آسمانوں اور زمینوں کو بھی اس میں تولا جائے تو گنجائش ہو گی، فرشتے پوچھیں گے، اے رب! یہ ترازو کن کا وزن کرے گی؟ اللہ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہوں گا اس کا وزن ہو گا، اس پر فرشتے اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا جس طرح تیری عبادت کا حق تھا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، یا حوض کوثر پر تلاش کرنا یا پھر میزان کے پاس تلاش کرنا، میں انہی تین جگہوں میں سے کسی ایک جگہ پر ہوں گا۔ (ترمذی)

ابن ابی الدنیا اور نمیری نے کتاب الاعلام میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام قیامت کے دن اللہ کے عرش کے قریب کھڑے ہوں گے، آپ دو سبز رنگ کے جوڑے زیب تن کیے ہوئے ہوں گے، وہ یہاں پر یہ دیکھ رہے ہوں گے کہ

میری اولاد میں سے کون کون جنت کی طرف جارہا ہے اور کون کون دوزخ کی طرف جارہا ہے، اسی دوران حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے ایک شخص کی طرف دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کی طرف لیجایا جارہا ہے تو آواز دیں گے، یا احمد! یا احمد! نبی کریم ﷺ یہ ندا سن کر جواب دیں گے، لبیک اے ابوالبشر! آدم علیہ السلام فرمائیں گے آپ کی امت کے اس آدمی کو دوزخ کی طرف لیجایا جارہا ہے، لہٰذا کمر کس لیجیے اور فرشتوں کے پیچھے پیچھے جایئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کہوں گا کہ اے اللہ کے فرستادو ٹھہر جاؤ۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم سخت فرشتے ہیں جس چیز کا ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے، ہم وہ کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ فرشتوں کی یہ گفتگو سن کر آپ ﷺ مایوسی کے عالم میں اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی داڑھی پکڑ لیں گے اور اپنا چہرۂ مبارک عرش کی طرف کرتے ہوئے عرض کریں گے، اے میرے رب! آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میری امت کے بارے میں مجھے پریشان نہیں کریں گے، عرش کے پاس سے اس آواز آئے گی أَطِيعُوا مُحَمَّدًا وَرُدُّوا هٰذَا الْعَبْدَ إِلَى الْمَقَامِ (کتاب الاعلام بحوالہ تفسیر در منثور) محمد ﷺ کی بات مان لو اور اس شخص کو اسی مقام کی طرف لوٹا دو۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپن تفسیر در منثور میں میزان سے متعلق بہت سی روایات جمع کی ہیں، یہاں مضمون طویل ہو گیا ہے، کسی موقع پر انہیں نقل کیا جائے گا۔

وزن اعمال: امام تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ سب روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ وَقَدْ يُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ هٰذِهِ الْآثَارِ بِأَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ كُلُّهُ صَحِيحًا، فَتَارَةً تُوزَنُ الْأَعْمَالُ، وَتَارَةً تُوزَنُ مَحَالُّهَا، وَتَارَةً يُوزَنُ فَاعِلُهَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، ان روایات کے درمیان تطبیق ممکن ہے، وہ اس طرح کہ یہ سارے طریقے ہو سکتے ہیں، کبھی وزن اعمال کیا جائے، کبھی نامۂ اعمال تولا جائے، کبھی ان اعمال کو سرانجام دینے والے کو تولا جائے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ وزن مختلف صورتوں سے کئی مرتبہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ پوری حقیقت ان معاملات کی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور عمل کرنے کے لئے اس حقیقت کا جاننا ضروری بھی نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہو گا، نیک اعمال کا پلہ ہلکا رہا تو عذاب کے مستحق ہوں گے، یہ دوسری بات ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو خود اپنے فضل و کرم سے یا کسی نبی یا ولی کی شفاعت سے معاف فرمادیں اور عذاب سے نجات ہو جائے۔

ایک روایت میں یہاں تک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ترازو کو کھڑا کریں گے، اس کے دو پلڑے ہوں گے اور اس کی زبان ہو گی، اس کے ذریعے بندوں کے اچھے برے اعمال تولے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں میزان کے لیے جمع کا لفظ موازین استعمال فرمایا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اعمال تولنے کے لیے ایک میزان نہیں ہو گا بلکہ بہت سے میزان ہوں گے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ دلوں کے افعال کے لیے الگ میزان ہوں گے، باقی اعضاء کے اعمال کے لیے الگ میزان ہوں گے، قول و قرار کے لیے الگ میزان ہوں گے۔ اہل ایمان کس قدر خوش نصیب ہیں کہ قیامت کے دن جب ان کے اعمال تولے جائیں گے اور وزن کی کمی کی صورت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کام آجائیں گے۔

جیسے ایک روایت میں ہے إِذَا خَفَّتْ حَسَنَاتُ الْمُؤْمِنِ أَخْرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وآلِهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُجْرَتِهِ بِطَاقَةً كَالْأُنْمُلَةِ فَيُلْقِيهَا فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ الْيُمْنَى الَّتِي فِيهَا حَسَنَاتُهُ فَتَرْجَحُ الْحَسَنَاتُ فَيَقُولُ ذٰلِكَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وآلِهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَا أَحْسَنَ وَجْهَكَ وَأَحْسَنَ خُلُقَكَ فَمَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ وَهَذِهِ صَلَاتُكَ الَّتِي كُنْتَ تُصَلِّي عَلَيَّ قَدْ وَفَّيْتُكَ أَحْوَجَ مَا تَكُونُ إِلَيْهَا

جب مومن کی نیکیاں کم ہوں گی تو رسول کریم ﷺ ایک انگشت جتنا پرچہ نکالیں گے، (ایک روایت کے مطابق سفید رنگ کا پرچہ نکالیں گے) جسے میزان کے دائیں پلڑے میں رکھ دیں گے، جس میں اس مومن کی نیکیاں ہوں گی، جس سے اس کی نیکیوں والا پلڑا جھک جائے گا، یہ مومن بندہ نبی کریم ﷺ کو کہے گا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں آپ کا چہرۂ مبارک کس قدر خوبصورت ہے، آپ کے اخلاق کس قدر اچھے ہیں؟ آپ بتائیں کہ آپ ہیں کون؟ آپ ﷺ اس بندۂ مومن کو جواب دیں گے کہ میں تمہارا نبی محمد ﷺ ہوں، اور یہ تیرا وہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر بھیجا کرتا تھا، میں نے آج تیری سب سے بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے جو تجھے تھی۔ (کبیر)

زمین میں ٹھکانے اور معاش کا تقاضا شکر

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ {۱۰} الاعراف

جواب ترجمہ: اور ہم ہی نے تمہیں زمین میں قابو دیا اور اس میں تمہارے لیے زندگی کے سامان بنائے، کم ہی تم شکر کرتے ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ اولاد آدم سے مخاطب ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے اولادِ آدم! ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا اور اس میں تمہارے لیے زندگی گزارنے کے اسباب مہیا کیے، تمہیں اس نعمت کو سامنے رکھتے ہوئے شکر کرنا چاہیے تھا مگر تم نے اس کے برعکس کیا، تم میں تھوڑے لوگ ہی شکر گزار ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ{۱۱}قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ{۱۲}قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ{۱۳}قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ{۱۴}قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ{۱۵}قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ{۱۶}ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ{۱۷}قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ{۱۸}وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ{۱۹}فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ{۲۰}وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ{۲۱}فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ{۲۲}قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ{۲۳}قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ{۲۴}قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ{۲۵} الأعراف

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو پیدا کیا کیچڑ سے۔ فرمایا پس تو یہاں سے اتر جا، سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو تو نکل جا! بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔

فرمایا بیشک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی۔ وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لیے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ضرور آؤں گا اس کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور بائیں جانب سے، اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔

فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر، اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو جاؤ گے تباہ کار۔

پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ ان دونوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کر دے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لیے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔

سو فریب دے کر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔

اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ وہ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ فرمایا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک۔ فرمایا تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

تفسیر: ابلیس نے جو وجہ بتائی سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت

سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جاسکتا۔ تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے۔ ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کہ اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح پھونکی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں، نرم ہونا، حامل مشقت ہونا، دوسروں کا بوجھ سہنا، چیزوں کو اگانا، بڑھانا، پرورش کرنا، اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا، جلا دینا، بے چینی پھیلانا، پھونک دینا، اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کی معذرت کی، اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ رب کے احکام کو تسلیم کیا، اپنے گناہ کا اقرار کیا، رب سے معافی چاہی، بخشش کے طالب ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں، ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے (مسلم) شیطان نے ایک چیز کو دوسری چیز پر غلط طور پر قیاس کیا، جسے قیاس فاسد کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قیاس فاسد کا موجد شیطان ہے، قیاس فاسد کی مذمت کی گئی ہے، جب کہ احادیث سے قیاس صحیح کی مدح و تعریف کی گئی ہے، جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر روانہ کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چند چیزیں پوچھیں تو ان کے تسلی بخش جواب دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیاس و اجتہاد کی تعریف فرمائی تھی۔

أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ {} قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ: شیطان اور انسان کے درمیان لڑائی کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ شیطان نے اللہ سے

عرض کی کہ مجھے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دے دے، اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس درخواست پر فرمایا کہ تجھے مہلت دے دی گئی ہے۔

شیطان کیسے ورغلاتا ہے؟ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ: الخ

(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان کو (گمراہ کرنے) کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا۔ (اور ان کی راہ ماروں گا) تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائیگا۔ شیطان انسان کو سیدھے راستے سے ہٹاتا ہے، جس اسلام پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس سے اسے روکتا ہے، انسان کے پاس تمام اطراف سے آکر حملہ آور ہوتا ہے، ہر جانب اور سمت کو اختیار کرتے ہوئے انسان کے پاس آتا ہے، سامنے سے حملہ کرتا ہے، پیچھے سے حملہ کرتا ہے، دائیں اور بائیں سے انسان پر وار کرتا ہے، انسان کو اس طرح گھیرتا ہے کہ اس کے لیے کوئی جائے فرار نہیں رہتی، انسان کو راہ حق سے روکتا ہے، باطل کو اس کے لیے مزین کرتا ہے، برائی کو اس کے لیے سنوارتا اور سجاتا ہے، اسے دنیا کی طرف راغب کرتا ہے، آخرت کی زندگی کے بارے میں شکوک اور شبہات اس کے دماغ میں ڈالتا ہے، قرآن کریم میں اسی اغواکاری کی ایک جھلک بیان کی گئی ہے۔

ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی اس کی اولاد کی راہ ماروں گا اور نجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا تیری توحید سے بہکا کر تیری عبادت سے سب کو ہٹادوں گا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ فبما میں با قسم کے لئے ہے یعنی مجھے قسم ہے میں اپنی بربادی کے مقابلہ میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کیلئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے اور اپنے باپ

دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے۔ اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کرلیتا ہے۔

ہجرت کی راہ سے روکنے کیلئے آڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین و آسمان سے الگ ہوتا ہے؟ غربت و بے کسی کی زندگی اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے۔

پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے۔ اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا، پھر تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی، تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں۔

اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شبہ پیدا کرنا ہے۔ دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا۔ دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے شیطانوں کا یہی کام ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں ان کی دنیا و آخرت، نیکیاں بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا وہ سامنے سے آکر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں۔ وہ پشت کی جانب سے آکر کہتا ہے دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے وہ دائیں سے آکر کہتا ہے خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے۔ وہ بائیں سے آکر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں پس ہر طرف سے آکر ہر طرح بہکاتا ہے ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آسکتا۔ اللہ کے بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کو روک نہیں بن سکتا۔ پس سامنے یعنی دنیا اور پیچھے یعنی آخرت اور دائیں یعنی اس طرح دیکھیں اور بائیں یعنی اس طرح نہ دیکھ سکیں یہ اقوال سب ٹھیک ہیں۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور سر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے، اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں وہ سمت رحمت رب کے آنے کیلئے خالی ہے اور وہاں شیطان کی روک نہیں۔

وہ کہتا ہے کہ اکثروں کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ الخ یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی مگر ہاں ہم صحیح طور سے ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے۔ تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیطان کا اللہ کی قسم کھا کر دھوکہ دینا: وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ: شیطان نے ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں، جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم علیہ السلام و حوا کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمہیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اس لئے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر ہی یہ ہے جو اسے کھالیتا ہے، وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا، جس سے حضرت آدم علیہ السلام و حوا متاثر ہو گئے اس لئے اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ (تفسیر مکہ)

اتباع شیطان کا انجام: فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْءَاتُهُمَا: جب شیطان نے دونوں کو دھوکے میں ڈالا، انہیں ورغلایا تو اس کے بعد ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا جس کے قریب جانے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا، جب ان دونوں نے اس سے کھایا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں، پھر اللہ نے جس چیز کو پھل کھانے سے پہلے ڈھانپا تھا وہ کھل گئی، اس کے بعد انہوں نے جنتی درخت کے پتے اپنی شرم گاہوں پر چسپاں کرنے شروع کر دیے، ایسے میں

اللہ نے انہیں آواز دی کہ میں نے تم دونوں کو منع نہیں کیا تھا کہ اس درخت سے تم نے نہیں کھانا، میں نے تم دونوں سے نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ؟ یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ شرم گاہ کا کھل جانا کوئی معمولی کام نہیں ہے، یہ بڑے کاموں میں سے ہے، اس کا کھل جانا انسانی طبیعتوں میں اچھا کام نہیں ہے اور نہ انسانی عقلوں میں اسے درست سمجھا جاسکتا ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے، درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا نظر ہی نہ پڑی تھی۔ لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہوگئی، بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے، کہنے لگے اے درخت ! مجھے چھوڑ دے درخت سے جواب ملا کہ ناممکن ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم ! مجھ سے بھاگ رہا ہے ؟ کہنے لگے یا اللہ ! شرمندہ ہوں شرمسار ہوں۔ (تفسیر طبری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، درخت کا پھل کھالیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہوگئی، جنت کے پتوں سے چھپانے لگے، ایک کو ایک پر چپکانے لگے، حضرت آدم علیہ السلام مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں۔ جناب باری نے فرمایا آدم جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا کیا وہ تجھے کافی نہ تھا ؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا بیشک کافی تھا لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔ چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا، اب اس کشادگی کے بعد کی یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری کھانے پینے کو ترس گئے، پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی، کھیتی کا کام بتایا گیا، آپ علیہ السلام نے زمین صاف کی دانے بوئے، وہ آگے بڑھے، بالیں نکلیں، دانے پکے، پھر توڑے گئے، پھر پیسے گئے، آٹا گوندھا، پھر روٹی تیار ہوئی، پھر کھائی جب جاکر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ (طبری)

تین کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے، وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضا چھپے ہوئے تھے، لغزش کا صدور ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے۔

حضرت آدم علیہ السلام اسی وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے، بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی۔ اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کی طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائی۔

مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت کھالیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تونے اس درخت سے کیوں کھایا؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ مجھے حواء نے کہا تھا کہ کھاؤ، چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہے گی بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائے گی، یہ سنتے ہی حضرت حواء نے ایک چیخ ماری، حکم ہوا کہ یہی چیخ تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دی گئی ہے۔

اللہ نے حواء سے پوچھا کہ تونے اسے کیوں کھلایا؟ حضرت حوا نے کہا کہ مجھے سانپ نے کہا تھا کہ اس کو کھلاؤ۔ اللہ نے سانپ سے پوچھا تونے اسے کیوں کہا تھا؟ سانپ نے کہا کہ مجھے شیطان نے حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء سے فرمایا کہ جس طرح تونے اس درخت کا خون کیا اسی طرح ہر چاند پر تو بھی خون آلود ہو گی، سانپ تجھے یہ سزا ہے کہ تجھے ٹانگوں سے محروم کیا جاتا ہے جن پر تو چلتا ہے، تو سر کے بل چلے گا، جو تجھے ملے گا وہ تیرے سر کو پتھر کے ساتھ کچلے گا۔

زمین پیدائش سے بعثت تک: قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ: فرمایا اس میں تمہارا جینا ہو گا اور اسی میں تمہارا مرنا اور اسی میں قیامت کے دن زندہ نکالے جاؤ گے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہ ہی زمین ہے، اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اس سے اوپر اٹھالیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مر جائے وہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ (الاعراف

:۵۲)کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ (طٰہٰ:۵۵)جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں ان کو فیھا نعید کم الخ میں کیسے داخل کیا جائے گا معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوئے۔(تفسیر عثمانی)

حضرت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ يُخْبِرُ تَعَالَى أَنَّهُ يَجْعَلُ الْأَرْضَ دَارًا لِبَنِي آدَمَ مُدَّةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، فِيهَا مَحْيَاهُمْ وَفِيهَا مَمَاتُهُمْ وَقُبُورُهُمْ، وَمِنْهَا نُشُورُهُمْ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ الَّذِي يَجْمَعُ اللهُ فِيهِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَيُجَازِي كُلًّا بِعَمَلِهِ(تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ میں نے زمین کو اولاد آدم کے لیے تاحیات گھر بنایا ہے، اسی میں ان کو زندہ رہنا ہے، اس میں ان کو مرنا ہے، اسی میں ان کی قبریں بنیں گی، اسی سے انہیں قیامت کے دن اٹھنا ہے، یہ وہ مقام ہے جس میں اللہ نے پہلوں اور بعد والوں کو جمع کیا ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔

لباس تقویٰ سے کیا مراد ہے؟

سوال ایمان والے لوگوں کے لیے کون سا لباس بہترین ہے؟ آیت کی روشنی میں بتایئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ{۲۶} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اے آدم علیہ السلام کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوے کا لباس اس سے بڑھ کر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی۔ لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ اول تو ضروریات زندگی سے ہے اور ثانی زیادتی ہے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ریاش اثاث اور ظاہر لباس کو کہا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ریش کے معنی مال کے بھی ہیں، لباس کے ہیں اور ظاہری نعمتوں کے بھی ہیں۔ عبدالرحمان بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ریاش خوبصورت کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جبکہ گلے تک پہن لیا تو یوں دعا کی **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی كَسَانِی مَا أُوَارِی بِهِ عَوْرَتِی، وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِی حَيَاتِی**، پھر فرمانے لگے میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے پھر پرانا کپڑا راہ للہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں ہے، اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی (مسند احمد)

مسند احمد میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم کا خریدا اور اسے پہنا جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا پڑھی **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی رَزَقَنِی مِنَ الرِّيَاشِ مَا أَتَجَمَّلُ بِهِ فِی النَّاسِ، وَأُوَارِی بِهِ عَوْرَتِی** یہ دعا سن کر آپ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

لباس التقوی کی دوسری قرأت لباس التقوی سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے مبتدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں **هُوَ مَا يَلْبَسُهُ الْمُتَّقُونَ يَوْمَ القيامة** (ابن ابی حاتم) اس سے مراد قیامت کے دن پرہیز گاروں کو جو لباس عطا ہو گا وہ ہے۔

ابن جریج رحمہ اللہ کا قول ہے {وَلِبَاسُ التَّقْوَى} الْإِيمَانُ لباس تقوی ایمان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں {وَلِبَاسُ التَّقْوَى}] الْعَمَلُ الصَّالِحُ لباس تقویٰ سے مراد عمل صالح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ لباس تقویٰ سے مراد هُوَ السَّمْتُ الْحَسَنُ فِي الْوَجْهِ وہ خوبصورت ہئیت ہے جو انسان کے چہرے میں ہوتی ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ {لِبَاسُ التَّقْوَى} خَشْيَةُ اللهِ لباس التقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ {لِبَاسُ التَّقْوَى} يَتَّقِي اللهَ، فَيُوَارِي عَوْرَتَهُ، فَذَاكَ لِبَاسُ التَّقْوَى، اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے۔ یہ کل اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور باہم یک دیگر قریب قریب ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبوی پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کتوں کے مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَا عَمِلَ أَحَدٌ قَطُّ سِرًّا إِلَّا أَلْبَسَهُ اللهُ رِدَاءَ عَلَانِيَةً، إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر علانیہ ڈال دے گا اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اس سے مراد خوش خلقی ہے۔

شیطان سے خبردار رہنے کی نصیحت

سوال اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو شیطان رجیم سے خبردار رہنے کے لیے کیا نصیحت فرمائی ہے، آیت کی روشنی میں بتائیں؟

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۲۷} الأعراف

جواب ترجمہ: اے بنی آدم دیکھنا کہیں شیطان تمہیں بہکانہ دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیئے تا کہ ان کے ستر ان کو کھول دکھائے وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

تمام انسانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدم کو خوشی کے گھر سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا ان کی پردہ دری کی۔ پس تمہیں اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہیے۔ جیسے فرمان ہے

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (۵۰) الکہف

کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔ (سورۃ الکہف)

اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ {۲۸} قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۡ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ {۲۹} فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

{۳۰}الاعراف

جواب ترجمہ: اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ فرما دیجیے! کہ بیشک اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بیشک وہ راہ راست پر ہیں۔

مشرکین جب شرک اور فحش اعمال کا ارتکاب کرتے تھے تو اس کا عذر یہ پیش کرتے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کو جھٹلا دیا کہ وہ فحاشی کا حکم نہیں دیتا بلکہ عدل، اخلاص اور خالص عبادت کا حکم دیتا ہے، اللہ نے واضح فرمایا کہ قیامت میں اسی طرح دوبارہ اٹھائے جاؤ گے جیسے پہلی مرتبہ پیدا کیے گئے تھے، انسان دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ایک وہ جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور دوسرا وہ جن پر گمراہی ثابت ہو چکی، کیونکہ انہوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو اپنا سرپرست بنالیا، حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔

نماز کے لیے زیب وزینت اختیار کرنے کا حکم

سوال قرآن کریم کی اس آیت میں خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا کیا مطلب ہے؟

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْٓا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ{۳۱} الأعراف

جواب ترجمہ: اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاؤ کہ خدا بیجا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے عرب جیسا کہ بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرنے کو صحیح عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے اسی طرح ان میں یہ رسم بھی تھی کہ ایام حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے، صرف اتنا کھاتے تھے جس سے سانس چلتا رہے، خصوصاً گھی، دودھ اور پاکیزہ غذاؤں سے بالکل اجتناب کرتے تھے (ابن جریر)

ان کے اس بیہودہ طریقہ کار کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ ننگے ہو کر طواف کرنا بے حیائی اور سخت بے ادبی ہے، اس سے اجتناب کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی پاکیزہ غذاؤں سے بلاوجہ اجتناب کرنا بھی دین کی بات نہیں بلکہ اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا گستاخی اور عبادت میں حد سے تجاوز کرنا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے، اس لئے ایام حج میں خوب کھاؤ پیو، ہاں اسراف نہ کرو، حلال غذاؤں سے بالکل اجتناب کرنا بھی اسراف میں داخل ہے، اور حج کے اصل مقاصد اور ذکر اللہ سے غافل ہو کر کھانے پینے ہی میں مشغول رہنا بھی اسراف میں داخل ہے۔

یہ آیت اگرچہ جاہلیت عرب کی ایک خاص رسم عریانی کو مٹانے کے لئے نازل ہوئی ہے جس کو وہ طواف کے وقت بیت اللہ کی تعظیم کے نام پر کیا کرتے تھے، لیکن ائمہ تفسیر اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی حکم کے کسی خاص واقعہ میں نازل ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ حکم اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے جو چیزیں ان الفاظ کے عموم میں شامل ہوتی ہیں سب پر یہی حکم عائد ہوتا ہے۔

نماز میں ستر پوشی فرض ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اسی لئے اس آیت سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے کئی احکام نکالے ہیں، اول یہ کہ اس میں جس طرح ننگے طواف کو منع کیا

گیا ہے، اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ، اس کے علاوہ خود اسی آیت میں جب کہ لفظ مسجد سے جمہور مفسرین کے نزدیک مراد سجدہ ہے، تو بحالت سجدہ عریانی کی ممانعت خود آیت میں صراحت سے آجاتی ہے، اور جب سجدہ میں ممنوع ہوئی تو رکوع اور قیام و قعود اور نماز کے تمام افعال میں اس کا لازم ہونا ظاہر ہے۔ پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات نے اس کو اور بھی واضح کر دیا، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے جائز نہیں (ترمذی)

اور نماز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی ستر پوشی کا فرض ہونا دوسری آیات و روایات سے ثابت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ستر پوشی انسان کے لئے پہلا انسانی اور اسلامی فرض ہے جو ہر حالت میں اس پر لازم ہے نماز اور طواف میں بدرجہ اولیٰ فرض ہے۔

دوسرا مسئلہ اس آیت میں یہ ہے کہ لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا ہے کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق لباس پہنتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ، معلوم ہوا کہ اس آیت سے جیسا کہ نماز میں ستر پوشی کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح بقدر استطاعت صاف ستھرا اچھا لباس اختیار کرنے کی فضیلت اور استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ کے دن اور عید کے دن اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لئے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے، یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے، جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سفید کپڑے پہنو وہ تمہارے تمام

کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو، سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔

سنن کی ایک اور حدیث میں ہے سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک چادر ایک ہزار کی خریدی تھی نمازوں کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر نماز کی ادائیگی کے وقت تم ایسی حالت میں ہو کہ تم نے مشروع زینت اختیار کی ہوئی ہو، تم نے ایسا لباس پہن رکھا ہو جس سے نہ صرف یہ کہ تمہاری شرم گاہیں، تمہارے ستر ڈھانپے ہوئے ہوں بلکہ وہ صاف ستھرا بھی ہو اور پاک بھی ہو۔

حلال چیز کو کون حرام قرار دے سکتا ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ{۳۲} الأعراف

جواب ترجمہ: پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیں اس کو حرام کس نے کیا ہے کہہ دو یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہیں کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح خدا اپنی آیتیں سمجھنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان جاہل مشرکوں سے کہہ دیں کہ اللہ نے جس لباس کو تمہارے لیے زیب وزینت اختیار کرنے کا ذریعہ بنایا اس خوبصورت لباس کو تم پر کس نے

حرام قرار دیا ہے؟ کس نے تم پر اللہ تعالیٰ کے حلال اور پاکیزہ رزق سے نفع اٹھانے کو حرام قرار دیا ہے؟ اے میرے نبی ﷺ آپ ان مشرکوں کو فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو لباس حلال قرار دیے ہیں، جو کھانے اور پینے کی اشیاء ہیں وہ اہل ایمان کا دنیا میں حق ہے، اس میں ان کے علاوہ لوگ بھی شریک ہیں، مگر قیامت کے دن ان چیزوں پر خالص انہی ایمان والوں کا حق ہو گا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حلال نعمتوں، چاہے وہ لباس ہوں یا کھانے پینے کی چیزیں، کو بلا کسی صحیح دلیل کے بلکہ صریح دلائل کے خلاف حرام قرار دیتے ہیں، ان سے کہہ دیا جائے کہ بتاؤ: اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ چیزیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے اور استعمال کے لیے بنائی ہیں، آخر کس کے اختیار میں ہے کہ انہیں حلال یا حرام ٹھہرائے؟ حلال و حرام کا فیصلہ کرنا تو صرف اس ذات کا حق ہے جو خالق بھی ہے اور مالک بھی، کسی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی طرف سے حدود مقرر کرے۔

قرآنِ مجید نے لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو اللہ کی نعمت اور عطیہ قرار دیا ہے، اس پر منکرین کو یہ شبہ لاحق ہو سکتا ہے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے تو یہ نعمتیں ہمیں کیوں ملتیں؟ اس غلط فہمی کی اصلاح یوں کی گئی کہ دنیا میں نعمتوں کا مل جانا اللہ کی رضا کی قطعی دلیل نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور اطاعت کے بغیر ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کے لیے یہی نعمتیں آخرت میں وبال اور عذاب کا سبب بن جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پاکیزہ نعمتیں دنیا میں حقیقی طور پر اہلِ ایمان ہی کے لیے ہیں، اور قیامت کے دن تو بالکل خالص اور ہر طرح کے عذاب و کدورت سے پاک ہو کر انہی کے حصے میں آئیں گی، رہے وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ان نعمتوں سے لطف تو اٹھایا مگر شکر اور فرمانبرداری کا حق ادا نہ کیا، تو یہی چیزیں وہاں ان کے لیے باعثِ گرفت بن جائیں گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اہلِ فہم کے لیے کھول کھول کر واضح فرماتا ہے۔

وہ چیزیں جو حرام قرار دی گئی ہیں

سوال اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر کیا چیزیں حرام قرار دی ہیں؟ اس آیت کی روشنی میں بتایئے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ {۳۳} الأعراف

جواب ترجمہ: آپ ان سے کہیے کہ میرے پروردگار نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں، بے حیائی کے کام خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور گناہ کے کام اور ناحق زیادتی اور یہ کہ تم اللہ کے شریک بناؤ جس کے لیے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگادو جن کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جو چیزیں حرام قرار دی ہیں وہ قبیح اور برے اعمال ہیں چاہے وہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ ہوں، جیسے سارے گناہ اللہ نے حرام قرار دیے ہیں، ان میں سب سے بڑا گناہ لوگوں پر زیادتی کرنا ہے، اسی طرح غیر اللہ کی عبادت کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اللہ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی کوئی دلیل نازل نہیں کی اس لیے ایسا کرنے والے کے پاس اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ اس کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جائے جس کی اس کی طرف سے اجازت نہیں ہے، وہ بات افترا اور جھوٹ ہے، جیسے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اسی طرح اللہ کی طرف سے بعض لباس حرام قرار دیے گئے ہیں، اسی طرح اللہ کی طرف سے بعض کھانے کی چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں۔

لفظ اثم کے تحت وہ تمام گناہ آگئے جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے، اور بَغْی میں وہ گناہ جن کا تعلق دوسروں کے معاملات اور حقوق سے ہو اور شرک اور افتراء علی اللہ یہ عقیدہ کا گناہِ عظیم ظاہری ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

اعلانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی گرل فرینڈ سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے، بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محرموں

سے نکاح کرنا ہے جو ممنوع ہے، اس میں ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے، جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹیوی، وی سی آر فحش اخبارات ورسائل، رقص وسرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط، مہندی اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہرہ وغیرہ یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ (تفسیر مکہ)

ہر امت کا وقت مقرر، اہل ایمان اور اہل کفر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ {۳۴} يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ {۳۵} وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ {۳۶} الاعراف

جواب ترجمہ: اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ سو جب ان کی اجل آگئی تو اس سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہوں گے۔ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ :الخ ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مقررہ مدت اور طے شدہ مہلت رکھی ہے، جو نہ ایک لمحہ آگے بڑھتی ہے نہ پیچھے ہٹتی ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ :الخ جب انسانوں کی طرف انہی میں سے رسول آتے ہیں اور اللہ کی آیات سناتے ہیں تو نجات انہی کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کریں اور اپنے اعمال درست رکھیں؛ ایسے لوگوں کے لیے قیامت میں نہ خوف ہوگا نہ غم۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ :الخ اہل ایمان وایقان کے برعکس جو لوگ آیاتِ الٰہی کو جھٹلاتے اور تکبر کے ساتھ رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے مستحق ہوں گے۔

نصیب کا لکھا ملتا رہے گا

سوال اس آیت کریمہ میں يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ سے کیا مراد ہے؟

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ {۳۷} الأعراف

جواب ترجمہ: تو اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جان نکالنے آئیں گے تو کہیں گے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے وہ اب کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے ہمیں معلوم نہیں کہ وہ ہم سے کہاں غائب ہو گئے اور اقرار کریں گے کہ بیشک وہ کافر تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیتوں کو جھوٹا سمجھے، انہیں ان کا مقدر ملے گا اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہو گی، ان کے منہ کالے ہوں گے، ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا، اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر، عمل، رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ دنیا میں تو ملے گا، یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (النحل) ہے کہ اللہ پر جھوٹ باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے۔

گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھالیں لیکن آخر کار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے، اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے، ایک آیت میں ہے کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو، ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہو گا، پھر فرمایا کہ ان کی روحوں کو قبض کرنے کیلئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچالیں، آج وہ کہاں ہیں؟ تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھوئے گئے، ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس مقام پر **نصیبھم** پر بہ نسبت دوسرے مفسرین کے قدرے تفصیل سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس نصیب کے معنیٰ اور مراد میں اختلاف پایا جاتا ہے، دو قول ہیں، ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے، مطلب یہ کہ انہیں یہ مقررہ عذاب پہنچے گا، جو اللہ نے ان کے حصے کا کتاب میں لکھا ہے، پھر اس مقررہ عذاب کے مفہوم میں اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد چہرے کی سیاہی اور آنکھوں کی پیلاہٹ ہے، اس پر سورۃ الزمر کی آیت دلیل ہے کہ قیامت کے دن تو ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا (سورۃ الزمر ٦٠) زجاج نے سورۃ اللیل میں موجود ناراً تلظیٰ سے بھی یہی مراد لیا ہے، سورۃ الجن میں یسل کہ عَذَابًا صَعَدًا سے بھی یہی مراد ہے، اسی طرح سورۃ غافر میں جن بیڑیوں اور طوقوں کا ذکر ہے اس سے بھی یہی مراد ہے، یہ ساری چیزیں لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں، جو ان کے کفر اور گناہوں کی بقدر ان کے حصے میں لکھی گئی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس نصیب سے مراد عذاب کے علاوہ کوئی چیز ہے، اس میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، کہ جب وہ ہماری ذمہ داری میں ہوں تو ہمارے لیے یہ ہے کہ ان پر کوئی زیادتی نہ ہونے دی جائے، انہیں انصاف دیا جائے، ان کا دفاع کیا جائے، تو یہاں یہی معنیٰ ہے نَصِيبٌ مِّنَ الْكِتَابِ کا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے جو حکم اللہ کی مشیت میں گزر چکا ہے، سعادت مندی اور بد بختی کا، اگر اللہ نے ان کے لیے یقینی بد بختی کا فیصلہ کر دیا تو انہیں وہ کفر پر باقی رکھے گا، اگر ان کے لیے یقینی سعادت مندی کا فیصلہ کر دیا تو انہیں ایمان اور توحید کی طرف پھیرے گا۔

ربیع کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کے لیے جو رزق، اعمال، عمریں لکھ دی ہیں، جب یہ ختم ہو جائیں گی، جب یہ کٹ جائیں گی، جب وہ ان سے فارغ ہو جائیں گے تو ان کے پاس ہمارے فرستادے آئیں گے جو ان کی روحیں قبض کر لیں گے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ یہ اختلاف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ نصیب مجمل ہے، مجمل ہونے کی وجہ سے یہ لفظ ان تمام توجیہات کا احتمال رکھتا ہے، بعض محققین کہتے ہیں کہ نصیب کو عمر اور رزق پر محمول کرنا یہ زیادہ بہتر ہے۔

جہنم میں پیشواؤں اور پیروکاروں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ {۳۸} وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ {۳۹} الاعراف

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گزریں۔ جب ایک جماعت داخل ہو گی تو اپنی جیسی

دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو۔ اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ سو چکھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ :الخ قیامت کے دن فرشتے مشرکین سے کہیں گے کہ تم بھی ان گمراہ جنّ وانس کی امتوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے کفر پر مر چکی ہیں، جب بھی کوئی نئی جماعت جہنم میں داخل ہو گی تو وہ اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں پر لعنت کرے گی، آخر کار جب سب جمع ہو جائیں گے تو پیروکار اپنے سرداروں اور پیشواؤں سے شکایت کریں گے کہ انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا ان پر دوہرا عذاب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب کے لیے عذاب دوہرا ہے، مگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ :الخ پھر گمراہ کرنے والے سردار اپنے پیروکاروں سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، ہر ایک اپنے کیے کا بدلہ پائے گا، اس لیے تم بھی اپنے اعمال کے سبب اسی عذاب کا مزہ چکھو جو ہمیں دیا گیا ہے۔

کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

سوال اس آیت مبارکہ میں حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ کا کیا مطلب ہے؟

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ {۴۰} الأعراف

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی، ان کیلئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے اور گناہ گار کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اہلِ علم و عرفاں کے مشاہدہ و مطالعہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کفار کے لیے وعید بیان کی ہے، اس سے پہلے فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے اور تکبر کرتے ہیں یہ دوزخی لوگ ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، پھر اللہ نے ان کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جھٹلانے والے اور تکبر کرنے والے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، جنہوں نے اصول الدین کو ثابت کرنے والے دلائل کو جھٹلایا ہے، دھریہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو ثابت کرنے والے دلائل کا انکار کیا، مشرکین توحید کے دلائل کے منکر ہیں، منکرین نبوت صحت نبوت پر دلالت کرنے والے دلائل کے منکر ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے منکرین ان دلائل کا انکار کرتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت کے درست ہونے پر دلالت کرتے ہیں، آخرت کے منکرین ان دلائل کا انکار کرتے ہیں جو آخرت کے درست ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جس میں اللہ نے فرمایا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ان تمام معانی کو شامل ہے، استکبار کا لفظ باطل کے ساتھ سربلندی طلب کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے، جو انسان کے حق میں مذموم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کی جس مقام پر سورۃ القصص میں مذمت کی ہے وہاں استکبر ماضی کا صیغہ استعمال فرما کر اس کی اس مذموم صفت کا ذکر کیا ہے۔

آیت مبارکہ میں یلج کا لفظ ہے، یہ ولوج سے ہے، ولوج عربی زبان میں داخل ہونے اور تنگ جگہ میں گھسنے کو کہا جاتا ہے، جمل کا معنیٰ ہے اونٹ، سم سین کے فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے، اس کا معنیٰ ہے سوئی کا ناکہ یا سوئی کا روزن، سوئی کا سوراخ، علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ نے سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، صاحب کشاف کہتے ہیں کہ سین پر تینوں حرکات پڑھ سکتے ہیں، انسانی بدن میں ہر

باریک ولطیف سوراخ کو سم کہا جاتا ہے، اس کی جمع سموم آتی ہے، زہر کو بھی عربی میں سم کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ لطیف ہونے کے باعث بدن کے مسام میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ انسانی دل تک پہنچ جاتا ہے۔

خیاط اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کوئی چیز پروئی جائے یا سی جائے، علامہ فراء کہتے ہیں کہ خیاط بمعنیٰ محیطٌ کے ہے، یعنی سینے پرونے کا آلہ، جیسے ازار مئزر یعنی ازار بند ڈالنے کا آلہ، لحاف بمعنی ملحف اوڑھنے کی چیز کے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سارے حیوانات کو چھوڑ کر یہاں اونٹ کا ذکر فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک اونٹ جسامت کے لحاظ سے سارے جانوروں سے بڑا جانور ہے، ایک عربی شاعر نے اپنے شعر میں اونٹ کی جسامت کا یوں ذکر کیا ہے جِسْمُ الْجِمَالِ وَأَحْلَامُ الْعَصَافِيرِ فَجِسْمُ الْجَمَلِ أَعْظَمُ الْأَجْسَامِ، اونٹ کا جسم اور چڑیوں کے خواب، پس اونٹ کا جسم تمام اجسام میں بڑا ہے۔

سوئی کے ناکے اور روزن کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ تمام سوراخوں میں سب سے زیادہ تنگ ہوتا ہے، اونٹ کا اس تنگ ترین سوراخ میں گھسنا اور داخل ہونا محال ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کافروں اور منکروں کے جنت میں داخل ہونے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے، کہ اگر اونٹ سوئی کے ناکے اور روزن سے اندر داخل ہو گیا تو یہ کافر اور منکر بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے، اگر اونٹ اس باریک ترین، تنگ ترین سوراخ سے اندر نہیں جا سکتا تو یہ کافر اور منکر بھی جنت میں نہیں جا سکتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں جمل کا تلفظ جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنیٰ وہ رسی جس کے ساتھ کشتیوں کو باندھا جاتا ہے، ظاہ رہے کہ جس رسے کے ساتھ کشتیوں کو باندھا اور قابو کیا جاتا ہے وہ رسا بھی سوئی کے ناکے اور سوراخ سے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمل اس رسی کو کہا جاتا ہے جسے باندھ کر شہد کی مکھی کے چھتے کی طرف چڑھا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس طرح کسی بھی رسی کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح کافر کا جنت میں داخل ہونا محال ہے، کافر کے لیے اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ اسے دوزخ میں ڈالنا ہے، اور اس کو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے، وہیں اس کو جلنا اور سڑنا ہے۔

دوزخیوں کا اوڑھنا اور بچھونا

سوال دوزخ والوں کا اوڑھنا بچھونا کیا ہو گا؟ آیت کریمہ کی روشنی میں واضح کریں۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ {۴۱} الأعراف۔

جواب ترجمہ: ان کے لئے بچھونا بھی جہنم کا ہو گا اور اوپر سے اوڑھنا بھی جہنم کا اور ہم ظالموں کو ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اہل جہنم کی بد قسمتی کا عالم یہ ہو گا کہ انہیں کسی پل چین کی زندگی وہاں بھی میسر نہیں آئے گی، دنیا میں وہ عیش و مستی کی زندگی گزارتے رہے، اتراتے اور اکڑتے رہے، اللہ کا انکار کرتے اور اس کی آیات اور اس کی تعلیمات کا تمسخر اڑاتے رہے، مآل کار انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جہاں پینے کے لیے ٹھنڈا پانی نہیں، ہوا جھلنے کے لیے کوئی ائر کولنگ سسٹم نہیں، سونے اور آرام کرنے کے لیے کوئی اے سی والے کمرے نہیں، وہاں ان کا وہ بدن جو دنیا میں نرم و نازک گدیلوں پر سویا کرتا تھا آج آگ کے انگاروں پر لوٹ پوٹ ہو رہا ہو گا، نیچے بچھونے بھی آگ کے، دھکتے اور چڑی ادھیڑتے انگارے، اوپر لحاف اور کمبل بھی آگ کے، یونہی سمجھ لیا جائے کہ وہ ہر طرف سے آگ کے اندر ہوں گے، پہلو بھی پلٹیں تو آگ کی طرف پلٹیں گے، کسی پل سکون اور آرام نہیں پا سکتے۔

اہل جنت و اہل جہنم کا مکالمہ اور ظالموں پر لعنت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ {۴۲} وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۴۳}وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ {۴۴}الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ {۴۵}الاعراف

جواب ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت ہو گی ہم اسے نکال دیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے۔ اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی ان اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ :الخ ایمان لانے والے اور اپنی استطاعت کے مطابق نیک اعمال کرنے والے جنت کے مستحق ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔ ایسے لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ :الخ جنت میں داخلے کے بعد اللہ ان کے دلوں سے ہر قسم کا کینہ اور بغض نکال دے گا، اور ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کریں گے کہ اسی نے انہیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ وہ اپنی کوشش سے

اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ اس حقیقت کا اقرار کریں گے کہ اللہ کے رسول حق لے کر آئے تھے اور ان کے وعدے سچے ثابت ہوئے، آخر کار انہیں پکار کر بتایا جائے گا کہ یہ وہی جنت ہے جس کا دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، اور یہ انہیں ان کے خالص نیک اعمال کے بدلے عطا کی گئی ہے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ :الخ ان آیات میں جنت اور جہنم میں داخل ہو جانے کے بعد اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہونے والا مکالمہ بیان ہوا ہے، اہلِ جنت، اہلِ جہنم کو پکار کر کہیں گے کہ ہم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا اور جنت میں داخل کر دیے گئے، کیا تم نے بھی اپنے رب کے عذاب کے وعدے کو سچا پایا؟

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا :الخ اہلِ جہنم اقرار کریں گے کہ واقعی ہم نے عذاب کو حق پایا۔ اس پر ایک منادی اعلان کرے گا کہ اللہ کی لعنت ان ظالموں پر ہے جنہوں نے دنیا میں اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے ہونے کے باوجود ان سے منہ موڑا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی اللہ کے راستے سے ہٹتے رہے اور دوسروں کو بھی اس سے روکنے اور ٹیڑھا دکھانے کی کوشش کرتے رہے، اور آخرت کا انکار کر کے اس کے لیے کبھی تیار نہ ہوئے۔

جنت دوزخ کے درمیان میں اعراف

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ {۴۶} الأعراف

جواب ترجمہ: اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان اعراف نام کی ایک دیوار ہو گی اور اعراف پر کچھ آدمی ہونگے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے تو وہ اہل بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، یہ لوگ ابھی بہشت میں داخل تو نہیں ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔

جنت دوزخ کے درمیان ایک حجاب اور حد فاصل دیوار ہے جو دوزخیوں کو جنت والوں سے فاصلے پر رکھے گی، اسی دیوار کے بارے میں علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ نے سورۃ الحدید میں ذکر کیا ہے فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۱۳ (الحدید) ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہے، اس کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے۔ اسی کا نام (اعراف) ہے۔

(اعراف) (عرف) کی جمع ہے ہر اونچی زمین کو عرب میں عرفہ کہتے ہیں اسی لئے مرغ کے سر کی کلنگ کو بھی عرب میں (عرف الدیک) کہا جاتا ہے کیونکہ اونچی جگہ ہوتا ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اعراف عرف کی جمع ہے، وَكُلُّ مُرْتَفِعٍ مِنَ الْأَرْضِ عِنْدَ الْعَرَبِ يُسَمَّى عُرْفًا، زمین سے ہر اونچی جگہ کو عربوں کے ہاں عرف کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اعراف اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے، تَلٌّ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حُبِسَ عَلَيْهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الذُّنُوبِ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، یہ ایک اونچی جگہ ہے جنت دوزخ کے درمیان جہاں گناہ گار لوگ روک دیئے جائیں گے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں إِنَّمَا سُمِّيَ الْأَعْرَافُ أَعْرَافًا؛ لِأَنَّ أَصْحَابَهُ يَعْرِفُونَ النَّاسَ، اس کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اور لوگوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔

حضرات مفسرین کی عبارات اس سلسلے میں مختلف ہیں کہ اعراف والے کون لوگ ہوں گے، لیکن ان سب کو یکجا کیا جائے تو مطلب ایک ہی نکلتا ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ (ابن کثیر)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّنِ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُ وَسَيِّئَاتُهُ، فَقَالَ: أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ، لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ان لوگوں کی بابت جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں اور جو

اعراف والے ہیں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو جنت میں داخل نہیں ہوں گے باوجود یکہ وہ جنت میں جانے کا طمع رکھتے تھے۔

محمد بن منکدر نے مزینہ قبیلے کے ایک شخص سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ سے اعراف والوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا جواب یہ دیا کہ إِنَّهُمْ قَوْمٌ خَرَجُوا عُصَاةً بِغَيْرِ إِذْنِ آبَائِهِمْ ، فَقُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ، یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو اپنے باپ کی اجازت کے بغیر اللہ کے راستے میں نکلے پھر اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔

اس روایت کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں نقل کیا ہے، ابو الشیخ رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے، مگر اس میں ایک راوی سعید بن سلمہ کو امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے پنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اعراف والے هُمْ نَاسٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِمَعْصِيَةِ آبَائِهِمْ ، فَمَنَعَهُمْ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ مَعْصِيَةُ آبَائِهِمْ وَمَنَعَهُمُ النَّارَ قَتْلُهُمْ فی سبیل اللہ، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے راستے میں شہید کر دیے گئے تھے، مگر یہ اپنے والدین کے نافرمان تھے، اپنے والدین کی نافرمانی کی وجہ سے جنت میں ان کا داخلہ نہیں ہو گا، اللہ کے راستے میں شہادت پانے کی وجہ سے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جب اعراف والوں کی بابت سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر تھیں۔ برائیوں کی وجہ سے جنت میں نہ جاسکے اور نیکیوں کی وجہ سے جہنم سے بچ گئے پس یہاں آڑ میں روک دیئے جائیں گے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ان کے بارے میں سرزد ہو۔ (تفسیر طبری بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار اعراف والوں کے بارے میں یوں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جن کی نیکیاں انہیں دوزخ سے روکے رکھیں گی اور ان کی برائیاں ان کو جنت سے روکے رکھیں گی،

جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف موڑی جائیں گی تو مارے خوف وڈر کے پکار اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ نہ کرنا، اسی دوران ہوں گے کہ رب تعالیٰ ان کو جھانک کر دیکھیں گے اور فرمائیں گے کہ اذْهَبُوا فَادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ تم جنت میں چلے جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ (تفسیر طبری ۱۲/ ۴۵۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہو گا ایک نیکی بھی اگر برائیوں سے بڑھ گئی تو داخل جنت ہو گا اور ایک برائی بھی اگر نیکیوں سے زیادہ ہو گئی تو دوزخ میں جائے گا اور فرمایا ایک رائی کے دانے کے برابر کی کمی زیادتی سے میزان کا پلڑا ہلکا بھاری ہو جاتا ہے اور جن کی نیکیاں بدیاں برابر برابر ہوئیں یہ اعراف والے ہیں یہ ٹھہرا لئے جائیں گے اور جنتی دوزخی مشہور ہو جائیں گے یہ جب جنت کو دیکھیں گے تو اہل جنت پر سلام کریں گے اور جب جہنم کو دیکھیں گے تو اللہ سے پناہ طلب کریں گے۔ نیک لوگوں کو نور ملے گا جو ان کے آگے اور ان کے داہنے موجود رہے گا ہر انسان کو وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں ایک نور ملے گا لیکن پل صراط پر منافق مردوں اور عورتوں کا نور چھین لیا جائے گا اس وقت سچے مومن اللہ سے اپنے نور کے باقی رہنے کی دعائیں کریں گے۔ اعراف والوں کا نور چھینا نہیں جائے گا وہ ان کے آگے آگے موجود ہو گا انہیں جنت میں جانے کی طمع ہو گی، لوگوں کی ایک نیکی دس گنی کر کے لکھی جاتی ہے اور برائی اتنی ہی لکھی جاتی ہے جتنی ہو، افسوس ان پر جن کی اکائیاں دہائیوں پر غالب آجائیں۔ (تفسیر طبری ۱۲/ ۴۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ الْأَعْرَافُ : السُّورُ الَّذِي بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ، وَأَصْحَابُ الْأَعْرَافِ بِذَلِكَ الْمَكَانِ، حَتَّى إِذَا بَدَأَ اللهُ أَنْ يُعَافِيَهُمْ ، انْطُلِقَ بِهِمْ إِلَى نَهْرٍ يُقَالُ لَهُ : الْحَيَاةُ، حَافَّتَاهُ قَصَبُ الذَّهَبِ، مُكَلَّلٌ بِاللُّؤْلُؤِ ، تُرَابُهُ الْمِسْكُ، فَأُلْقُوا فِيهِ حَتَّى تَصْلُحَ أَلْوَانُهُمْ ، وَتَبْدُوَ فِي نُحُورِهِمْ بَيْضَاءَ يُعْرَفُونَ بِهَا، حَتَّى إِذَا صَلَحَتْ أَلْوَانُهُمْ أَتَى بِهِمُ الرَّحْمَنُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَقَالَ : تَمَنَّوْا مَا شِئْتُمْ فَيَتَمَنَّوْنَ، حَتَّى إِذَا انْقَطَعَتْ

أُمْنِيَّتُهُمْ قَالَ لَهُمْ : لَكُمُ الَّذِي تَمَنَّيْتُمْ وَمِثْلُهُ سَبْعُونَ ضِعْفًا فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَفِي نُحُورِهِمْ شَامَةٌ بَيْضَاءُ يُعْرَفُونَ بِهَا، يُسَمَّوْنَ مَسَاكِينَ أَهْلِ الْجَنَّةِ (تفسیر ابن کثیر)

اعراف ایک دیوار ہے جو جنت دوزخ کے درمیان ہے اصحاب اعراف وہیں ہوں گے۔ جب انہیں عافیت دینے کا اللہ کا ارادہ ہو گا تو حکم ملے گا انہیں آب حیات کی نہر کی طرف لے جاؤ اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے جو موتیوں سے مرصع ہوں گے اس کی مٹی مشک خالص ہو گی اس میں غوطہ لگاتے ہی ان کی رنگتیں نکھر جائیں گی اور ان کی گردنوں پر ایک سفید چمکیلا نشان ہو جائے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں یہ اللہ کے سامنے لائے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو چاہو مانگو یہ مانگیں گے یہاں تک کہ ان کی تمام تمنائیں اللہ تعالیٰ پوری کر دے گا پھر فرمائے گا ان جیسی ستر گنا اور نعمتیں بھی میں نے تمہیں دیں۔ پھر یہ جنت میں جائیں گے، وہ علامت ان پر موجود ہو گی جنت میں ان کا نام مساکین اہل جنت ہو گا۔

حضور ﷺ سے اعراف والوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ سب سے آخر میں ہو گا، رب العالمین جب اپنے بندوں کے فیصلے کر چکے گا تو ان سے فرمائے گا کہ تم لوگوں کو تمہاری نیکیوں نے دوزخ سے تو محفوظ کر لیا لیکن تم جنت میں جانے کے حقدار ثابت نہیں ہوئے فَأَنْتُمْ عُتَقَائِي، فَارْعَوْا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتُمْ، اب تم کو میں اپنی طرف سے آزاد کرتا ہوں جاؤ جنت میں رہو سہو اور جہاں چاہو کھاؤ پیو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زنا کی اولاد ہیں۔ (تفسیر طبری)

ابن عساکر میں نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی موجود ہے کہ أَنَّ مُؤْمِنِي الْجِنِّ لَهُمْ ثَوَابٌ وَعَلَيْهِمْ عِقَابٌ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ثَوَابِهِمْ فَقَالَ: عَلَى الْأَعْرَافِ، وَلَيْسُوا فِي الْجَنَّةِ مَعَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ: وَمَا الْأَعْرَافُ؟ فَقَالَ: حَائِطُ الْجَنَّةِ تَجْرِي فِيهَا الْأَنْهَارُ، وَتَنْبُتُ فِيهِ الْأَشْجَارُ وَالثِّمَارُ مومن جنوں کو ثواب ہے اور ان میں سے جو برے ہیں انہیں عذاب بھی ہو گا، ہم نے ان کے ثواب اور ان کے ایمانداروں کے بابت حضور ﷺ سے دریافت

کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اعراف میں ہوں گے جنت میں میری امت کے ساتھ نہ ہوں گے ہم نے پوچھا یارسول اللہ اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کا ایک باغ جہاں نہریں جاری ہیں اور پھل پک رہے ہیں (تاریخ دمشق ج ۷۱ ص ۹۱۰) البعث بیہقی، تفسیر ابن کثیر)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ قَوْمٌ صَالِحُونَ فُقَهَاءُ عُلَمَاءُ اعراف والے یہ صالح فقہاء علما لوگ ہوں گے۔ ابو مجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ فرشتے ہیں جو جنت دوزخ والوں کو جانتے پہچانتے ہیں پھر آپ نے ان آیتوں کے تلاوت کی اور فرمایا سب جنتی جنت میں جانے لگیں گے تو کہا جائے گا کہ تم امن وامان کے ساتھ بے خوف وخطر ہو کر جنت میں جاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابو الحسن ماوردی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اعراف والوں سے متعلق پانچ اقوال ہیں ① ایک یہ کہ اعراف والے فضلاء مومنین اور علماء ہوں گے۔ ② دوسرا یہ کہ یہ لوگ فرشتے ہوں گے جو مردوں کی شکل میں دکھائی دیں گے۔ ③ تیسرا یہ کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے چھوٹے گناہ دنیا میں کسی دکھ تکلیف کے باعث ختم نہیں ہوئے تھے۔ ④ چوتھا یہ کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی یہاں تک کہ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں جانے کا فیصلہ فرمائیں گے۔ ⑤ پانچواں یہ کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو میدان جہاد میں مارے گئے مگر تھے یہ اپنے والدین کے نافرمان، بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے والدین کی اجازت لیے بغیر ہی میدان جہاد میں پہنچ گئے تھے۔ (تفسیر ماوردی ج ۲ ص ۲۲۶)

خلاصہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ والوں کے درمیان ایک بڑا پردہ حائل ہو گا جسے اعراف کہا جائے گا، اس پردہ پر جنت والوں اور دوزخ والوں میں سے وہ لوگ ہوں گے جو اپنی اپنی علامات اور نشانیوں سے پہچانے جائیں گے، جیسے جنت والے اپنے چہروں کی سفیدی اور دوزخ والے اپنے چہروں کی سیاہی سے پہچانے جائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر سرابر ہوں گی، یہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے۔

اصحاب اعراف کا حال، اہل جہنم پر ملامت اور اہل ایمان کی کامیابی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۴۷}وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ {۴۸}أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ{۴۹}الاعراف

جواب ترجمہ: اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمایئے۔ اور اعراف والے بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا وہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائے گا ان کو یوں حکم ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ: ان آیات میں اصحابِ اعراف کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کی نگاہیں اہلِ جہنم کی طرف پلٹتی ہیں اور وہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا دیکھتے ہیں تو خوف و تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں کفر و شرک کرنے والے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا: الخ پھر اصحابِ اعراف جہنم میں موجود بعض کافروں کو، جنہیں وہ ان کی ظاہری علامات سے پہچانتے ہوں گے، پکار کر کہتے ہیں کہ تمہارا مال، تمہاری کثرتِ افراد اور دنیا میں تمہارا غرور و تکبر تمہارے کسی کام نہ آیا۔

أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ: الخ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار کو ملامت کے انداز میں یاد دلاتے ہیں کہ کیا یہی وہ لوگ نہیں تھے جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان پر کوئی رحمت نازل

نہیں کرے گا؟ پھر اللہ اہلِ ایمان کو عزت اور کرم کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیتے ہیں اور انہیں یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ اب نہ تمہیں مستقبل کا کوئی خوف ہو گا اور نہ ماضی کی کسی محرومی پر غم، کیونکہ تمہیں دائمی نعمتیں عطا کر دی گئی ہیں۔

دوزخ والوں پر حرام کی گئی چیزیں

سوال اللہ تعالیٰ نے دوزخ والوں پر کون سی چیز حرام کی ہے؟ آیت کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ {۵۰} الأعراف

جواب ترجمہ: اور دوزخی بہشتیوں سے گڑگڑا کر کہیں گے کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق خدا نے تمہیں عنایت فرمایا ہے ان میں سے کچھ ہمیں بھی عطا کرو وہ جواب دیں گے کہ خدا نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

دوزخیوں کی رسوائی اور ذلت بیان کی جارہی ہے کہ وہ جنتیوں سے پانی یا کھانا مانگیں گے، اپنے نزدیک کے رشتے کنبے والے جیسے باپ بیٹے بھائی بہن وغیرہ سے کہیں گے کہ ہم جل بھن رہے ہیں، بھوکے پیاسے ہیں، ہمیں ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانا دے دو، وہ بحکم الٰہی انہیں جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ کفار پر حرام ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ کس چیز کا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الْمَاءُ، أَلَمْ تَسْمَعْ إِلَى أَهْلِ النَّارِ لَمَّا اسْتَغَاثُوا بِأَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا: {أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ} (شعب الایمان بیہقی، میزان الاعتدال ذہبی) سب سے افضل خیرات پانی ہے، دیکھو جہنمی اہل جنت سے اسی کا سوال کریں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب ابو طالب موت کی بیماری میں مبتلا ہوا تو قریشیوں نے اس سے کہا کسی کو بھیج کر اپنے بھتیجے سے کہلواؤ کہ وہ تمہارے پاس جنتی انگور کا ایک خوشہ بھجوا دے تاکہ تیری بیماری

جاتی رہے، جس وقت قاصد حضور ﷺ کے پاس آتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے، سنتے ہی فرمانے لگے إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ (در منثور) اللہ نے جنت کی کھانے پینے کی چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اعراف والے جنت کی طرف روانہ ہو جائیں گے تو دوزخ والے اس ناامیدی کے بعد آس وامید لگائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! ہماری جنت والوں سے رشتہ داریاں ہیں، ہمیں اتنی تو اجازت دے دے کہ ہم انہیں دیکھ لیں، ہم ان سے بات ہی کرلیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ جنت کو حکم دیں گے تو وہ تھوڑا سا سرکے گی، یوں اہل جہنم جنت میں اپنے قریبی رشتہ داروں اور ان کو ملنے والی نعمتوں کو دیکھیں گے تو انہیں پہنچان لیں گے۔

اس کے بعد جنت والے دوزخ والے اپنے رشتہ داروں کو دیکھیں گے تو انہیں پہچان نہیں پائیں گے، کیونکہ ان کے چہرے سیاہ کالے ہو چکے ہوں گے، اس لحاظ سے وہ کوئی اور ہی مخلوق بن چکے ہوں گے، پھر دوزخ والے جنت والوں کو ان کے نام لے لے کر پکاریں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ ہمارے اوپر پانی بہائیں، پانی کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کریں گے کیوں کہ آگ کی لپٹوں اور جلن کی وجہ سے ان کا اندر جل رہا ہو گا، جہنم میں سخت شدت کی گرمی کی وجہ سے، یہاں افیضوا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنت والے دوزخ والوں سے اونچے مکان میں ہوں گے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يُرْسِلُ عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعَ حَتَّى يَزْدَادَ عَذَابُهُمْ فَيَسْتَغِيثُونَ فَيُغَاثُونَ بِالضَّرِيعِ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ثُمَّ يَسْتَغِيثُونَ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ ثُمَّ يذكرون الشراب ويستغيثون فَيُدْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيمُ وَالصَّدِيدُ بِكَلَالِيبِ الْحَدِيدِ فَيَقْطَعُ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَيَسْتَغِيثُونَ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ، اللہ تعالیٰ دوزخ والوں کی طرف بھوک بھیجے گا تاکہ ان کا عذاب زیادہ ہو، پھر وہ فریادیں کریں گے، ان کی فریاد ضریع کے ساتھ پوری کی جائے گی، جس سے نہ وہ موٹے ہوں گے اور نہ ہی ان

کی بھوک مٹے گی، پھر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد ذی غصہ سے پوری کی جائے گی، پھر وہ پانی کو یاد کریں گے اور فریادیں کریں گے تو ان کی طرف کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا، پیپ کا پانی چھوڑا جائے گا، وہ بھی لوہے کے زنبوروں کے ساتھ، اس سے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ کٹ جائے گا، پھر وہ اہل جنت سے فریادیں کریں گے۔

جب جنت والوں کو پکاریں گے تو وہ دوزخیوں کو جواب دیں گے کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کیا ہے، جیسا کہ اس مقام پر قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر وہ داروغہ دوزخ مالک سے کہیں گے کہ اپنے رب سے کہو کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے۔ داروغۂ دوزخ مالک ایک ہزار سال کے بعد ان کو جواب دے گا۔ دوزخی کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں یہاں سے نکال دیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ اس پر وہ سخت مایوس ہو جائیں گے، پھر وہ گدھے کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کریں گے، گدھے کی آوازیں نکالیں گے۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

پانی پلانا بہترین صدقہ ہے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بھی ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ أَنَّ أُمَّةً مَاتَت فَقَالَ: يَا رَسُول الله أَتصدق عَلَيْهَا قَالَ: نَعَم قَالَ: فَأَيُّ الصَّدَقَة أَفضل قَالَ: سَقِيُ المَاءِ (تفسیر در منثور) ایک لونڈی کا انتقال ہو گیا، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اس پر صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کر سکتے ہو۔ عرض کیا، کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ پانی پلانا ہے۔ یہاں آیت میں ھما ضمیر کا مصداق جنت کا پھل اور پانی ہے کہ یہ دونوں چیزیں اہل دوزخ پر حرام ہیں۔ (تفسیر ابن عباس)

انکار آخرت کا انجام، حجیت قرآن اور ربوبیت الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى

عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۵۲} هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ {۵۳} اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ {۵۴} الاعراف

جواب ترجمہ: جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنایا اور انہیں دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ اس کا انجام ان کے سامنے آجائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے، سو کیا ہمارے لیے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں جو کیا کرتے تھے۔

ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افتراء پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بیکار چلی گئی۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا، ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو، رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے، اور پیدا فرمایا چاند کو سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں خبر دار! پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ ہی کے لیے خاص ہے برکت والا ہے وہ اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا: الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے انجام اور ایمان والوں کے لیے ہدایت کے سرچشمے کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ پہلے ان لوگوں کا حال ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا، دنیا کی چمک دمک میں دھوکا کھا گئے اور آخرت کو بھلا بیٹھے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے گا، کیونکہ انہوں نے دنیا میں حساب وکتاب کے دن کو نظر انداز کیا اور اللہ کی آیات کا جان بوجھ کر انکار کیا تھا۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ: الخ اس کے مقابلے میں قرآنِ کریم کی عظمت اور حجیت کو بیان کیا گیا کہ یہ کتاب علمِ الٰہی پر مبنی، واضح، مدلل اور ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے، جو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کی راہ دکھاتی ہے۔ مگر کفار اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے صرف اس کے انجام کے منتظر رہے، یہاں تک کہ جب عذاب واقع ہو جائے گا تو حسرت وندامت کے ساتھ اعتراف کریں گے کہ واقعی اللہ کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ اس وقت وہ سفارش کرنے والوں کی آرزو کریں گے یا دنیا میں واپسی کی تمنا کریں گے، مگر یہ سب خواہشیں بے فائدہ ہوں گی، کیونکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہو گا اور جن معبودوں پر وہ بھروسہ کرتے تھے وہ سب غائب ہو چکے ہوں گے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ: الخ آخر میں توحید اور ربوبیتِ الٰہی کا نہایت جلالی بیان ہے کہ اللہ ہی وہ رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، رات اور دن کے نظام کو نہایت حکمت کے ساتھ چلا رہا ہے اور سورج، چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا، اس کی برکتیں بے شمار اور اس کی ذات تمام جہانوں کے لیے سراسر رحمت اور کمال کی حامل ہے۔

دعا مانگنے کے آداب

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ {۵۵} وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ {۵۶} الأعراف

جواب ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے عاجزی اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں بناتا۔ اور فساد نہ کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد، اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ بیشک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے

اللہ تعالیٰ بندوں کو اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ ہر حال اور ہر ضرورت میں اپنے رب سے عاجزی، فروتنی اور اخلاص کے ساتھ دعا کریں، خواہ وہ بلند آواز سے ہو یا دل ہی دل میں، دعا میں بے ادبی، ناممکن یا شریعت کے خلاف باتیں مانگنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اسی طرح اللہ نے دنیا میں توحید اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے ذریعے اصلاح اور امن قائم فرمایا ہے، اس لیے بندوں کو چاہیے کہ وہ ان تعلیمات کو چھوڑ کر فساد اور بگاڑ کا راستہ اختیار نہ کریں۔

مزید یہ کہ اللہ کی عبادت اسی طریقے سے کی جائے جو اس نے خود مقرر فرمایا ہے، اس حال میں کہ دل میں خوفِ الٰہی بھی ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی، نہ عبادت پر غرور ہو اور نہ اللہ کی رحمت سے مایوسی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ دعا عربی زبان میں کسی کو حاجت روائی کے لئے پکارنے کے معنی میں بھی آتا ہے، اور مطلق یاد کرنے کے معنی میں بھی، اور یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

آیت میں ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ ، یعنی پکارو اپنے رب کو اپنی حاجات کے لئے، یا یاد کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اپنی حاجات صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اور دوسری صورت میں یہ کہ ذکر و عبادت صرف اسی کی کرو، یہ دونوں تفسیریں سلف صالحین ائمہ تفسیر سے منقول بھی ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، تضرّع کے معنی عجز و انکسار اور

اظہار تذلل کے ہیں، اور خفیہ کے معنی پوشیدہ چھپا ہوا، جیسا کہ اردو زبان میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں بولا جاتا ہے۔

ان دونوں لفظوں میں دعا و ذکر کے لئے دو اہم آداب کا بیان ہے، اول یہ کہ قبولیت دعا کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و انکسار اور تذلل کا اظہار کر کے دعا کرے، اس کے الفاظ بھی عجز و انکسار کے مناسب ہوں، لہجہ بھی تواضع و انکسار کا ہو، ہیئت دعا مانگنے کی بھی ایسی ہی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل عوام جس انداز سے دعا مانگتے ہیں اول تو اس کو دعا مانگنا ہی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ پڑھنا کہنا چاہیے، کیونکہ اکثر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جو کلمات زبان سے بول رہے ہیں ان کا مطلب کیا ہے، جیسا کہ آج کل عام مساجد میں اماموں کا معمول ہو گیا ہے کہ کچھ عربی زبان کے کلمات دعائیہ انہیں یاد ہوتے ہیں ختم نماز پر انہیں پڑھ دیتے ہیں۔

اکثر تو خود ان اماموں کو بھی ان کلمات کا مطلب و مفہوم معلوم نہیں ہوتا اور اگر ان کو معلوم ہو تو کم از کم جاہل مقتدی تو اس سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں، وہ بے سمجھے بوجھے امام کے پڑھے ہوئے کلمات کے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں، اس سارے تماشہ کا حاصل چند کلمات کا پڑھنا ہوتا ہے، دعا مانگنے کی جو حقیقت ہے یہاں پائی ہی نہیں جاتی۔

یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ان بے جان کلمات ہی کو قبول فرما کر قبولیت دعا کے آثار فرمادیں، مگر اپنی طرف سے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دعا پڑھی نہیں جاتی بلکہ مانگی جاتی ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ مانگنے کے ڈھنگ سے مانگا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے کلمات کے معنی بھی معلوم ہوں اور سمجھ کر ہی کہہ رہا ہو تو اگر اس کے ساتھ عنوان اور لہجہ اور ہیئت ظاہری تواضع و انکسار کی نہ ہو تو یہ دعا نرا ایک مطالبہ رہ جاتا ہے، جس کا کسی بندے کو کوئی حق نہیں۔

غرض پہلے لفظ میں روح دعا بتلا دی گئی کہ وہ عاجزی و انکساری اور اپنی ذلت و پستی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگنا ہے، دوسرے لفظ میں ایک دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ دعا کا خفیہ اور آہستہ مانگنا افضل اور قرین قبول ہے، کیونکہ بآواز بلند دعا مانگنے میں اول تو تواضع و انکسار باقی رہنا مشکل ہے، ثانیاً اس میں ریاء و شہرت کا بھی خطرہ ہے۔

ثالثاً اس کی صورت عمل ایسی ہے کہ گویا یہ شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہیں، ہمارے ظاہر و باطن کو یکساں جانتے ہیں، ہر بات خفیہ ہو یا جہر اس کو سنتے ہیں، اسی لئے غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آواز دعا میں بلند ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو جو اتنی بلند آواز سے کہتے ہو، بلکہ سمیع و قریب تمہارا مخاطب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، (اس لئے آواز بلند کرنا فضول ہے) خود اللہ جل شانہ نے ایک مرد صالح کی دعا کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا ہے اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا یعنی جب انہوں نے رب کو پکارا آہستہ آواز سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دعا کی یہ کیفیت پسند ہے کہ پست اور آہستہ آواز سے دعا مانگی جائے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علانیہ اور جہراً دعا کرنے میں اور آہستہ پست آواز سے کرنے میں ستر درجہ فضیلت کا فرق ہے۔

سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ ذکر و دعا میں بڑا مجاہدہ کرتے اور اکثر اوقات مشغول رہتے تھے مگر کوئی ان کی آواز نہ سنتا تھا، بلکہ ان کی دعائیں صرف ان کے اور ان کے رب کے درمیان رہتی تھیں، ان میں بہت سے حضرات پورا قرآن حفظ کرتے اور تلاوت کرتے رہتے تھے، مگر کسی دوسرے کو خبر نہ ہوتی تھی، اور بہت سے حضرات بڑا علم دین حاصل کرتے، مگر لوگوں پر جتلاتے نہ پھرتے تھے، بہت سے حضرات راتوں کو اپنے گھروں میں طویل طویل نمازیں ادا کرتے مگر آنے والوں کو کچھ خبر نہ ہوتی تھی اور فرمایا کہ ہم نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ تمام عبادات جن کو وہ پوشیدہ کر کے

ادا کرسکتے تھے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اس کو ظاہر کرکے ادا کرتے ہوں، ان کی آوازیں دعاؤں میں نہایت پست ہوتی تھیں (ابن کثیر، مظہری)

ابن جریج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دعاء میں آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے۔ امام ابو جصاص حنفی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعا کا آہستہ مانگنا بہ نسبت اظہار کے افضل ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے، اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے ختم پر جو آمین کہی جاتی ہے اس کو بھی آہستہ کہنا افضل ہے، کیونکہ آمین بھی ایک دعا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے ائمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دیں کہ قرآن وسنت کی اس تلقین اور بزرگان سلف کی ہدایت کو یکسر چھوڑ بیٹھے، ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کاروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو آدابِ دعا کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں بھی خلل انداز ہوتے ہیں جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہیں، غلبہ رسوم نے اس کی بُرائی اور مفاسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے، کسی خاص موقع پر خاص دعا پوری جماعت سے کرانا مقصود ہو ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعا کے الفاظ کہے اور دوسرے آمین کہیں اس کا مضائقہ نہیں، شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں اور ایسا کرنے کی عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے ہو رہا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ بیان اپنی حاجات کے لئے دعا مانگنے کا تھا، اگر دعا کے معنی اس جگہ ذکر وعبادت کے لئے جاویں تو اس میں بھی علماء سلف کی تحقیق یہی ہے کہ ذکر سر ذکر جہر سے افضل ہے، اور صوفیائے کرام میں مشائخ چشتیہ جو مبتدی کو ذکر جہر کی تلقین فرماتے ہیں وہ اس شخص کے حال کی مناسبت سے بطور علاج کے ہے، تاکہ جہر کے ذریعہ کسل اور غفلت دور ہو جائے اور

قلب میں ذکر اللہ کے ساتھ ایک لگاؤ پیدا ہو جائے، ورنہ فی نفسہ ذکر میں جہر کرنا ان کے یہاں بھی مطلوب نہیں گو جائز ہے اور جواز اس کا بھی حدیث سے ثابت ہے بشرطیکہ اس میں ریا و نمود نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابن حبان رحمہ اللہ، بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِي وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي، یعنی بہترین ذکر خفی ہے، اور بہترین رزق وہ ہے جو انسان کے لئے کافی ہو جائے۔

ہاں خاص خاص حالات اور اوقات میں جہر ہی مطلوب اور افضل ہے ان اوقات و حالت کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے واضح فرما دی ہے، مثلاً اذان و اقامت کا بلند آواز سے کہنا، جہری نمازوں میں بلند آواز سے تلاوت قرآن کرنا، تکبیرات نماز، تکبیراتِ تشریق، حج میں تلبیہ بلند آواز سے کہنا وغیرہ، اسی لئے فقہاء نے فیصلہ اس باب میں یہ فرمایا ہے کہ کن خاص حالات اور مقامات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا عملاً جہر کرنے کی تلقین فرمائی ہے وہاں تو جہر ہی کرنا چاہیے، اس کے علاوہ دوسرے حالات و مقامات میں ذکر خفی اولیٰ و انفع ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آخر آیت میں ارشاد فرمایا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ معتدین، اعتداء سے مشتق ہے اعتداء کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، حد سے آگے بڑھنا خواہ دعا میں ہو یا کسی دوسرے عمل میں سب کا یہی حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو دین اسلام نام ہی حدود و قیود کی پابندی اور فرمانبرداری کا ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام معاملات میں حدود شرعیہ سے تجاوز کیا جائے تو وہ بجائے عبادت کے گناہ بن جاتے ہیں۔

دعا میں حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دعا میں لفظی تکلفات قافیہ وغیرہ کے اختیار کئے جائیں جس سے خشوع خضوع میں فرق پڑے، دوسرے یہ کہ دعا میں غیر ضروری قیدیں شرطیں لگائی جائیں، جیسے حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے

صاحبزادے اس طرح دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ میں آپ سے جنت میں سفید رنگ کا داہنی جانب والا محل طلب کرتا ہوں، تو موصوف نے ان کو روکا اور فرمایا کہ دعا میں ایسی قیدیں شرطیں لگانا حد سے تجاوز ہے، جس کو قرآن وحدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے (مظہری)

تیسری صورت حد سے تجاوز کی یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لئے بد دعا کرے یا کوئی ایسی چیز مانگے جو عام لوگوں کے لئے مضر ہو، اسی طرح ایک صورت حد سے تجاوز کی یہ بھی ہے جو اس جگہ مذکور ہے کہ دعا میں بلا ضرورت آواز بلند کی جائے (مظہری، احکام القرآن)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں دعا اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کو کہتے ہیں اور یہ داخلِ عبادت ہے کیونکہ دعا کرنے والا اپنے آپ کو عاجز و محتاج اور اپنے پروردگار کو حقیقی قادر و حاجت روا اعتقاد کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارِد ھوا اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ تَضَرُّع سے اظہار عجز و خُشوع مراد ہے اور ادب دعا میں یہ ہے کہ آہستہ ہو۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آہستہ دعا کرنا علانیہ دعا کرنے سے ستّر درجہ زیادہ افضل ہے۔ (کنز الایمان)

مسئلہ: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عبادات میں اظہار افضل ہے یا اِخفاء، بعض کہتے ہیں کہ اِخفاء افضل ہے کیونکہ وہ رِیا سے بہت دور ہے، بعض کہتے ہیں کہ اظہار افضل ہے اس لئے کہ اس سے دوسروں کو رغبت عبادت پیدا ہوتی ہے۔ ترمذی نے کہا کہ اگر آدمی اپنے نفس پر رِیا کا اندیشہ رکھتا ہو تو اس کے لئے اِخفاء افضل ہے اور اگر قلب صاف ہو اندیشہ رِیا نہ ہو تو اظہار افضل ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ فرض عبادتوں میں اظہار افضل ہے، نمازِ فرض مسجد ہی میں بہتر ہے اور زکوٰۃ کا اظہار کر کے دینا ہی افضل ہے اور نفل عبادات میں خواہ وہ نماز ہو یا صدقہ وغیرہ ان میں اِخفاء افضل ہے۔ دعا میں حد سے بڑھنا کئی طرح ہوتا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بہت بلند آواز سے چیخے۔ (کنز الایمان)

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا: الخ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، خاص طور پر اس وقت جب اللہ نے اس زمین کو انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت اوراپنی اطاعت کے نظام کے ذریعے درست اور صالح بنادیاہو۔ گناہوں، نافرمانیوں اور ظلم کے ذریعے اس اصلاح شدہ نظام کو بگاڑنا اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا: مزید یہ ہدایت دی گئی ہے کہ بندے اللہ ہی کو پکاریں، اس حال میں کہ دل میں اس کے عذاب کا خوف بھی ہو اور اس کی رحمت و ثواب کی امید بھی، خوف اور امید کا یہی توازن دعا اور عبادت کی روح ہے۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ: آیت کے آخر میں واضح کیا گیا کہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے بہت قریب ہے، اس لیے بندوں کو چاہیے کہ احسان، اطاعت اور نیکی کا راستہ اختیار کریں تاکہ وہ اس رحمت کے مستحق بن سکیں۔

قدرت والے کی کاریگری کا عظیم شاہکار

سوال اس آیت کریمہ میں پائی جانے والی تشبیہ ذکر کریں

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ{۵۷}الأعراف

جواب ترجمہ: اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت یعنی مینہ سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی سی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں، پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو زمین سے زندہ کرکے باہر نکالیں گے یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

یہ عبارت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور ہدایت کے اثر کو نہایت بلیغ مثال کے ذریعے واضح کرتی

ہے، اللہ اپنی رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی خوشخبری دے کر دلوں کو مسرور کرتی ہیں، پھر انہی ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جا کر بارش برساتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ کر کے ہر قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہے۔

اس کے بعد قرآن و رسالت کی ہدایت کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہدایت اگرچہ سب کے لیے عام ہے، لیکن فائدہ وہی اٹھاتا ہے جس کے دل میں قبولیت اور صلاحیت ہو، جیسے پاکیزہ زمین میں بارش سے بھرپور پیداوار نکلتی ہے اور بنجر زمین میں بہت کم، اسی طرح صاف دل ہدایت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں، جبکہ خراب مزاج دلوں پر اس کا اثر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، یوں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں مختلف انداز سے بیان فرماتا ہے، مگر ان سے نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو قدر و شعور رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں پہلی آیت سے یہ نتیجہ نکال کر بتلایا گیا کہ جو ذات پاک مردہ زمین میں نشو و نما کی زندگی عطا فرما دیتی ہے، اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ جو انسان پہلے سے زندہ تھے پھر مر گئے، ان میں دوبارہ زندگی پیدا فرما دے، اسی نتیجہ کو اس آیت میں واضح طور پر بتلا دیا گیا، اور دوسری آیت سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت، آسمانی کتابیں اور انبیاء علیہم السلام پھر ان کے نائب، علماء و مشائخ کی تعلیم و تربیت بھی بارش کی طرح ہر انسان کے لئے عام ہے، مگر جس بارانِ رحمت سے ہر زمین فائدہ نہیں اٹھاتی، اسی طرح اس رُوحانی بارش کا فائدہ بھی صرف وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جن میں یہ صلاحیت ہے اور جن لوگوں کے قلوب پتھریلی یا ریتلی زمین کی طرح نشو و نما کی قابلیت نہیں رکھتے وہ تمام واضح ہدایات اور آیات بینات کے باوجود اپنی گمراہی پر جمے رہتے ہیں۔

پاکیزہ اور ردی زمین کی مثال

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، اس میں بیان کی گئی تشبیہ کی وضاحت کر دیجیے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ

الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ {۵۸} الأعراف

جواب ترجمہ: جو زمین پاکیزہ ہے اس میں سے سبزہ بھی پروردگار کے حکم سے نفیس ہی نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔ اس طرح ہم آیتوں کو شکر گزاروں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔

نکِد کہتے ہیں اس چیز کو جو بے فائدہ بھی ہو اور پھر مقدار میں بھی قلیل ہو، معنی یہ ہیں کہ اگرچہ بارانِ رحمت کا فیض ہر شہر ہر زمین پر یکساں ہوتا ہے، لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے زمین کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک عمدہ اور اچھی زمین جس میں نشو و نما کی صلاحیت ہے، اس میں تو ہر طرح کے پھول پھل نکلتے ہیں اور فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ دوسری وہ سخت یا کھاری زمین جس میں روئیدگی کی صلاحیت نہیں، اس میں اول تو کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا، پھر اگر کچھ ہوا بھی تو وہ بہت کم مقدار میں ہوتا ہے، اور جتنا پیدا ہوتا ہے وہ بھی بیکار اور خراب ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

پاکیزہ زمین پر جب بارش اترتی ہے تو اس سے اللہ کی مشیت اور اذن سے پھل نکلتے ہیں، اسی طرح جب مومن پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان سے نفع اٹھاتا ہے، مگر ردی اور بیکار زمین سے کچھ بھی درست طور پر نہیں اگتا اسی طرح کافر اللہ کی آیات سے نفع نہیں اٹھاتا۔ مومن پاک ہے، اس کا عمل بھی پاک ہے، جب کہ کافر خبیث ہے اور اس کا عمل بھی خبیث ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کا پیغام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ {۵۹} قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۶۰} قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۶۱} اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ {۶۲} اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ {٦٣}فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ{٦٤}

الاعراف

جواب ترجمہ: بیشک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بیشک میں تم پر ایک بڑے دن کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا بلاشبہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آگئیں تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے ان سے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو خالص توحید کی دعوت دیں اور ہر قسم کی غیر اللہ کی عبادت سے روکیں، حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ اگر وہ کفر اور شرک پر قائم رہے تو انہیں ایک سخت دن کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، مگر قوم کے سرداروں اور بڑوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حضرت نوح علیہ السلام پر گمراہی کا الزام لگایا اور ان کی بات کو حق سے دوری قرار دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اعتراض کا مدلل اور پروقار جواب دیا کہ وہ ہرگز گمراہ نہیں، بلکہ رب العالمین کی طرف سے بھیجے گئے سچے رسول ہیں، انہوں نے واضح کیا کہ ان کا کام اللہ کا پیغام

بغیر کسی کمی کے پہنچانا، لوگوں کی خیر خواہی کرنا، نیکی کی ترغیب اور برائی سے ڈرانا ہے، مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے وہ علم عطا فرمایا جو عام لوگوں کو حاصل نہیں۔

آخر میں حضرت نوح علیہ السلام نے وم کی حیرت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اللہ نے انہی میں سے ایک انسان کے ذریعے ہدایت بھیجی تاکہ وہ انہیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں، تقویٰ کی راہ پر چلائیں اور ایمان کی صورت میں اللہ کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم نوح پر طوفان کا عذاب اس وقت آیا جب کہ وہ اپنی کثرت و قوت کے اعتبار سے بھرپور تھے۔ عراق کی زمین اور اس کے پہاڑ ان کی کثرت کے سبب تنگ ہو رہے تھے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ نافرمان لوگوں کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ عذاب اس وقت بھیجتے ہیں جب وہ اپنی کثرت، قوت اور دولت میں انتہاء کو پہنچ جائیں اور اس میں بدمست ہو جائیں (ابن کثیر)

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں کتنے آدمی تھے اس میں روایات مختلف ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اسی (۸۰) آدمی تھے جن میں ایک کا نام جرہم تھا یہ عربی زبان بولتا تھا (ابن کثیر) بعض روایات میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ اسی (۸۰) کے عدد میں چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ طوفان کے بعد یہ سب حضرات موصل میں جس جگہ مقیم ہوئے اس بستی کا نام ثمانون مشہور ہو گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی دعوت

سوال قوم عاد کے نبی کون تھے؟ آیت ذیل کی روشنی میں وضاحت و تفسیر کیجیے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ {٦٥} قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ {٦٦} قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ {٦٧} اُبَلِّغُكُمْ

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ {۶۸} اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ {۶۹} قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ {۷۰} قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ {۷۱} فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ {۷۲} الأعراف

جواب ترجمہ: اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: اللہ کی عبادت کرو جس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا، پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، امانت دار ہوں۔ کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی تم ہی میں ایک شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اس چھوڑ دیں۔ سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود تجویز

کر لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے۔

طوفان نوح کے بعد بھی ایک مدت سیدنا نوح علیہ السلام زندہ رہے پھر اس طوفان کے تقریباً چھ سو سال بعد سیدنا ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف بھیجا گیا یہ سام کی اولاد میں سے تھے جو عاد عرب کی قدیم ترین قوم تھی، جس کے افسانے عرب میں زبان زد عام تھے اس قوم کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا ہے اس کی شان و شوکت بھی ضرب المثل تھی اور دنیا سے اس کا نام و نشان تک مٹ جانا بھی ضرب المثل بن گیا تھا، اسی شہرت کی وجہ سے عربی زبان میں ہر قدیم چیز کے لیے عادی کا لفظ بولا جاتا ہے، آثار قدیمہ کو عادیات کہتے ہیں اور جس زمین کے مالک باقی نہ رہے ہوں یا مدت سے بنجر پڑی ہو اسے عادی الارض کہا جاتا ہے۔

اس قوم کا اصل مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز، یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے یہیں سے پھیل کر ان لوگوں نے یمن کے مغربی سواحل اور عمان اور حضر موت سے عراق تک اپنی طاقت کا سکہ رواں کر دیا تھا۔

یہ قوم بڑی قد آور، مضبوط اور سرکش تھی، رہنے کے لیے زمین دوز شہروں کے شہر بسا رکھے تھے اور بت پرستی میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ سیدنا ہود علیہ السلام نے انہیں بت پرستی سے منع کیا اور سمجھایا کہ یہ بت نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں لہٰذا صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور ہر قسم کے اختیارات و تصرفات صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، لہٰذا انہیں اپنی اس غلط روش سے پرہیز کرنا چاہیے (تفسیر تیسر القرآن علامہ کیلانی مرحوم)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی عاد تھے جن کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے، جن کا ذکر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، یہ عاد بن ارم کی اولاد تھے، قرآن کریم نے انہیں ستونوں والے قرار

دیا، ستونوں والوں سے ایک طرف تو ان لوگوں کے لمبے قدوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے قد بھی بہت اونچے اونچے تھے، قدرت والے نے جب ان پر اپنی قدرت کا کوڑا برسایا تو ان کو پیوند زمین کر دیا تھا، جس کے بارے میں قرآن میں بتایا گیا کہ وہ اس طرح گرے پڑے تھے گویا کہ وہ تنے ہیں اکھڑی ہوئی کھجوروں کے اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا گویا کہ وہ تنے ہوں بوسیدہ کھجوروں کے، ان کے جسم اور ڈیل ڈول کھجوروں کے تنوں کی طرح تھے، جس کی بنا پر وہ فخریہ طور پر کہا کرتے تھے ہم سے بڑھ کر طاقتور اور کون ہو سکتا ہے؟

علامہ کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا لمبے سے لمبا آدمی سو ہاتھ کے برابر ہوتا تھا اور ان کا چھوٹے سے چھوٹا آدمی ساٹھ ہاتھ کے برابر ہوتا تھا، پھر وہ لوگ اپنی عظمت و بڑائی اور شان و شوکت کے اظہار اور نمود و نمائش کے لیے بڑے اونچے اونچے ستونوں والی بڑی بڑی یادگاریں بناتے اور محلات تعمیر کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ شہروں میں ان جیسا کوئی بھی نہ تھا، یہ لڑائی اور قوت کے لحاظ سے سخت تھے، یمن کے ریتلے پہاڑ ان کا مسکن تھے، یہ وہ علاقہ تھا جو آج کل موجودہ مملکت سعودیہ کے جنوب مغرب میں واقع صحرائے عرب، الربع الخالی کے نام سے مشہور و معروف ہے، جو کہ عمان سے لے کر یمن تک کی حدود کے وسیع و عریض علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔

یہ لوگ بڑے بڑے پختہ ستونوں پر اپنی عمارات قائم کیا کرتے تھے، یوں سمجھتے تھے کہ انہیں اس جہان کو چھوڑ کر کہیں اور جانا ہی نہیں ہے، تاریخ میں یہ پہلی قوم تھی جس نے ایسے ستونوں پر عمارتیں کھڑی کی تھیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیموں کے لیے یہ لوگ لمبے لمبے ستون استعمال کرتے تھے، اس سلسلے میں بھی اسکو بڑی شہرت حاصل تھی، اس قوم کو سنگ تراشی کے آرٹ میں بھی بڑا کمال حاصل تھا، اس فن پر ان کو ناز بھی بہت تھا، اس قوم کے بڑے بڑے امیر لوگوں کا شوق اور ذوق یہ تھا کہ کسی بلند و بالا جگہ پر اپنی کوئی نہ کوئی یادگار تیار کریں۔

فضول خرچی گویا کہ ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اسراف اور تبذیر سے کام لیتے تھے، اس پر حضرت ہود علیہ السلام ان کو ملامت بھی کرتے تھے کہ تم فضول خرچی میں کس طرح آگے بڑھے ہوئے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت

سوال قوم ثمود کے نبی کون تھے؟ اور ان کے معجزات کیا تھے؟ آیت کی روشنی میں بتایئے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۷۳} وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ {۷۴} قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ {۷۵} قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ {۷۶} فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ {۷۷} فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ {۷۸} فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ {۷۹} الأعراف

جواب ترجمہ: اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے سو تم اسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانا دے دیا۔ تم اس زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین

میں فساد مت کرو۔ ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے ضعیفوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف بھیجا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی، اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ سو ان کو پکڑ لیا زلزلہ نے۔ سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے ان سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے ثمودی عادیوں کے بعد ہوئے ہیں ان کے شہر حجاز اور شام کے درمیان وادی القری تک تھے اور اس کے ارد گرد، سنہ ۹۹ ھ میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی اجاڑ بستیوں میں سے گذرے تھے۔

جب حضور ﷺ تبوک کے میدان میں اترے لوگوں نے ثمودیوں کے گھروں کے پاس ڈیرے ڈالے اور انہی کے کنوؤں کے پانی سے آٹے گوندھے ہانڈیاں چڑھائیں تو آپ نے حکم دیا کہ سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں اور گندھے ہوئے آٹے اونٹوں کو کھلا دیئے جائیں۔ (مسند احمد)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہاں سے کوچ کرو اور اس کنوئیں کے پاس ٹھہرو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور فرمایا إِنِّي أَخْشَى أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ ، فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ ، آئندہ عذاب والی بستیوں میں پڑاؤ نہ کیا کرو۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عذاب کے شکار تم بھی بن جاؤ۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ نے حجر کی بستیوں کے پاس لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ المعذَّبين إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ

يُصِيبَكُمْ مثلُ مَا أَصَابَهُمْ (مسند احمد) ان کی بستیوں سے روتے اور ڈرتے ہوئے گذرو کہ مبادا وہی عذاب تم پر آجائیں جو ان پر آئے تھے۔

حضرت محمد بن ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لوگ بہ عجلت حجر کے لوگوں کے گھروں کی طرف لپکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت یہ آواز بلند کرنے کو کہا اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ مَا تَدْخُلُونَ عَلَى قَوْمٍ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کے گھروں میں کیوں گھسے جارہے ہو جن پر غضب الٰہی نازل ہوا۔

ابو کبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ میں نے یہ سن کر عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو صرف تعجب کے طور پر انہیں دیکھنے چلے گئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی تعجب خیز چیز بتارہا ہوں تم میں سے ہی ایک شخص ہے جو تمہیں وہ چیز بتارہا ہے جو گذر چکیں اور وہ خبریں دے رہا ہے جو تمہارے سامنے ہیں اور جو تمہارے بعد ہونے والی ہیں پس تم ٹھیک ٹھاک رہو اور سیدھے چلے جاؤ تمہیں عذاب کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں یاد رکھو ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی جانوں سے کسی چیز کو دفع نہ کرسکیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ حجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معجزے نہ طلب کرو دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہوگئے، بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابورغال یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ (مسند احمد) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔

قوم صالح علیہ السلام کی امتیازی شان: ان لوگوں کے قامت بھی بہت بڑے اور عمریں بھی بہت لمبی ہوتی تھیں اور اگر وہ عام لکڑی کی چھت والے مکان بناتے تو بنانے والے کی زندگی ہی میں کئی بار بوسیدہ ہو کر گر پڑتے تھے۔

عام روایت کے مطابق اس دور میں ان کی عمریں تین سو سے چھ سو سال کے درمیان ہوتیں اور لکڑی کے مکان زیادہ سے زیادہ ایک سو سال چلتے پھر بوسیدہ اور کمزور ہو کر گر پڑتے تھے اس لیے وہ اپنے مکان پہاڑوں میں بناتے، اعلیٰ درجے کے سنگ تراش اور انجینئر تھے، پہاڑوں کو اندر سے تراش تراش کر مکان بنالیتے جن میں کھڑکیاں دروازے سب کچھ موجود ہوتا تھا اور ان کی پائیداری کی وجہ سے ایک طویل عرصہ وہاں گزار سکتے تھے، کسی ہموار زمین پر مکان بناتے تو وہ بھی اتنا مضبوط ہوتا جیسے کوئی محل کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بڑے بڑے محلات اور عالیشان مکانات کی تعمیر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور ان کا بنانا جائز ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ نے اس کو اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ یہ چیزیں انسان کو غفلت میں ڈال دینے والی ہیں۔ آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، امام الانبیاء، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اونچی تعمیرات کے بارہ میں ارشادات منقول ہیں وہ اسی انداز کے ہیں۔

قوم صالح پر آنے والا ہولناک زلزلہ: فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ : پس انہیں زلزلہ نے آپکڑا پھر صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر ایک زلزلہ آیا تھا جس کے باعث وہ صبح ہوتے ہی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے پائے گئے تھے، ان کو اس لیے ہلاک کیا گیا تھا کہ انہوں نے اللہ کے نبی سے معجزہ مانگا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب پر معجزہ عطا فرمایا، جو کہ ایک عظیم الجثہ اونٹنی کی شکل میں تھا، ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلے کا عذاب بھیجا اور انہیں نشان عبرت بنا ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام کو بھی ان کے منصوبہ کی اطلاع دے دی اور ہجرت کا حکم بھی آ گیا، تیسرے دن ان لوگوں کو پہاڑوں کی طرف سے ایک سیاہ بادل ان کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا تو بڑے خوش ہوئے کہ اب بارش ہونے والی ہے مگر یہ بارش برسانے والا بادل نہ تھا بلکہ ان کی جانوں پر مسلط ہو جانے والا اللہ کا عذاب تھا جس میں سیاہ غلیظ گندھک کے بخارات ملا ہوا دھواں تھا۔ ساتھ ہی کسی پہاڑ سے کوئی لاوا پھٹا جس سے شدید زلزلہ آ گیا اور اس سے ہولناک چیخوں کی آواز بھی آتی رہی جس سے دل دہل جاتے اور کان پھٹے جاتے تھے اور غلیظ دھوئیں نے ان کے جسم کے اندر داخل ہو کر ان کے دلوں اور کلیجوں کو ماؤف کر دیا اور انہیں سانس تک لینا بھی محال ہو گیا جس سے یہ ساری کی ساری قوم چیخ چیخ کر اور تڑپ تڑپ کر وہیں ڈھیر ہو گئی اور اس شدید زلزلے نے ان کے محلات کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا پہاڑوں میں تراشے ہوئے مکانات سوائے چند ایک سب چکنا چور ہو گئے۔

قوم لوط کا ناپسندیدہ کام

سوال قوم لوط کون سا ناپسندیدہ کام کرتی تھی؟ آیت کی روشنی میں وضاحت و تفسیر فرمائیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ {٨٠} اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ {٨١} وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ {٨٢} فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ {٨٣} وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ {٨٤} الأعراف

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا؟ یعنی خواہش نفسانی کو پورا کرنے کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ اور ان کی قوم کا جواب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں

کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بیشک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسادی۔ سو دیکھ! کیسا انجام ہے مجرمین کا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بد فعلی کیا کرتی تھی، اغلام بازی کیا کرتی تھی، یہ ایسی بے حیائی تھی جس کے بانی اور آغاز کنندہ قوم لوط کے لوگ ہی تھے، ان سے پہلے کسی نے بھی اللہ کی مخلوق میں ایسا کام نہیں کیا تھا۔

دوسری آیت میں ان کی اس بے حیائی کو زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ انسان کی طبعی اور فطری خواہش کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حلال اور جائز طریقہ عورتوں سے نکاح کرنے کا مقرر فرما دیا ہے اس کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ کو اختیار کرنا نری خباثت نفس اور گندہ ذہنی کا ثبوت ہے۔

اسی لئے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس جرم کو عام بدکاری سے زیادہ شدید جرم و گناہ قرار دیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا فعل کرنے والے کو ایسی ہی سزا دینا چاہیے جیسے قوم لوط کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی کہ آسمان سے پتھراؤ کر دیا جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کرنے والوں کے بارے میں فرمایا فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بہ اس کام کے فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے (مسند احمد، ابن کثیر) یعنی بد فعلی کرنے والے اور بد فعلی کرانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

چالیس سال تک قوم لوط کا عمل عورتوں میں جاری رہا، پھر مردوں نے قوم لوط والا عمل عورتوں کے ساتھ کیا، پھر مردوں نے مردوں کے ساتھ لواطت شروع کر دی، ان سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا، اموی دور کے ایک بادشاہ کا تو یہاں تک کہنا تھا کہ اگر قرآن کریم میں قوم لوط کے اس برے عمل کا ذکر نہ کیا جاتا تو ہمیں کبھی پتہ نہ چلتا کہ یہ کام دنیا میں کبھی ہوا ہے۔

ابن عساکر میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ قوم لوط کا عمل اس طرح شروع ہوا کہ شیطان ان کے پاس بہت ہی خوبصورت لڑکے کی شکل میں آیا، جسے انہوں نے بلایا، پھر اس کے ساتھ نکاح کیا، پھر یہ عمل چل پڑا۔ (ابن عساکر بحوالہ تفسیر در منثور)

ابن عساکر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ جس چیز نے انہیں عورتوں کی بجائے مردوں سے یہ کام کرنے پر ابھارا وہ یہ تھا کہ ان کے گھروں اور ان کے باغوں میں بہت زیادہ پھل آیا کرتے تھے، وہ پھل چلتے راستوں پر بھی ہوا کرتے تھے، ان لوگوں کو قحط اور پھلوں کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا تھا، تو اس صورت میں انہوں نے ایک دوسرے سے یوں کہا کہ اگر تم مسافروں سے اپنے اس پھل کو روک لو تو اس میں تمہارے لیے زندگی ہے، انہوں نے کہا کہ انہیں ہم کس چیز سے روکیں؟ انہوں نے کہا تم یہ طریقہ کر لو کہ جس مسافر شخص کو تم اپنے شہروں سے پکڑو اس کے بارے میں یہ طریقہ کر لو کہ تم اس کے ساتھ شادی کر لو اور اس پر چار درھم چٹی ڈال دو، جب تم یوں کرو گے تو یہ لوگ تمہارے شہروں میں ظاہر نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ وہ طریقہ تھا جس نے انہیں اس بڑے کام پر آمادہ کیا، جس کی اس سے پہلے جہان والوں میں سے کسی میں مثال نہیں ملتی۔ (در منثور)

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ قوم لوط کے احوال کے سلسلے میں لکھتے ہیں لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان، الحفیظ، دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو، دنیا کی سرکش، متمرد اور بد اخلاق و بد اطوار اقوام کے دوسرے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی، یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وہ عورتوں کی بجائے امرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا، یہی بدبخت قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی، اس عمل کا نام لواطت مشہور

ہے اور اس سے بھی زیادہ شرارت، خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر ومباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے۔

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے، چنانچہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر بیچارہ حیران وپریشان ہو کر رہ جاتا، اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا، لو تمہاری یہ چیز موجود ہے، وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ میں اس کو لے کر کیا کروں گا، جہاں میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی، جاتو ہی اپنے پاس رکھ، جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج وغم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا، اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔ (قصص القرآن ج ۱ ص ۲۵۸)

اہل سدوم بدفعلی کے علاوہ اور بھی بہت سی گھناؤنی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھے، جنہیں سن اور پڑھ کر انسانیت ماتھا پیٹ کر رہ جاتی ہے، کہ خدا کی بستی میں اس طرح گری ہوئی اور انحطاط پذیر مخلوق بھی آباد رہی، جو فطرت کے خلاف دن رات بسر کرتی رہی، قدرت والا انہیں مختلف طریقوں سے سمجھاتا بھی رہا تاکہ یہ سمجھ جائیں اور اس کے بے آواز کوڑے کی مار سے بچ جائیں مگر انہوں نے ایک نہ سنی، پیغمبر نے جو سنایا اور سمجھایا انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔

لوط علیہ السلام اور ان کا گھر محفوظ: حضرت لوط علیہ السلام اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے سوائے آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَا

وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی وہاں جتنے مومن تھے ہم نے سب کو نکال دیا۔ لیکن بجز ایک گھر والوں کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں۔ بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام سے کہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آگئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی وہیں اسی وقت وہی عذاب اس بدنصیب پر بھی آگیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوط علیہ السلام نے عذاب کی خبر کی نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہو گئی۔

(غابرین) کے معنی بھی باقی رہ جانے والے کے ہیں۔ جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں وہ بطور لزوم کے ہیں۔ کیونکہ جو باقی تھے وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔

پتھروں کی بارش: اللہ تعالیٰ نے اس گندی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کر لیا، ان پر عذاب اتارنے کی بات طے ہو گئی، رات کا ابتدائی وقت تھا کہ فرشتوں کے اشارے پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت دوسری طرف سے نکل کر سدوم سے چلے گئے، ان کی بیوی نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، راستہ ہی سے لوٹ کر واپس سدوم آگئی، جب رات اختتام پذیر ہو رہی تھی تو ایک خوفناک چیخ نے سدوم والوں کو تہہ وبالا کر دیا، پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر پلٹ دیا گیا اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوئی اور نیچے سے زمین کے پورے طبقہ کو جبریل امین نے اُٹھا کر اوندھا پلٹ دیا اور جن پتھروں کی بارش برسی وہ تہ بہ تہ تھے یعنی ایسی مسلسل بارش ہوئی کہ تہ بہ تہ جمع ہو گئے اور یہ پتھر نشان کئے ہوئے تھے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کی ہلاکت کے لئے پھینکا گیا تھا اور سورۃ حجر کی آیات میں اس عذاب سے پہلے یہ بھی مذکور ہے فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ یعنی آپکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمان سے کوئی سخت آواز چنگھاڑ کی صورت میں آئی پھر اس کے بعد دوسرے عذاب آئے، ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چنگھاڑ کے بعد پہلے زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا پھر اس پر ان کی مزید تذلیل و تحقیر کے لئے پتھراؤ کیا گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ {۸۵} وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ {۸۶} وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ {۸۷} قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ {۸۸} قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ {۸۹} وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ {۹۰} فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

جٰثِمِيْنَ {۹۱} اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ {۹۲} فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ {۹۳} الاعراف

جواب ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آگئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو، اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور مت بیٹھ جاؤ ہر راستہ میں کہ تم دھمکیاں دیتے ہو۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔

اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب! ضرور ضرور ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ انہوں نے جواب دیا کیا (ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں گے) اگرچہ دل سے برا جانتے ہوں؟ اگر ہم تمہارے دین میں واپس ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دلائی، اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں الاّ یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور کہا ان کی قوم کے

سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلاشبہ بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی نقصان میں پڑنے والے ہیں۔ سو پشت پھیری ان کی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بیشک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی سو پھر میں کفر کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟

مدین والوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادہ مدین کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام سے بھی رشتہ قرابت رکھتے ہیں، مدین حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں ان کی نسل و اولاد بھی مدین کے نام سے معروف ہو گئی اور جس بستی میں ان کا قیام تھا اس کو بھی مدین کہتے ہیں، گویا مدین ایک قوم کا بھی نام ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی شرق اُردن کی بندرگاہ معان کے قریب موجود ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہے **وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ** } القصص ۲۳) اس میں یہی بستی مراد ہے (ابن کثیر)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے **خَطِيبُ الْأَنْبِيَاءِ، لِفَصَاحَةِ عِبَارَتِهِ، وَجَزَالَةِ مَوْعِظَتِهِ**، ان کے حسن بیان اور بھرپور وعظ گوئی کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا (ابن کثیر)

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں قرآن کریم نے کہیں ان کا اہل مدین اور اصحاب مدین کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہیں اصحاب ایکہ کے نام سے۔ ایکہ کے معنی جنگل اور بن کے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں دونوں کی بستیاں بھی الگ

تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے پہلے ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ان کی ہلاکت کے بعد دوسری قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام ہی وہ واحد نبی تھے جن کو دو بار نبوت سے سرفراز کیا گیا، یعنی ان کی بعثت دو بار ہوئی۔ (تفسیر در منثور) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر در منثور میں ایک روایت لائے ہیں کہ اہل تورات کا خیال تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا نام تورات میں میکائیل تھا، سریانی میں ان کا نام جزی بشخر تھا، عبرانی میں ان کا نام شعیب بن بشخر بن لاوی بن یعقوب تھا۔ ابن عساکر کی ایک روایت کے مطابق شعیب علیہ السلام کا عبرانی میں نام ثیروب تھا جب کہ عربی میں آپ کا نام شعیب تھا۔

مدین والوں میں خرابیاں: مدین والوں کو شعیب علیہ السلام نے بڑے عمدہ اور حسین پیرایہ بیان میں خطاب کیا اور کہا کہ اے قوم! خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نشانی آچکی ہے، تو تم ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کی چیزیں پوری دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مدین والے جس برے فعل میں مبتلا تھے وہ ان کا ناپ تول میں کمی بیشی کرنا تھا، ان کے لینے کے پیمانے اور تھے اور دینے کے پیمانے اور تھے، اس کے علاوہ بھی ان میں برائیاں تھیں، یہ لوگ دین ابراہیم علیہ السلام ہی کے متبع ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے، مگر مرور زمانہ کی وجہ سے ان میں بھی کئی اعتقادی اور اخلاقی بیماریاں پیدا ہو چکی تھیں، اعتقادی خرابیوں میں سب سے بڑی خرابی تو شرک ہے جو اکثر اقوام میں پایا جاتا رہا ہے اور شرک کا اصل سبب اللہ کی حقیقی معرفت سے جہالت ہوتا ہے۔

اور دوسری اخلاقی بیماری یہ تھی کہ اپنے تجارتی کاروبار میں ہر طرح کی ہیرا پھیریاں کرتے تھے، جھوٹ بول کر مال بیچنا، کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اور کسی کو دیتے وقت کم دینا اور لیتے وقت زیادہ

لینا غرض تجارت میں ہر طرح کی بد دیانتی کرتے تھے چیز دیتے وقت ناپ یا تول میں کیا ہتھکنڈے اختیار کیے جاسکتے ہیں جس سے لینے والے کو معلوم بھی نہ ہو سکے کہ اسے مطلوبہ چیز کم ملی ہے اور اس کے برعکس بھی، یہ ایسے معروف طریقے ہیں جن سے ہماری قوم بھی خوب واقف ہے اور ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ (تیسیر القرآن)

قوم شعیب پر ہولناک عذاب: جب قوم شعیب اپنی شر انگیزی اور خرمستی سے باز نہ آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے غضب وغصے کا کوڑا برسایا، قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے پھر انہیں زلزلہ نے آپکڑا پھر وہ صبح تک اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ (الاعراف ۹۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لَمَّا دعی عَلَيْهِمْ فُتِحَ عَلَيْهِمْ بَابٌ مِنْ جَهَنَّمَ بِحَرٍّ شَدِيدٍ أَخَذَ بِأَنْفَاسِهِمْ فَلَمْ يَنْفَعْهُمْ ظِلٌّ وَلَا مَاءٌ فَإِذَا دَخَلُوا الْأَسْرَابَ لِيَتَبَرَّدُوا وَجَدُوهَا أَشَدَّ حَرًّا مِنَ الظَّاهِرِ فَخَرَجُوا هَرَبًا إِلَى الْبَرِّيَّةِ فَأَظَلَّتْهُمْ سَحَابَةٌ فِيهَا رِيحٌ طَيِّبَةٌ فَتَنَادَوْا عَلَيْكُمُ الظُّلَّةُ فَاجْتَمَعُوا تَحْتَهَا كُلُّهُمْ فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ وَأَلْهَبَهَا اللهُ نَارًا وَرَجَفَتْ بِهِمُ الْأَرْضُ فَاحْتَرَقُوا كَمَا يَحْتَرِقُ الْجَرَادُ الْمَقْلُوُّ فَصَارُوا رَمَادًا (البحر المحیط)

جب قوم شعیب کے خلاف بد دعا کی گئی تو ان کے لیے جہنم کی سخت ترین گرمی کا ایک دروازہ کھول دیا گیا، جس کے باعث وہ دم گھٹ کر رہ گئے، انہیں کسی سایہ اور کسی پانی نے پھر نفع نہیں دیا، جب وہ گرمی سے بچنے کے لیے ٹھنڈی ریت کے اندر جا گھسے تاکہ یہاں سے ٹھنڈک حاصل کریں تو اس ریت کو باہر سے بھی اندر زیادہ گرم پایا، اس کے بعد وہ جنگل کی طرف بھاگ گئے، جہاں ان پر ایک بادل نے سایہ کیا، اس میں بڑی خوشگوار قسم کی ہوا تھی، اس کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے انہوں نے اپنے دوسرے لوگوں کو آواز دی کہ بادل کے سایہ میں آجاؤ، چنانچہ وہ سارے کے سارے اس بادل کے سایہ تلے جمع ہو گئے، پھر اس بادل نے ان پر آگ برسانا شروع کر دی، اللہ نے ان پر آگ

کے شعلے برسائے، زمین لرزنے لگی، چنانچہ وہ اس طرح جل گئے جیسے جلی سڑی ہوئی ٹڈیاں ہیں، وہ جل کر راکھ بن گئے۔

قوم شعیب علیہ السلام کا عذاب اس آیت میں زلزلہ کو بتلایا ہے اور دوسری آیت میں فاخذہم عذاب یَوۡمُ الظُّلَّةِ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو یَوۡمُ الظُّلَّةِ کے عذاب نے پکڑ لیا۔ یَوۡمُ الظُّلَّةِ کے معنی ہیں سایہ کا دن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ان پر گہرے بادل کا سایہ آیا جب سب اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے ان پر پتھر یا آگ برسائی گئی۔ ایک روایت کے مطابق سات دن تک ان پر ہوا بند کی گئی تھی، پھر ان پر گرمی مسلط کر دی گئی تھی۔ (تفسیر بحر المحیط)

یزید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سات دن تک ان پر سخت ہوا مسلط کی گئی تھی، پھر دور سے ایک پہاڑ ان کے اوپر اٹھایا گیا تھا، اس کے قریب ایک شخص آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، چشمے بہہ رہے ہیں، چنانچہ اس کے بعد یہ لوگ سارے کے سارے اس کے نیچے جمع ہو گئے، پھر یہ پہاڑ ان پر گر پڑا۔ (تفسیر بحر المحیط)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام ایکہ والوں کی طرف بھیجے گئے تو ایکہ والے سایہ کے عذاب سے ہلاک کیے گئے، مدین والوں کی طرف بھیجے گئے تو مدین والوں پر حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک خوفناک چیخ ماری تو وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔

مفسر قرآن علامہ ابن عطیہ رحمہ اللہ نے ان مختلف روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تطبیق دی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک فرقہ سایہ کے عذاب کے ساتھ ہلاک ہوا ہو اور دوسرا فرقہ زلزلہ کے عذاب سے ہلاک ہوا ہو۔

علامہ طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ مدین والوں میں سے ایک شخص جس کا نام عمرو بن جلہاء تھا، جب اس نے سائبان کو دیکھا تو پکار اٹھا

يَا قَوْمِ إِنَّ شُعَيْبًا مُرْسَلٌ فَذَرُوا ... عَنْكُمْ سُمَيْرًا وَعِمْرَانَ بْنَ شَدَّادِ

إِنِّي أَرَى غَيْمَةً يَا قَوْمِ قَدْ طَلَعَتْ ... تَدْعُو بِصَوْتٍ عَلَى صَمَّانَةِ الْوَادِ
وَإِنَّهُ لَنْ تَرَوْا فِيهَا ضُحَاءَ غَدٍ ..... إِلَّا الرَّقِيمَ تَمَشَّى بَيْنَ أَنْجَادِ

اے میری قوم! شعیب علیہ السلام اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، اس لیے تم سمیر اور عمران بن شداد نامی کاہنوں کو چھوڑ دو، اے میری قوم! میں ایک بادل کو طلوع ہوتے دیکھ رہا ہوں، پتھریلی وادی میں آواز دو، ان میں تم کل کوئی بھی چڑھتے دن میں نہیں دیکھو گے، سوائے اس کتے کے جو بلند زمین کے بیچ میں چل رہا ہو گا۔

حضرت ابو عبد اللہ البجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت یہ مدین کے بادشاہوں کے نام تھے، ان میں کلمن اس زمانے میں ان کا بادشاہ تھا جب قوم شعیب پر عذاب نازل ہوا تھا، جب اس عذاب میں یہ ہلاک ہو گیا تو اس کی بیٹی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

كَلَمُنْ قَدْ هَدَّ رُكْنِي ... هُلْكُهُ وَسْطَ الْمَحَلَّهْ
سيّد القوم أتاه ..... حتف نار وسط ظله
جعلت نار عَلَيْهِمْ ... دَارُهُمْ كَالْمُضْمَحِلَّهْ

کلمن نے میری طاقت و قوت توڑ دی، اس کی ہلاکت محلے کے درمیان میں ہوئی، قوم کا سردار اس کے پاس اس حال میں آیا کہ آگ کی موت بادلوں کے بیچ میں تھی، اس پر آگ پھینکی گئی، اس کا گھر گرا ہوا تھا۔

خوشحالی اور بدحالی، قوموں کی تباہ حالی

سوال بستی والوں کے ایمان لانے تک اللہ تعالیٰ کا طریقہ نبی بھیجنے میں کیا کار فرما رہا؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ {۹۴} ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۹۵} وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ{۹۶}اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ{۹۷}اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ{۹۸}اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ{۹۹}اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ{۱۰۰}تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ{۱۰۱}وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ{۱۰۲} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہو تا کہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے۔ اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔ سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر نہ تھی۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔

کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہوں۔ یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔

سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو۔ جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں، ان کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔ یہ

بستیاں ہیں ان کی بعض خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر۔ اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا: جب اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بستی کی طرف نبی بھیجا تو اس کا کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دیتا تھا، جن شرکیات اور کفریات میں وہ مبتلا تھے وہ انہیں اس سے روکتا تھا، پھر اس کی قوم اسے تسلیم کرنے، اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کا انکار کرتی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو مصائب و مشکلات سے دوچار کر دیتا تھا، ان کے جسموں میں بیماریاں اور کمزوریاں ڈال دیتا تھا، ان کو مال و اسباب کی فراوانی کی بجائے فقر و فاقہ ان پر مسلط کر دیتا تھا، تاکہ وہ جھک جائیں، اللہ کی طرف رجوع کر لیں، حق کی طرف پلٹ آئیں، پھر ان کے لیے پہلے جیسے اچھے حالات لے آتا تھا، وہ اپنے اجسام میں صحت و تندرستی محسوس کرتے تھے، گنجائش اور کشائش دیکھتے تھے، انہیں ڈھیل دیتا تھا تاکہ یہ شکر گزار بندے بن جائیں۔

مگر یہ سب کچھ ان کے لیے کسی طرح بھی مفید نہ ہوا، جن جن برائیوں میں وہ مبتلا تھے وہ انہی میں مست و مگن رہے، جب حالات کی گردش کا انہیں سامنا کرنا پڑتا تو واضح طور پر کہتے تھے کہ یہ زمانے کا الٹ پھیر ہے، کبھی خیر کے دن آجاتے ہیں اور کبھی برے دن آجاتے ہیں، ایسے حالات تو ہمارے آباؤ اجداد کے لیے بھی اس سے پہلے آتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا، تو ایسے عالم میں وہ ایمان لانے کی دہائی دیتے تھے، اس سے پہلے اس ہلاکت اور بربادی کا خیال ان کے دل پر کبھی نہیں گزرا ہوتا تھا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف

قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں، تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہ الٰہی کی طرف جھکیں، جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فراخی اور عیش وخوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش وثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل وبدمست بن جائیں۔

گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت وحکومت بڑھتی جائے اسی کے ساتھ ان کی نخوت وغفلت میں بھی ترقی ہو حتّٰی کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کر دیں کہ تکلیف وراحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے، ہمارے کفر وتکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں، ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی، یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔

اس حد پر پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آدباتا ہے جس کی اپنے عیش وآرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب نے کیا خوب لکھا ہے کہ بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آگیا تو یہ اللہ کا بہلاوا ہے، پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو امید ہے اور بچ گیا تو کام آخر ہوا۔

قوموں کی تباہی و بربادی کے احوال ومناظر: اللہ تعالیٰ اہل زمین کے گناہوں اور سرکشیوں کے سبب ان پر کوئی مصیبت ڈال دیں، ان کے دلوں پر مہر لگادیں تو پھر یہ کچھ سن نہیں سکتے، ارشاد ربانی ہے أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا: الخ{۱۰۰} الأعراف) کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے مرجانے کے بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں؟ اور ان کے دلوں پر مہر لگادیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ کیا ہم نے ان کے لیے یہ بات بیان نہیں کر دی؟ ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت وتاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا

تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے جیسے فرمان ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى (طٰہٰ :۱۲۸) یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں۔ اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں۔

اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ } [السَّجْدَةِ:۲۹] اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا یہ سن نہیں رہے؟

ایک آیت میں فرمایا کہ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۔ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ [وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ (إِبْرَاهِيمَ :۴۴،۴۵) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے؟ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہو گا اور جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم ان کے مکانوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور تمہارے (سمجھانے) کیلئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا (مریم :۷۴) ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کر دیں نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے نہ کسی کی آواز سنائی دے۔

اور آیت میں ہے کہ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا } (مریم :۹۸) اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہو؟

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ } (الْأَنْعَامِ :٦) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیئے تھے کہ تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنادیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہ رہی تھیں۔ پھر انکو انکے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور امتیں پیدا کر دیں۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَى وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الْأَحْقَافِ: ٢٥۔٢٧)

وہ ایسے ہوگئے کہ انکے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا گنہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیئے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیئے اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے تو جب وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو انکے کان ہی انکے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزا کیا کرتے تھے اس نے انکھیر ا اور تمہارے ارد گرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کر دیں تا کہ وہ رجوع کریں۔

ایسے عذاب اچانک آگئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں، کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام ونشان نہ بچا، مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے، حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی آنکھ، کان، ہاتھ سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران و

ششدر رہ گئے، نہ عقل آئی نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (سبا:۴۵) اور ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے اور یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا پھر میرا کیسا عذاب ہوا۔

سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ } (الْمُلْكِ:۱۸) اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو کہ) میرا کیسا عذاب ہوا۔

سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے منظر کشی فرمائی ہے کہ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ۔ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ } (الْحَجِّ:۴۵،۴۶)

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (بہت سے) کنویں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں) کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں { وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ } (الْأَنْعَامِ:۱۰) اور تم سے پہلے بھی بہت سے

رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا انہیں اسی عذاب نے آگھیرا جس کا مذاق اڑاتے تھے۔

یوں اگر پورے ذخیرۂ قرآنی کا مطالعہ کیا جائے تو بے شمار آیات مزید مل سکتی ہیں، جن میں سابقہ قوموں کی نافرمانیوں، سرکشیوں، حماقتوں اور ضلالتوں کا نہ صرف ذکر ہے بلکہ ان کی تباہی، ان کی بربادی اور ان کی ہلاکت کے مناظر بھی بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو عظیم معجزات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ {۱۰۳} وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۱۰۴} حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ {۱۰۵} قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {۱۰۶} فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ {۱۰۷} وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ {۱۰۸} الأعراف

جواب ترجمہ: پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا سو تو دیکھ لے فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون! بیشک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میرے لیے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں، سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے اگر تو سچا ہے۔ موسیٰ نے اپنی

لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر ایک اژدھا بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو یکایک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ابتدائی زمانے میں جب آپ علیہ السلام فرعون کو دعوت دینے نکلے تھے چند معجزات عطا فرمائے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ ان کے ہاتھ میں جو عصا تھا اسے اللہ سانپ بنادیتے تھے، دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ اپنا ہاتھ جب بغل میں رکھ کر باہر نکالتے تو وہ شعاع کی طرح چمکنے لگ جاتا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مطالبہ پر اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ تھوڑی دیر میں بہت بڑا اژدہا بن گیا اور اپنا منہ کھول کر فرعون ہی کی طرف لپکا، فرعون نے سخت دہشت زدگی کی حالت میں موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اس سانپ کو سنبھال لے، آپ علیہ السلام نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ پھر عصا بن گیا پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبایا اور اسے نکالا تو وہ سفید اور چمکدار تھا، حالانکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اپنا رنگ گندمی تھا یہ ہاتھ اتنا تابدار ہو کر بغل سے نکلتا تھا جس سے آنکھیں چندھیانے لگتی تھیں۔

جادوگران مصر کی شکست فاش

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ {۱۰۹} يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ {۱۱۰} قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ {۱۱۱} يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ {۱۱۲} وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ {۱۱۳} قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ {۱۱۴} قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ {۱۱۵} قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ {۱۱۶} وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ

{۱۱۷}فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۱۱۸}فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ {۱۱۹}وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ{۱۲۰}قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ{۱۲۱}رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ {۱۲۲}الاعراف

جواب ترجمہ: سرداروں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہنے لگے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیدے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے۔ جو تیرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں۔ اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا بیشک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے کہ اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہو جائیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو، سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اس پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، سو وہ اچانک ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو نگلنے لگی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا۔ سو وہ اس جگہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے۔ اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے، کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔

تفسیر: فرعون کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کو جادو قرار دے کر قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ مصر کی حکومت اور زمین چھیننا چاہتے ہیں، اس خطرے کے تدارک کے لیے انہوں نے ملک بھر سے ماہر جادوگروں کو جمع کرنے کا مشورہ دیا، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کیا جائے، جادوگروں کو فرعون نے مال و مرتبہ اور قرب شاہی کا لالچ دیا، جس پر وہ مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

مقابلے کے دن جادوگروں نے پہلے اپنا جادو دکھایا، جس سے لوگوں کی آنکھوں پر اثر پڑا اور خوف طاری ہو گیا، مگر جب اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اس نے تمام جادو کو باطل کر دیا، یوں حق پوری طرح نمایاں ہو گیا اور باطل مٹ گیا، اس واضح غلبے کو دیکھ کر جادوگر فوراً سجدے میں گر گئے اور رب العالمین، حضرت موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے، جو حق کے سامنے باطل کی مکمل شکست روشن ثبوت ہے۔

فرعون کا جبر اور اہل ایمان کی ثابت قدمی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ {۱۲۳} لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ {۱۲۴} قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ {۱۲۵} وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ {۱۲۶} وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ {۱۲۷} قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ {۱۲۸} قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ {۱۲۹} الاعراف

جواب ترجمہ: فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے مل کر اس شہر میں کیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے۔ ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے

رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حال میں موت دے کہ ہم اسلام پر ہوں۔ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے کہ ان کے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بلاشبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت متقیوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے، پھر وہ دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو؟

تفسیر: جادوگروں کے ایمان لاتے ہی فرعون کا تکبر اور ظلم پوری طرح بے نقاب ہو گیا، اس نے ایمان کو بغاوت اور سازش قرار دے کر اپنی جھوٹی خدائی اور اقتدار کو بچانے کی کوشش کی، حالانکہ اصل سبب حق کے سامنے اس کی شکست تھی، فرعون نے نہایت سفاکانہ سزاؤں کی دھمکی دی، مگر ایمان کی روشنی جادوگروں کے دلوں میں ایسی راسخ ہو چکی تھی کہ وہ موت سے بے خوف ہو گئے اور صبر و استقامت کی دعا کے ساتھ اللہ کی رضا پر راضی ہو گئے۔

ادھر فرعون کے درباری سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کو "فساد" کا نام دے کر فرعون کو مزید ظلم پر ابھارا، چنانچہ اس نے بنی اسرائیل پر جبر و تشدد کی پالیسی جاری رکھنے کا اعلان کیا، اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید، صبر اور اللہ پر بھروسے کی تلقین کی اور یہ اصولی

حقیقت واضح فرمائی کہ زمین کا اصل مالک اللہ ہے، اقتدار اسی کے فیصلے سے ملتا ہے اور آخر کار کامیابی متقیوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

اگرچہ بنی اسرائیل نے مسلسل مظالم سے دل گرفتگی کا اظہار کیا، مگر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کی مدد، دشمن کی ہلاکت اور زمین میں خلافت کی امید دلا کر صبر اور عمل کی آزمائش کی طرف متوجہ کیا، یوں یہ آیات بتاتی ہیں کہ ظلم وقتی ہوتا ہے، ایمان و تقویٰ دائمی کامیابی کا راستہ ہیں اور اللہ آخر کار حق والوں کو ہی سربلند کرتا ہے۔

قحط اور میووں میں کمی

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں سنین سے کیا مراد ہے؟

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ{۱۳۰} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہم نے فرعونیوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں سنین سے مراد قحط سالی اور خشک سالی ہے، اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں، کھیتیاں کم آئیں، قحط سالیاں پڑ گئیں، درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائیں، لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہو گئی۔

اچھائی کا کریڈٹ اپنے نام اور برائی کا دوسروں کے نام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ تفسیر کیجیے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ{۱۳۱} الأعراف۔

جواب ترجمہ: جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: دنیوی سلطنتوں اور حکمرانوں کا شاید یہ پرانا دستور چلا آرہا ہے کہ وہ اچھے کاموں کی تعریف و ستائش اور کریڈٹ اپنے نام پر کرنے میں فخر سمجھتے ہیں، جب کہ برائیاں، بدیاں اور تہمتیں دوسروں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں، جیسے فرعون والے لوگ کرتے تھے کہ شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ اور مومنوں کی وجہ سے ہے، جب کہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے ان کی بد شگونی ان کے بد اعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

فرعونی سرکشی کا انجام

سوال ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ {۱۳۲} فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ {۱۳۳} وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ {۱۳۴} فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ {۱۳۵} فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ {۱۳۶} وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ {۱۳۷} الأعراف

جواب ترجمہ: اور (موسیٰ سے) کہتے تھے کہ: تم ہم پر اپنا جادو چلانے کے لیے چاہے کیسی بھی نشانی لے کر آجاؤ، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیوں، گھن کے کیڑوں، مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑیں، جو سب علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں۔ پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے مجرم لوگ تھے۔ اور ان پر جو عذاب واقع ہوتا تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹا دیا تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا، اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جو ضعیف شمار کیے جاتے تھے۔ اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی۔ اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے۔

تفسیر: یہ آیات فرعون اور اس کی قوم کے ضد، تکبر اور انجام کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتی ہیں، فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے صریح اعلان کیا کہ وہ کسی بھی معجزے کو، چاہے وہ کتنا ہی واضح کیوں نہ ہو، جادو ہی قرار دیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے، یہ رویہ حق کی تلاش نہیں بلکہ ہٹ دھرمی اور غرور کا مظہر تھا، اس سرکشی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پے در پے مختلف عذابوں میں مبتلا کیا، جیسے طوفان، ٹڈی دل، جوؤں کی وبا، مینڈکوں کی کثرت اور پانی کا خون بن جانا، تاکہ وہ ہوش میں آئیں۔

جب عذاب نازل ہوتا تو وہ گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور ایمان و اطاعت کے وعدے کرتے، مگر عذاب ہٹتے ہی پھر اپنے عہد توڑ دیتے اور کفر پر قائم رہتے، ان کی یہی

مسلسل وعدہ خلافی، تکذیبِ آیات اور غفلت آخرکار ان کی ہلاکت کا سبب بنی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کر کے عبرتناک انجام تک پہنچایا۔

اس کے برعکس بنی اسرائیل، جو مدتوں مظلوم اور کمزور سمجھے جاتے تھے، ان کے صبر اور ثابت قدمی کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا اور یوں حق غالب آیا اور باطل اپنی پوری شان کے ساتھ مٹ گیا۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل بھی دیکھیے کہ فرعونیوں پر پہلے خشک سالی اور قحط کا عذاب بھیجا، اس کے بعد اللہ نے ان پر زور دار بارش برسائی جو طوفان کی صورت اختیار کر گئی اور اس سے ان کی فصلیں پانی میں ڈوب کر تباہ ہونے لگیں تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو اگر بارش تھم گئی اور ہماری فصلیں بچ گئیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو بارش رک گئی اور فصلیں بھی بچ گئیں لیکن پھر وہ اپنے عہد سے پھر گئے تو اس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان کی پکی ہوئی تیار فصلوں پر ٹڈیوں کے دل کے دل بھیج دیئے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ٹڈیاں تو ان کی ساری فصلوں کو چٹ کر جائیں گی تو پھر موسیٰ علیہ السلام کی طرف دوڑے اور پہلے کی طرح اللہ سے دعا کی درخواست کی، آپ کی دعا سے انہیں اس عذاب سے بھی نجات مل گئی اور انہوں نے غلہ کاٹ کر گھروں میں محفوظ کر لیا تو پھر اکڑ بیٹھے، اب اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے ذخیرہ کردہ غلہ میں سُرسری کا عذاب بھیج دیا (قرآن میں قمل کا لفظ ہے جو چھوٹے چھوٹے جانداروں مثلاً چیچڑی، مچھر، جوئیں، سُرسری اور ایسے ہی دوسرے کیڑوں کے لیے مستعمل ہے) کہ ذخیرہ کردہ غلہ پڑا پڑا ہی ناکارہ ہو جائے یہ صورت حال دیکھ کر وہ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دعا کی درخواست اور ایمان لانے کا عہد و پیمان کیا پھر جب آپ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب دور ہوا تو پھر عہد شکنی کی تو اللہ نے یہ عذاب نازل کیا کہ مینڈکوں کی اس قدر بہتات ہو گئی کہ کھانا کھانے بیٹھتے تو ہر طرف سے مینڈک چڑھ آتے کبھی کھانے میں جا پڑتے کبھی سالن کے برتن میں اور

کبھی ان کے کھانے کے لیے کھولے ہوئے منہ میں اور پانی پینے لگتے تو وہ خون کی شکل اختیار کر جاتا غرض جب ان کا جینا دوبھر ہو گیا تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور وہی التجا اور وعدے کیے۔ آپ علیہ السلام نے پھر دعا کی، ان سے یہ عذاب بھی ٹل گیا مگر پھر بھی وہ اکڑ بیٹھے اور ان سب تنبیہات کو جادو ہی کے کرشمے سمجھتے رہے۔ (تیسیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طوفان کا ایک معنیٰ یہ بیان فرمایا کہ كَثْرَةُ الْأَمْطَارِ الْمُغْرِقَةِ الْمُتْلِفَةِ لِلزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ، طوفان سے مراد یہ کہ اس طرح کی لگاتار بارشیں جو غرقاب کر دیں، کھیتیوں اور پھلوں کو تباہ و برباد کر دیں۔ ایک اور معنیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں بیان فرمایا کہ طوفان سے مراد کثرت موت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا طوفان بھیجا جس سے بہت زیادہ انسان ضائع ہو گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طوفان سے مراد موت ہے۔

مفسر قرآن کریم حضرت مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ طوفان سے مراد الْمَاءُ، وَالطَّاعُونُ عَلَى كُلِّ حَالٍ پانی ہے اور ہر حالت میں طاعون کی وبا کا پھیلنا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی میخیں چاٹ جاتی تھیں اور دروازوں کی لکڑیاں یوں ہی چھوڑ دیتی تھیں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر یہ عذاب بھیجے۔ (ابن کثیر)

مہربان ذات کی مہربانی: وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ :الخ فرعونی قہر و جبر سے پسے ہوئے طبقات پر اللہ مہربان ہو گیا، قرآنی ارشاد ہے کہ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمین کا وارث بنادیا تھا، حالانکہ انہیں فرعون والے لوگ ملک شام میں جسے اللہ مشارق الارض ومغاربھا فرمارہے ہیں میں ذلیل سمجھے ہوئے تھے، یہ ایسی دھرتی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہوئی تھیں، اس میں کھیتیوں کی بہتات تھی، پھلوں کی کوئی کمی نہ تھی، نہروں کی روانی سے ہر طرف ملک شام میں حسن وجمال دکھائی دے رہا تھا، بنی اسرائیل نے فرعونیوں کے مظالم اور جور وجفا کو برداشت کیا تو اللہ نے ان ظالموں کو ہلاک وبرباد کرڈالا مگر ظلم سہنے والوں کو یہ اعزاز بخشا کہ انہیں زمین کا وارث بنادیا، فرعونیوں نے جو عمارتیں کھڑی کیں، جو کھیتیاں تیار کیں اللہ نے ان سب کو برباد کرڈالا، جو محلات عالی شان وہ بناتے تھے ان سب کو اللہ نے تہس نہس کردیا تھا۔

نئے معبود کی تلاش

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جاہل کیوں فرمایا تھا؟ آیت کی روشنی میں وضاحت وتفسیر فرمایئے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ{۱۳۸}اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْہِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ{۱۳۹}قَالَ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ{۱۴۰}وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ{۱۴۱} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے ہوئے تھے (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ بلاشبہ یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کسی کو معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت

دی۔ اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔

تفسیر: جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دریا پھاڑ کر پار گزارا اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تو بنی اسرائیل ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف تھے، اس منظر کو دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ وہ انہیں بھی ایک معبود بنا کر دیں جس کی وہ عبادت کریں اور جسے وہ اپنا معبود ٹھہرائیں، جس طرح ان بت پرستوں کے پاس عبادت کے لیے بت موجود ہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ تم لوگ اللہ کی عظمت سے جاہل ہو، تمہیں معلوم ہی نہیں کہ عبادت کے لائق اور مستحق تو صرف اللہ رب العزت کی ذات عالی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ کافر لوگ کنعانی تھے، ایک قول کے مطابق لخم قبیلہ کے تھے، یہ جن بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ گائے کی شکل وصورت کے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے محض ناواقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے۔ یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہدی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے

جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ نے فرمایا تم جاہل لوگ ہو یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں وہ باطل ہے (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چلہ طور پر

سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کے لیے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر دس راتیں بڑھا کر چالیس راتیں کرنے میں کیا حکمت ہے؟ آیت قرآن کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ{۱۴۲} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے راستہ نہ چلنا۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناجات کے لیے تیس راتوں کی میعاد مقرر فرمائی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس راتوں کے روزے رکھے جو کہ ذی القعدہ کی تیس راتیں تھیں، جب تیس روزے مکمل کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے منہ سے آنے والی بو کو ناپسند کرتے ہوئے مسواک کرلی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس راتیں مزید بڑھانے کا حکم دے دیا،

جو کہ ذی الحجہ کی دس راتیں تھیں، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے چلہ مقرر کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا تو وہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک کتاب لائیں گے، اس میں اس چیز کا بیان ہو گا کہ یہ لوگ کیا چیز لیں اور کیا چھوڑیں، جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کتاب کا سوال کیا، چنانچہ یہ آیت نزول تورات کی کیفیت کے بارے میں ہے۔

چلہ طور پر: سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کا ذکر کیا ہے، اس کی تفصیل یہاں اس آیت مبارکہ میں ہے، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تیس راتوں کو دس اور راتوں کے ساتھ ملا کر وعدہ پورا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ چالیس راتیں اس طرح مکمل کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ تیس کے ساتھ دس اور ملائیں تو چالیس ہو جاتے ہیں۔

اس اشکال کے کئی جوابات ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تین دن روزے رکھنے کا حکم دیا تھا، جو کہ ذی القعدہ کا مہینہ تھا، جب موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن کے روزے پورے کیے تو معدے کے خالی ہونے کے باعث منہ سے نکلنے والی بو کو ناپسند کیا، اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر کے اپنا منہ صاف کر لیا، فرشتوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا وجہ ہے ہم آپ کے منہ سے مشک کی خوشبو سونگھا کرتے تھے، آپ نے مسواک کر کے اسے خراب کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ خُلُوفَ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدِي مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ آپ کو معلوم نہیں کہ روزے دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ مسواک کرنے کی وجہ سے وہ ان تیس دنوں کے اوپر دس دن ذی الحج کے روزے بھی رکھیں۔

دوسری وجہ چالیس کی اس طرح تفصیل کرنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ تیس دنوں کا روزہ رکھیں اور ان دنوں میں ایسا عمل کریں جو انہیں اللہ کے قریب کر دے، پھر آخری دس دنوں میں ان پر تورات اتاری جائے گی، اللہ ان دس دنوں میں ان سے کلام بھی کریں گے، خلاصہ یہ نکلا کہ چالیس کی تفصیل تیس اور دس کے ساتھ اس طرح کرنے کا فائدہ یہ ہوا۔

تیسری وجہ ابو مسلم اصفہانی رحمہ اللہ نے سورۃ طہ میں یہ بیان کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے پہلے اللہ کی ملاقات کے لیے عجلت میں تشریف لے گئے تھے، جس پر اللہ نے پوچھا بھی تھا کہ موسیٰ تجھے کس نے میرے ساتھ ملاقات میں جلدی میں ڈالا؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے میرے اللہ! وہ میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، جب تیس دن مکمل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ سامری نے ان کی قوم کو گمراہ کر دیا ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مدت پوری کیے بغیر اپنی قوم کی طرف آئے ، پھر آخری دس کی تکمیل کے لیے پھر گئے، یوں آپ نے چالیس کی مدت مکمل کی۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وعدہ اول پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے طور پر گئے ہوں اور وعدہ ثانی پر اپنی قوم کے منتخب لوگوں کو ساتھ لے کر گئے ہوں تاکہ وہ بھی اللہ کے کلام کو سن لیں، اس لیے یہ وعدہ حاضرین کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہو۔ (تفسیر کبیر للرازی)

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں چند مسائل اور احکام قابل غور ہیں، اول یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہی یہ تھا کہ اعتکاف چالیس راتوں کا کرایا جائے تو پہلے تیس اور بعد میں دس کا اضافہ کر کے چالیس کرنے میں کیا حکمت تھی، پہلے ہی چالیس راتوں کے اعتکاف کا حکم دے دیا جاتا تو کیا حرج تھا، سو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ تو کون کر سکتا ہے، بعض حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں۔ علامہ حقی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک حکمت تدریج اور آہستگی کی ہے کہ کوئی کام کسی کے ذمہ لگایا جائے تو اول ہی زیادہ مقدار کام کی اس پر نہ ڈالی جائے تاکہ وہ آسانی سے برداشت کرے، پھر مزید کام دیا جائے۔ (روح البیان)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرز میں حکام اور اولوالامر کو اس کی تعلیم دینا ہے کہ اگر کسی کو کوئی کام ایک معین وقت میں پورا کرنے کا حکم دیا جائے اور اس معین میعاد میں وہ پورا نہ کر سکے تو اس کو مزید مہلت دی جائے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں پیش آیا کہ تیس راتیں پوری کرنے کے بعد جس کیفیت کا حاصل ہونا مطلوب تھا وہ پوری نہ ہوئی اس لئے مزید دس راتوں کا اضافہ کیا گیا کیونکہ ان دس راتوں کے اضافہ کا جو واقعہ مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ تیس راتوں کے اعتکاف میں موسیٰ علیہ السلام نے حسب قاعدہ تیس روزے بھی مسلسل رکھے بیچ میں افطار نہیں کیا، تیسواں روزہ پورا کرنے کے بعد افطار کر کے مقررہ مقام طور پر حاضر ہوئے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ روزہ دار کے منہ سے جو ایک خاص قسم کی رائحہ معدہ کی تبخیر سے پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، آپ نے افطار کے بعد مسواک کر کے اس رائحہ کو زائل کر دیا، اس لئے مزید دس روزے اور رکھیے تاکہ وہ رائحہ پھر پیدا ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی)

اس میں لفظ وٰعَدْنَا وعدہ سے مشتق ہے اور وعدہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو نفع پہنچانے سے پہلے اس کا اظہار کر دینا کہ ہم تمہارے لئے فلاں کام کریں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس کے لئے یہ شرط لگائی کہ تیس راتیں کوہ طور پر اعتکاف اور ذکر اللہ میں گزار دیں اور پھر ان تیس پر اور دس راتوں کا اضافہ کر کے چالیس کر دیا۔

لفظ وٰعَدْنَا کے اصلی معنی دو طرف سے وعدے اور معاہدے کے آتے ہیں، یہاں بھی حضرت حق جل شانہ کی طرف سے عطاء تورات کا وعدہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تیس چالیس راتوں کے اعتکاف کا، اس لئے بجائے وَعَدنَا کے وٰعَدْنَا فرمایا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چالیس راتوں کو باطنی حالات کی اصلاح میں کوئی خاص دخل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ

ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرمادیتے ہیں۔ (روح البیان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کیوں کی تھی؟

سوال اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ پر اپنی تجلی ڈال کر جب اسے ریزہ ریزہ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس وجہ سے توبہ کی تھی؟ قرآنی آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۴۳} الأعراف

جواب ترجمہ: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے میں تیری جانب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں۔

تفسیر: اَخبار میں وارد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلام سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طورِ سیناء میں حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ایک ابر نازل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا۔ شیاطین اور زمین کے جانور حتّٰی کہ ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیٰحدہ کر دیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے ملائکہ کو مُلاحظہ فرمایا کہ ہوا میں کھڑے ہیں اور آپ نے عرش الٰہی کو صاف دیکھا یہاں تک کہ اَلواح پر قلموں کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے

اس نے اپنا کلام کریم سُنا کر نوازا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے لیکن جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وہ انہوں نے کچھ نہ سُنا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام ربّانی کی لذّت نے اس کے دیدار کا آرزو مند بنایا۔ (خازن وغیرہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں توبہ کرتا ہوں، یہ توبہ اس لیے کی کہ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، مجھے یہ عرض نہیں کرنا چاہیے تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان

سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سارے لوگوں پر انہیں برتری کیوں دی تھی؟ قرآنی آیت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ {۱۴۴} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور ہم کلامی سے دوسرے لوگوں پر تجھے امتیاز دیا ہے جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اسے لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

تفسیر: یعنی اے موسیٰ! میں نے ان تمام لوگوں پر جن کی طرف تجھے اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے میں نے منتخب کر لیا ہے، چن لیا ہے، ان سب میں سے تجھے ممتاز کر دیا ہے، میں نے تیرے ساتھ بلا کسی واسطے اور ذریعے کے کلام کیا ہے، اس لیے میرے احکامات کو لے لو، میرے نواہی سے بچو، میرے احکامات کو مضبوطی سے تھام لو، ان پر عمل کرو، اس پر تم شکر گزاری کرو کہ میں نے تمہیں اپنی رسالت کے لیے چنا ہے، میں نے تجھے اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے خاص کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی اس فضیلت کی علت ووجہ بیان فرمائی ہے، ابو الشیخ رحمہ اللہ نے ابن شوذب سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے پیغام کے ساتھ لوگوں پر کیوں چنا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! مجھے معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّهُ لَمْ يَتَوَاضَعْ لِي تَوَاضُعَكَ أَحَدٌ میرے لیے تجھ سے زیادہ عاجزی کسی نے اختیار نہیں کی۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت کعب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میری ایسے عمل کی طرف راہنمائی فرمائیں کہ میں وہ عمل کروں تاکہ تیرا شکر ہو سکے، اس کے صلے میں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ یہ پڑھا کریں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا عمل کرنے کا ارادہ کیا تھا جو ان کے جسم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تھکا دے، یہ عمل جو بتایا گیا یہ تو تھکا دینے والا نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا: موسیٰ! اگر سات آسمان اور سات زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو کلمے والا پلڑا جھک جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی تختیوں میں سب کچھ لکھ دیا ہے، اس میں نصیحت کی باتیں بھی ہیں اور ہر چیز کی تفصیل بھی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کی ایک روایت عبد بن حمید اور ابی حاتم نے نقل کی ہے، کہ تورات سونے کی قلموں سے تحریر کی گئی ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات لکھی تو وہ تختیوں پر قلم کے لکھنے کی آواز سن رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن تختیوں پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی تورات لکھی وہ جنت کی بیری کی تھیں، ایک تختی کی لمبائی بارہ ہاتھ تھی۔ ابو الشیخ رحمہ اللہ نے ابن جریج کی روایت نقل کی ہے کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ جن تختیوں پر تورات لکھی گئی وہ تختیاں جنت کے زبرجد اور زمرد کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دے کر جنت عدن سے منگوائی

تھیں، ان تختیوں پر اللہ نے اپنے دست مبارک سے اس قلم کے ساتھ لکھا جس کے ساتھ ذکر لکھا ہے، نہر نور کو کام میں لے کر ان تختیوں کو لکھا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ تختیاں یاقوت کی تھیں، جب کہ میں کہتا ہوں کہ وہ تختیاں زبرجد کی تھیں جب کہ ان کی کتابت سونے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان تختیوں پر اپنے دست مبارک سے لکھا، آسمان والوں نے قلم کے لکھنے کی آواز سنی۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں اولوں کی تھیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تورات کی تختیاں سبز زمرد کی تھیں، اللہ نے جبریل کو حکم دے کر جنت عدن سے منگوائی تھیں، اللہ نے اپنے دست مبارک کے ساتھ اس قلم کے ساتھ لکھا تھا جس سے ذکر لکھا، نور کی نہر کو استعمال کیا، اس کے ذریعے تختیوں کو لکھا۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات اس وقت اپنے ہاتھ سے لکھی جب موسیٰ علیہ السلام چٹان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، زمرد کی تختیوں پر قلم سے لکھنے کی آواز سن رہے تھے، اللہ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پردہ حائل تھا۔ (ابو الشیخ)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو ہاتھ لگایا، آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، جنت کا درخت اپنے ہاتھ کے ساتھ لگایا، تورات کو اپنے ہاتھ کے ساتھ لکھا۔ (عبد بن حمید)

حکیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے یہ بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف تین چیزوں کو ہاتھ لگایا، جنت کا درخت اپنے ہاتھ سے لگایا، اس کی مٹی ورس اور زعفران کی بنائی، اس کے پہاڑ مشک کے بنائے، آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، تورات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن منذر)

حضرت وردان بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، جبریل علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، قلم کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے عرش کو اپنے ہاتھ سے پیدا

فرمایا، اللہ کے پاس جو کتاب ہے وہ اپنے ہاتھ سے لکھی، جس پر اللہ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تورات کو اپنے ہاتھ کے ساتھ لکھا۔ (عبد بن حمید)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبرجد کی سات تختیوں میں لکھی تورات دی گئی، جس میں ہر چیز بیان کی گئی تھی، اس میں نصیحت کی چیزیں تھیں، جب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تو ان کی قوم کے لوگ بچھڑے کی عبادت میں جھکے ہوئے تھے، ان کے ہاتھ سے وہ تختیاں گر پڑیں تو وہ ٹوٹ گئیں، کچھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔

تورات میں وعظ و نصیحت کی باتیں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کریں

وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ{۱۴۵}سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ{۱۴۶}وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۱۴۷} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ہماری آیات کو

جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ ان کو انھیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

احسن کے معانی: قرآن کا لفظ باحسنہا کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا ہے یعنی ان پر عمل بے دلی سے اور بے کار سمجھ کر نہ کریں بلکہ نہایت خوش دلی، نشاط اور اللہ کی رضاجوئی کے لیے بہتر طریقہ سے ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان تختیوں پر لکھی ہوئی عبارت کا جو مفہوم ایک سلیم الطبع انسان کی عقل میں فوری طور پر آجاتا ہے اسی پر عمل کریں ان احکام کی عبارت کو فلسفیانہ موشگافیوں کی سان پر نہ چڑھائیں اور الٹی سیدھی تاویلات میں مشغول نہ ہو جائیں۔

دارالفاسقین: اس جملہ کے بھی دو مطلب ہیں ایک یہ کہ تم لوگ اب شام کی طرف جا رہے ہو راستہ میں تم کئی تباہ شدہ قوموں کے آثار قدیمہ کے پاس سے گزرو گے جس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی نافرمان قوموں کا کیا انجام ہوتا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دارالفاسقین سے مراد ملک شام میں عمالقہ کے گھر ہیں جن سے ان بنی اسرائیل کو جہاد کے لیے کہا جا رہا تھا اس معنی کی رو سے یہ جملہ ان کے لیے فتح کی خوشخبری کی حیثیت رکھتا ہے۔ (تیسیر القرآن)

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ: اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ ناحق تکبر اختیار کرتے ہیں، حق کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اس سے اعراض اور عناد کا راستہ اپناتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آیات میں غور و فکر اور ہدایت کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے، ایسے لوگ نشانیوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، ہدایت کے راستے کو پہچان کر بھی اختیار نہیں کرتے اور گمراہی کے راستے کو خوشی سے اپنا لیتے ہیں، یہ حالت ان کے اپنے اعمال، آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور غفلت کا نتیجہ ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں، ان کے وہ تمام اعمال جو بظاہر نیکی کے ہوں، ایمان کے بغیر ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں اور قیامت کے دن انہیں کسی نیکی کا اجر نہیں ملے گا، ان کا بدلہ صرف وہی ہو گا جو انہوں نے کفر اور شرک کی صورت میں کمایا، اور اس کا انجام دائمی عذابِ جہنم ہے۔

قوم موسیٰ کی گوسالہ پرستی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ {۱۴۸} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنالیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آوازیں نکلتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے؟ اس کو انہوں نے (معبود) بنالیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا۔

جس بچھڑے کو قوم موسیٰ نے اپنا معبود بنایا تھا یہ بے جان تھا، اس میں روح نہیں تھی، بس آواز ہی آواز تھی، مگر ان لوگوں کے ہوش و حواس نے اتنا کام نہیں کیا کہ یہ بچھڑا ان سے بات نہیں کر سکتا، نہ ہی خیر کی طرف ان کی راہنمائی کر سکتا ہے، اس کے باوجود انہوں نے ایسے فعل شنیع اور قبیح کا ارتکاب کیا، جس کے باعث انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی، کہ وضع الشی فی غیر محلہ (کسی چیز کو اپنے موقع اور محل سے ہٹ کر دوسری جگہ رکھنا) کا ارتکاب کیا۔

سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کا طور پر جانے کے بعد یہ کیا دھرا تھا کہ قوم کو گمراہی میں مبتلا کر ڈالا، ان سے زیورات لے کر انہیں پگھلا کر بے جان بچھڑے میں انڈیل دیا، جب یہ پگھلے ہوئے زیورات ایک راستے سے داخل ہو کر دوسرے راستے سے نکلتے تھے تو عجیب قسم کی آواز آتی تھی، جس سے سامری کا معاملہ یوں آسان ہو گیا کہ اس نے لوگوں کو کہا جس خدا کو موسیٰ طور پر تلاش

کرنے گئے ہیں وہ تو یہ موجود ہے، جس سے عجیب قسم کی آواز آرہی ہے، چنانچہ احمق لوگوں نے بے سوچے سمجھے ایک خود ساختہ چیز کی پوجا شروع کر دی، جس پر ہزاروں لوگ بعد میں معافی مانگنے کی خواہش پر قتل کر دیے گئے تھے۔

گوسالہ پرستی کے بعد شرمندگی وندامت

سوال کیا قوم موسیٰ اپنے اس فعل پر شرمندہ اور نادم ہوئی تھی کہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی؟ قرآنی آیت کی روشنی میں وضاحت وتفسیر فرمایئے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ {۱۴۹} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

تفسیر: ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر بچھڑے کے پجاری شرمندہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی اطاعت پر آمادہ ہوگئے, عرب لوگ فوت شدہ معاملے پر شرمندہ اور عاجز کو قَدْ سُقِطَ فِي يَدَيهِ کہتے ہیں، یہ محاورہ عاجز و درماندہ، نادم کے لیے سَقَطَ وَ أَسقَطَ فِي يَدَيهِ کہتے ہیں۔ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا: انہوں نے دیکھ لیا کہ انہوں نے سیدھی راہ کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کے دین سے دور جا پڑے اور رب تعالیٰ کا انکار کر دیا، اب توبہ کرتے ہوئے کہنے لگے: لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔

شرک وگوسالہ پرستی نے موسیٰ علیہ السلام کو غصہ دلایا

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کیوں کھینچا تھا؟ قرآنی آیت کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہوئے بتایئے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۠ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۱۵۰} الأعراف

جواب ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا؟ (یہ کہا) اور شدت غضب سے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی جان! لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔ تو ایسا کام نہ کیجئے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے۔

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلامی کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹے تو دیکھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہو چکے ہیں، یہ منظر دیکھ کر آپ شدید غضب اور گہرے رنج میں مبتلا ہو گئے، یہ غصہ ذاتی نہ تھا بلکہ خالصتاً دینی غیرت اور توحید کے تقدس کے دفاع کا تقاضا تھا، اسی کیفیت میں آپ نے اپنی قوم کو سخت ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے میرے بعد کیسی بری جانشینی دکھائی، کیا تم نے اپنے رب کے حکم پر صبر نہ کیا اور اتنی جلدی گمراہی اختیار کر لی؟

غیرت ایمانی کے جوش میں حضرت موسیٰ نے تختیاں زمین پر رکھ دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، یہ طرز عمل غصے کے غلبے اور امت کی دینی حالت پر شدید کرب کا اظہار تھا، نہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام پر حقیقی الزام، حضرت ہارون علیہ السلام نے فوراً اپنی مجبوری بیان کی کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا، میری بات نہ مانی، بلکہ قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے، انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ دشمنوں کو میرے حال پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں میں شامل نہ فرمایئے، کیونکہ میں نے اپنی طاقت بھر اصلاح کی کوشش کی تھی۔

غضب کے بعد رحمت، توبہ کی قبولیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ {۱۵۱} اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ {۱۵۲} وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۵۳} وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ {۱۵۴} الاعراف

جواب ترجمہ: موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں، اور اسی طرح ہم افتراء کرنے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہ کیے پھر ان کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأَخِيْ: الخ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حقیقت واضح ہوگئی اور یہ معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام اپنی پوری استطاعت کے باوجود قوم کو شرک سے نہ روک سکے تھے، تو آپ کا جوشِ غضب دعا اور انکسار میں بدل گیا، آپ علیہ السلام نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ وہ مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور اپنی خاص رحمت میں داخل کرلے، کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے، اس دعا میں ایک طرف نبی کی عاجزی ہے اور دوسری طرف بھائی کی عزت و برأت کی عملی تائید بھی۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ: الخ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، ان پر اللہ کا غضب نازل ہو کر رہے گا اور دنیا میں بھی ذلت ان کا مقدر بنے گی، یہ وعید ہر اس شخص کے لیے ہے جو شرک کرے اور اللہ پر جھوٹ گھڑے، کہ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا: الخ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی وسیع رحمت کا دروازہ بھی کھول دیا کہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہوں، اگر وہ اس کے بعد سچی توبہ کر لیں اور ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے بے حد بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یوں ناامیدی کے بجائے توبہ ورجوع کی ترغیب دی گئی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ: الخ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ پر سکون ہو گئے تو انہوں نے وہ تختیاں اٹھالیں جو انہوں نے غصے کی حالت میں پھینک دی تھیں، ان تختیوں میں گمراہی سے بچانے والی ہدایت، حق کی واضح رہنمائی اور ان لوگوں کے لیے رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔

کوہ طور پر ہلاکت کے بعد زندگی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۚ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۚ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ {۱۵۵} (الأعراف)

جواب ترجمہ: اور موسیٰ نے (اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی) اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کئے جب ان کو زلزلے نے پکڑا تو (موسیٰ نے) کہا کہ اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو

ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور اللہ کی بارگاہ میں دعائیں مانگنا شروع کیں، لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے، یہ دعا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور ان پر بھونچال آ گیا، جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔

سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کیلئے گئے تھے۔ یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے۔ ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مر کھپ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین لوگ تھے اگر یہی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

امام محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کیلئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے۔ ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے۔ مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں آپ نے دعا کی جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا اس وقت

کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا آپ نے حجاب کر لیا لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے یہ کر یہ نہ کرو وغیرہ۔

جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا ہم تو جب تک اللہ کو خود خوب ظاہر نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑا کا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دیں اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر اور شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے۔ ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا اس پر آپ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارون کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں انہوں نے کہا بس موسیٰ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے اب تو حضرت موسیٰ بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے اس کا ایک راوی عمارہ بن عبد غیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بچھڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هُدْنَآ کا مطلب کیا ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ میں هُدْنَآ اِلَيْكَ کا مطلب کیا ہے؟

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ {۱۵۶} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: هُدْنَآ مادہ (ه دي) سے ہے، جس کے اصل معنی ہیں: پلٹ آنا، رجوع کرنا، مائل ہونا، سیدھی راہ اختیار کرنا۔ اسی مادہ سے ہدایت بھی ہے، مگر یہاں معنی محض "ہدایت پالینا" نہیں بلکہ ارادی رجوع اور عملی واپسی ہے۔

مفسرین کے نزدیک إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ کے یہ مفاہیم ہیں: ہم تیری طرف رجوع کر چکے ہیں یعنی شرک، لغزش اور کوتاہی سے ہٹ کر اخلاص کے ساتھ تیری طرف پلٹ آئے ہیں۔ ہم نے توبہ کرلی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی طرف سے اعتراف ہے کہ ہم نے جو لغزش کی (بچھڑے کی عبادت) اس سے توبہ کر کے تیری طرف واپس آگئے ہیں۔ ہم نے اپنا رخ تیری اطاعت کی طرف موڑ لیا ہے یعنی اب ہمارا قصد، ارادہ اور عملی راستہ صرف تیری بندگی ہے۔ ہم تیرے حکم کے تابع ہو گئے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا: أَي تُبنَا وَأَنَبنَا وَأَخلَصنَا العِبَادَةَ لَكَ یعنی ہم نے توبہ کی، انابت اختیار کی اور عبادت کو خالص تیرے لیے کر دیا۔

یہ دعا اس وقت کی ہے جب بنی اسرائیل سے عظیم لغزش ہو چکی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور قوم کی طرف سے معافی مانگی، اس لیے یہاں "هُدْنَا إِلَيْكَ" کا سب سے جامع مفہوم یہ ہے: اے اللہ! ہم نے گناہ چھوڑ کر، شرک سے باز آکر، پورے اخلاص کے ساتھ تیری طرف رجوع

کر لیا ہے" خلاصہ معنی إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ کا مطلب ہے: ہم نے توبہ کر لی، ہم پلٹ آئے، ہم نے اپنا رخ، دل اور عمل تیری طرف کر لیا۔

تورات اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کی صفات

سوال تورات اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کی کون کون سی صفات بیان کی گئی ہیں؟ قرآن کریم اس بارے میں ہمیں کیسے مطلع کرتا ہے؟

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ{۱۵۷} الأعراف

جواب ترجمہ: وہ جو (محمد ﷺ رسول اللہ کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں۔ جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان پر (اور گلے میں) تھے۔ اتارتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔

تورات اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفات بیان کی گئی تھیں کہ آپ ﷺ امی ہوں گے، نہ پڑھیں گے اور نہ لکھیں گے، لوگوں کو توحید و اطاعت کا حکم دیں گے، ہر وہ چیز جس کو اچھا خیال کریں گے اس کو کرنے کا حکم دیں گے، انہیں شرک اور نافرمانی کے علاوہ ہر اس چیز سے روکیں گے جسے وہ برا خیال کریں گے، ان کے لیے کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیں گے، منکوحات میں

حلال چیزوں کو واضح کریں گے، کھانے اور پینے کی گندی چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیں گے، جیسے خنزیر کا گوشت ہے، اسی طرح ان کے لیے ان چیزوں کو حرام قرار دیں گے جنہیں اللہ نے تو ان کے لیے حرام قرار دیا ہے مگر وہ اپنے تئیں ان کو حلال سمجھ بیٹھے تھے، اسی طرح آپ ﷺ کی شان یہ ہو گی کہ وہ لوگوں سے ان تکلیف دہ چیزوں کو دور کر دیں گے جنہیں کرنے کی وہ طاقت سے عاری ہوں گے، جیسے نجاست والے کپڑے کو نجاست والی جگہ سے کاٹ دینا، غنیمتوں کو جلانا، اسی طرح قتل کرنے والے سے ہر صورت میں بدلہ لینا، چاہے اس نے جان بوجھ کر قتل کیا یا غلطی سے قتل کیا۔

آج بھی تحریف شدہ تورات اور انجیل کو اگر بنظر انصاف دیکھا اور پڑھا جائے تو اس میں کہیں اشارتاً اور کہیں کنایتاً ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان موجود ہے، کہیں وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے مگر حسد اور بغض کا کوئی علاج نہیں ہے ان کتب کے حاملین وہ صفات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ورنہ دنیا کو پتا چل جائے کہ حق کیا ہے اور کیا نہیں ہے، ساری دنیا کے سامنے حق روز روشن کی طرح واضح ہو جائے جن کے سامنے حق واضح ہوا انہوں نے علی الاعلان اعتراف کیا کہ واقعی تورات اور زبور میں اور انجیل میں فلاں فلاں مقام پر نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر موجود ہے، انجیل برنابا کو تو دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ اس میں آپ ﷺ کا ذکر وضاحت سے موجود ہے۔

حضرت محمد ﷺ عالمگیر نبی

سوال یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت ساری انسانیت کے لیے ہے، اس کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ {۱۵۸} الأعراف

جواب ترجمہ: اے نبی ﷺ! فرما دیجیے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ کہ اس

کے لیے ہے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نبی امی ہیں، وہ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے تمام کلاموں پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

اس آیت میں واضح موجود ہے کہ آپ ﷺ ساری انسانیت کی طرف نبی بن کر تشریف لائے، آپ ﷺ عالمگیر نبی ہیں، کسی خاص فرقے، کسی خاص مسلک، کسی خاص گروہ، کسی خاص جماعت کی طرف آپ ﷺ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا، بھیجنے والا اللہ ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے، جو الوہیت اور عبادت کا مستحق ہے، جو مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے اور پیدا کرنے پر قادر ہے، انسانوں اور ساری مخلوقات کو فنائیت کے گھاٹ اتارنے پر بھی قادر ہے، اس لیے تمہیں حکم یہ ہے کہ اللہ کو سچا جانو اور اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے رسول ﷺ کو سچا جانو، ان کا نام نامی محمد ﷺ ہے، جن کی صفات میں امی ہونا ہے، جو اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اتاری جانے والی تمام کتابوں اور اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے تمہیں حکم یہ ہے کہ اس باعظمت رسول ﷺ کی اطاعت کرو، جس چیز کا آپ ﷺ حکم دیں اسے کرنے کا التزام کرو، ان کی اطاعت گویا کہ اللہ کی اطاعت ہے، اس امید کے ساتھ ایسا کرو کہ اللہ تمہیں راہ مستقیم پر گامزن کرے۔

قوم موسیٰ میں ایک ہدایت یافتہ امت

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ {۱۵۹} الاعراف

جواب ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قوم موسیٰ، یعنی بنی اسرائیل میں ایک جماعت ایسی موجود ہے، جو حق کی راہ پر چلنے والی ہے، یعنی وہ حق پر عامل و مستقیم ہیں اور حق کے مطابق ہی وہ لیتے دیتے ہیں اور انصاف

کرتے اور ظلم سے گریزاں ہیں۔ یہ جماعت کونسی ہے؟ اس میں مفسرین کے اقوال ہیں: قول اول: یہ وہ قوم ہے جن کے اور تمہارے مابین شہد کی نہر ہے۔

حضرت سدی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اور تمہارے مابین شہد کی نہر ہے۔

ابن جریج رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور کفر کیا، ان کے بارہ قبائل تھے، ایک قبیلہ نے ان سے بیزاری اختیار کی اور اللہ کے ہاں عذر کیا، اللہ تعالیٰ نے طلب کیا کہ ان کے مابین تفریق کر دی جائے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین کی سرنگ کھول دی، وہ اس میں چلتے گئے یہاں تک کہ چین کے پچھلی جانب جا نکلے، وہ اسی جگہ ہیں، وہ دین ابراہیم کے مطابق مسلمان ہیں، بیت اللہ کا رخ کرتے ہیں۔

ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (سورۃ الاسراء:۱۰۴) یہ پہلا وعدہ اور وَعْدُ الْآخِرَةِ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ لوگ سرنگ میں ڈیڑھ سال چلتے رہے۔ (واللہ اعلم)۔ (تفسیر طبری)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں یہ ایک قوم ہے جو چین سے پرے اور دریائے رمل سے پرے ہے، وہ حق اور عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، وہ حضور نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے اور ہفتہ کو (کاروبار) چھوڑ دیا، وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں، ان میں سے کوئی ہم تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہم میں سے کوئی ان تک پہنچ سکتا ہے، روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اختلاف رونما ہوا تو ان میں سے ایک گروہ تھا جو حق کے ساتھ راہ بتاتے تھے اور وہ اس پر قادر نہ تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی زمین کے ایک کنارہ کی طرف مخلوق سے الگ تھلک کر کے نکال دیا، پس ان

کے لیے زمین میں ایک راستہ بن گیا، وہ اس میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے یہاں تک کہ وہ چین سے پرے نکل گئے اور وہ اب تک حق پر ہیں، ان کے درمیان اور لوگوں کے درمیان ایک سمندر جس کی وجہ سے کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ (الجامع لاحکام القرآن)

میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر فضل خداوندی

سوال اللہ تعالیٰ نے میدان تیہ میں قوم موسیٰ علیہ السلام پر کون سا فضل کیا تھا؟ آیت قرآنی کی روشنی میں تفسیر کیجیے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ {۱۶۰} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مار دو۔ تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان (کے سروں) پر بادل کو سائبان بنائے رکھا اور ان پر من و سلویٰ اتارتے رہے۔ (اور ان کے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم تمہیں دیتے ہیں انہیں کھاؤ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان (کیا) اپنا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے میدان تیہ میں قوم موسیٰ علیہ السلام پر اپنا خاص فضل یہ فرمایا تھا کہ ان کے لیے پانی کا چشمہ جاری فرمایا تھا، ان پر بادلوں سے سایہ کیا تھا، ان پر من (شہد) اور سلویٰ اتارا تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل کس قدر لاڈلے تھے کہ ان کی طلب پر انہیں پانی مہیا کیا گیا، ان کی طلب پر سخت گرم موسم میں ان پر سایہ کیا گیا، ان پر من وسلویٰ اتارا گیا، انہیں کھانے کے لیے پاکیزہ رزق دیا گیا، انہیں لباس کی طلب ہوئی تو ان کے جسموں کے بڑھنے کے ساتھ ہی لباس بھی بڑھتا چلا جاتا تھا، اسی بناء پر یہ کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں، بلکہ ترنگ میں آکر اپنے کو اللہ کا بیٹا باور کراتے تھے، اس لاڈلے پن نے ان میں خرابی بھی پیدا کر دی تھی کہ یہ احکامات خداوندی کا تمسخر اڑاتے تھے، جس کی انہیں سزا دی گئی تھی۔

بنی اسرائیل پر آسمان سے عذاب

سوال اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں ٹھہرنے کا حکم دیا تو اس کے بعد ان پر آسمان سے عذاب کیوں اتارا؟ قرآنی آیت کا ترجمہ اور تفسیر فرمائیے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيٰٓـتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ{۱۶۱}فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ {۱۶۲} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرلو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حِطَّۃ کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا۔ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔ اور نیکی کرنیوالوں کو اور زیادہ دیں گے۔ مگر جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عذاب اس لیے اتارا تھا کہ اللہ نے انہیں بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، کہ وہاں داخل ہو جاؤ، وہاں کے پھل، دانے اور میوے کھاؤ، غرضیکہ تمہاری جو

مرضی ہے وہ کھاؤ اور پیو، اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو، باب المقدس سے داخل ہوتے وقت اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے اور جھکتے ہوئے داخل ہو، تاکہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے مگر انہوں نے اس کے الٹ کیا کہ وہ باب المقدس سے اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے داخل نہیں ہوئے، اللہ ہمیں معاف کر دے کی جگہ انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں گندم دے دے۔ اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے، تمسخر کرنے اور استہزا کرنے کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب اتارا گیا، اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ان کو بے شمار نعمتوں سے شاید مزید نوازا جاتا۔

بنی اسرائیل ذلیل بندر کیوں بنائے گئے؟

سوال اصحاب سبت (ہفتے والے) کا قصہ کیا ہے؟ آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ {۱۶۳} وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ {۱۶۴} فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ {۱۶۵} فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ {۱۶۶} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ان سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جو لب دریا واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ تو انہوں نے کہا اس لیے کہ

تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں اور عجب نہیں کہ وہ پرہیز گاری اختیار کریں۔ جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا۔ کہ نافرمانی کئے جاتے تھے۔ غرض جن اعمال (بد) سے ان کو منع کیا گیا تھا جب وہ ان (پر اصرار اور ہمارے حکم) سے گردن کشی کرنے لگے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو حکم دیا کہ وہ ہفتہ والے دن کی تعظیم کریں، اس میں مچھلی کا شکار نہ کریں، اس کے بعد اللہ نے انہیں آزمائش سے دوچار کرتے ہوئے امتحان میں ڈال دیا، چنانچہ ہفتے والے دن دریا میں بہت زیادہ مچھلیاں تیرتی ہوئیں ساحل پر آجاتی تھیں، جب ہفتے کا دن ختم ہوتا تو مچھلیاں دریا کے اندر چلی جاتی تھیں، ان میں سے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، چنانچہ یہودیوں کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ مچھلیوں کو ہفتہ کے دن گڑھوں میں قید کر لیں اور اس کے بعد ان کا شکار کر لیں، چنانچہ اس حیلے کے باعث وہ حد سے تجاوز کر گئے تو قدرت والے نے انہیں دردناک عذاب میں پکڑا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل بندر بننے کا حکم دے دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی تھی، اللہ کی اطاعت سے نکل گئے تھے، ایک گروہ نے تو سرکشی کا ارتکاب کر لیا تھا، اللہ نے جس چیز سے منع کیا تھا اس کی حدود پھلانگ گیا تھا، اللہ نے انہیں ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے سے منع کیا تھا مگر وہ باز آنے کی بجائے شکار کرنے پر تل گئے تھے، اللہ نے انہیں ذلیل بندر بناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم ہر خیر اور بھلائی سے دور ہٹ جاؤ، چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے تھے۔

یہود کی دائمی ذلت

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۱۶۷} الأعراف

جواب ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتا رہے۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

اس اعلان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھیجا، جنہوں نے یہودیوں کو ذلت کی کھائی میں ڈالا، ان سے جزیہ وصول کیا، ان کے بعد بخت نصر آیا جس نے انہیں قتل کیا اور انہیں قیدی بنایا، ان پر جزیہ لاگو کیا، یہود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک مجوس کو جزیہ دیتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ نافذ کیا اور انہیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تاوان مقرر کر دیا تھا سات سال یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے، سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی پھر کسرانیوں کلدانیوں اور نصرانیوں کی، سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقع نہ ملا۔ پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا۔ غرض یہ ذلیل رہے اس امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے۔ (ابن کثیر)

یہود ٹکڑیوں میں تقسیم

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ {۱۶۸} الأعراف۔

جواب ترجمہ: ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف اور ہم ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمائش میں مبتلا کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں دوسری آیت میں یہودیوں پر ایک اور سزا کا ذکر ہے، جو اسی دنیا میں ان کو دی گئی وہ یہ کہ ان کی آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر اور متفرق ہو گئی، کسی جگہ ایک ملک میں ان کا اجتماع نہ رہا، وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا کا یہی مطلب ہے قَطَّعنَا، مصدر تقطیع سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور اُمَمٌ، اُمَّةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں، ایک جماعت یا ایک فرقہ، مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہود کی قوم کے ٹکڑے ٹکڑے زمین کے مختلف حصوں میں متفرق کر دیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کا ایک جگہ اجتماع اور اکثریت اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے اور اس کا مختلف جگہوں میں منتشر ہو جانا ایک طرح کا عذاب الٰہی، مسلمانوں پر حق تعالیٰ کا یہ انعام ہمیشہ رہا ہے اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا کہ وہ جس جگہ رہے ان کی ایک زبردست اجتماعی قوت وہاں پیدا ہو گئی، مدینہ طیبہ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور مشرق و مغرب میں اسی کیفیت کے ساتھ حیرت انگیز طریقہ پر پھیلا، مشرق بعید میں، پاکستان، انڈونیشیا وغیرہ مستقل اسلامی حکومتیں اسی کے نتیجہ میں بنیں، اس کے بالمقابل یہودیوں کا حال ہمیشہ یہ رہا کہ مختلف ملکوں میں منتشر رہے، مالدار کتنے بھی ہوں مگر اقتدار و اختیار ان کے ہاتھ نہ آیا۔

چند سال سے فلسطین کے ایک حصہ میں ان کے اجتماع اور مصنوعی اقتدار سے دھوکہ نہ کھایا جائے اجتماع تو ان کا اس جگہ میں آخری زمانہ میں ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ صادق مصدوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں قرب قیامت کے لئے یہ خبر دی گئی ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، نصاریٰ سب مسلمان ہو جائیں گے اور یہودیوں سے جہاد کر کے ان کو قتل کریں گے، خدا کا مجرم وارنٹ اور پولیس کے ذریعہ پکڑ کر نہیں بلایا جاتا بلکہ وہ تکوینی اسباب ایسے جمع کر دیتے ہیں کہ مجرم اپنے پاؤں چل کر ہزاروں کوششیں کر کے اپنی قتل گاہ پر پہنچتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ملک شام دمشق میں ہونے والا ہے، یہودیوں کے ساتھ معرکہ بھی یہیں بننا ہے تاکہ

عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کا قلع قمع کر دینا سہل ہو، قدرت نے دنیا کی پوری عمر میں تو یہودیوں کو مختلف ملکوں میں منتشر رکھ کر محکومیت اور بے قدری کا عذاب چکھایا اور آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسانی کے لئے ان کو ان کے مقتل میں جمع فرما دیا اس لئے یہ اجتماع اس عذاب کے منافی نہیں۔

رہا ان کی موجودہ حکومت اور مصنوعی اقتدار کا قضیہ سو یہاں ایک ایسا دھوکہ ہے جس پر آج کی مہذب دنیا نے اگرچہ بہت خوبصورت ملمع کا پردہ چڑھایا ہوا ہے لیکن کوئی دنیا کی سیاست سے باخبر انسان ایک منٹ کے لئے بھی اس سے دھوکہ نہیں کھا سکتا کیونکہ آج جس خطہ کو اسرائیل مملکت کا نام دیا جاتا ہے وہ درحقیقت روس، امریکہ اور انگلینڈ کی ایک مشترک چھاؤنی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ محض ان حکومتوں کی امداد سے زندہ ہے اور ان کے تابع فرمان رہنے ہی میں اس کے وجود کا راز مضمر ہے، ظاہر ہے کہ اس حقیقی غلامی کو مجازی حکومت کا نام دے دینے سے اس قوم کو کوئی اقتدار حاصل نہیں ہو جاتا، قرآن کریم نے ان کے بارے میں تا قیامت رسوائی اور خواری کے جس عذاب کا ذکر کیا ہے وہ آج بھی بدستور موجود ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے، وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ، یعنی جب کہ آپ کے رب نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان لوگوں پر کسی ایسی طاقت کو قیامت تک مسلط کر دے گا جو ان کو برا عذاب چکھائے۔ (معارف القرآن)

جیسا کہ اول سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ اور آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور باقی ماندہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہر جگہ سے ذلت و خواری کے ساتھ ان کا نکالا جانا مشہور و معروف اور تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔

بعد والے یہود پہلے والوں سے زیادہ بدتر

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ

لَنَآ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ {۱۶۹} وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ {۱۷۰} الأعراف

جواب ترجمہ : پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے۔ یہ (بے تامل) اس دنیائے دنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیے جائیں گے۔ اور (لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آجاتا ہے تو وہ بھی اسے لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ خدا پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے ؟ اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے۔ اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں ؟ اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بیشک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا۔

پہلے والوں میں پھر بھی کچھ نہ کچھ معاملہ اور نوعیت کا تھا مگر بعد والوں کا طریقہ کار پہلوں سے بہت دور نکل گیا تھا، انہوں نے تورات اپنے اَسلاف سے پائی اور اس کے اوامر ونواہی اور تحلیل و تحریم وغیرہ مضامین پر مطّلع ہوئے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو رسولِ کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کی حالت یہ ہے کہ بطورِ رشوت کے احکام کی تبدیل اور کلام کی تغییر پر اور وہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حرام ہے لیکن پھر بھی اس گناہِ عظیم پر مصر ہیں۔ پھر گناہوں کے دلدل میں پھنسنے کے باوجود ان کا یہ دعویٰ محض تھا کہ ان گناہوں پر ہم سے کچھ مؤاخذہ نہ ہوگا اور آئندہ بھی گناہ کرتے چلے جائیں۔

سدی رحمہ اللہ نے کہا کہ بنی اسرائیل میں کوئی قاضی ایسا نہ ہوتا تھا جو رشوت نہ لے جب اس سے کہا جاتا تھا کہ تم رشوت لیتے ہو تو کہتا تھا کہ یہ گناہ بخش دیا جائے گا، اس کے زمانہ میں دوسرے اس پر

طعن کرتے تھے لیکن جب وہ مر جاتا یا معزول کر دیا جاتا اور وہی طعن کرنے والے اس کی جگہ حاکم و قاضی ہوتے تو وہ بھی اسی طرح رشوت لیتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بعد والوں نے اپنے اسلاف سے جو میراث تورات کی شکل میں پائی تھی اسے انہوں نے دیکھا، اسے پڑھا، اس کے احکامات کو جانا مگر ماننے اور عمل کرنے کی بجائے ان احکامات کی مخالفت کی، ان کی غلط کاریوں میں ایک بڑی غلط کاری یہ تھی کہ وہ رشوت ستانی کے جرم میں بری طرح مبتلا تھے، پھر اس سب حرام کاری کے باوجود وہ اپنے تئیں بخشش اور مغفرت کی آس اور امید لگائے ہوئے تھے، حرام چیزوں کو حلال جانتے، گناہوں پر مصر ہوتے اور حرام وصول کرتے تھے، حالانکہ ان سے عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ وہ تورات کے احکامات پر عمل پیرا ہوں گے، جو کچھ اس میں موجود ہے اس کو مانیں گے، اللہ پر کسی قسم کا جھوٹ نہیں باندھیں گے، حق بات کہیں گے، اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کے لیے دارآخرت بہترین ہے، جو اس کے احکامات کی پیروی کرتے اور اس کے نواہی سے اجتناب کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ: اور جو لوگ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں، اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، اور نماز کو اس کے اوقات، شرائط، واجبات اور سنن کی پوری پابندی کے ساتھ قائم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، کیونکہ اللہ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ایمان کے بعد بندے کا سب سے افضل عمل نماز قائم کرنا ہے، کیونکہ وہ دین کا ستون ہے۔

جب پہاڑ سائبان بن گیا

سوال اس آیت کی روشنی میں بتایا جائے کہ بنی اسرائیل پر پہاڑ کیوں بلند کیا گیا تھا؟

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا أَنَّهُ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ{۱۷۱} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو اس لیے لا کھڑا کر دیا تھا کہ انہوں نے تورات کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہوئے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو اٹھا کر بلند کر دیا تھا اور انہیں دھمکایا تھا کہ یہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا اگر تورات کے احکامات کو قبول نہ کیا۔

اشکال: اگر بنی اسرائیل پر پہاڑ کا اٹھایا جانا ایک حقیقی معجزہ تھا، جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے، تو قرآن نے یہ کیوں فرمایا: كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ (گویا وہ سائبان تھا)؟ کیا یہ تعبیر اس واقعے کے مجازی یا تخیّلی ہونے کی طرف اشارہ نہیں؟ اسی تشبیہ سے شاید ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی جو کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ ان کے سروں پر بلند نہیں کیا گیا بلکہ لگ یوں رہا تھا گویا ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا ہے۔

جواب نَتَقَ کا مادہ (ن ت ق) عربی لغت میں کسی چیز کو زور کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ کر اوپر اٹھانے کے لیے آتا ہے۔ ابن فارس لکھتے ہیں: اَلنُّونُ وَالتَّاءُ وَالقَافُ أَصلٌ يَدُلُّ عَلَى قَلعِ الشَّيءِ وَرَفعِهِ بِشِدَّةٍ (مقاییس اللغہ) کسی چیز کو زور کے ساتھ جڑ سے اکھاڑ کر اوپر اٹھانا۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: اَلنَّتْقُ: اِقتِلَاعُ الشَّيءِ مِن مَّوضِعِهِ وَرَفعِهِ (المفردات فی غریب القرآن) اس سے واضح ہوا کہ نَتَقْنَا الْجَبَلَ محض ہلانے یا اونچا دکھانے کا نام نہیں بلکہ حقیقی طور پر پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر اوپر اٹھانا ہے۔

نَتَقْنَا اور رَفَعْنَا میں فرق: قرآن میں صرف رفع (بلند کرنا) کا لفظ کبھی مجازی معنی بھی دے سکتا ہے، لیکن نَتْق میں اِقتِلَاع (جڑ سے اکھاڑنا) لازم ہے۔ امام طبری لکھتے ہیں: نَتَقنَا الجَبَل: قَلَعنَاهُ مِن أَصلِهِ فَرَفَعنَاهُ فَوقَهُم (تفسیر طبری، الاعراف ۱۷۱) اس لیے یہاں معجزہ: حسی بھی ہے، حقیقی بھی، اور ظاہری بھی ہے۔

لفظ ظُلَّةٌ کی لغوی وضاحت: ظُلَّةٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اوپر سے سایہ کرے، چاہے وہ: بادل ہو۔ چھت ہو۔ یا کوئی معلق جسم۔ ابن منظور لکھتے ہیں: ظُلَّةٌ: كُلُّ مَا أَظَلَّكَ مِن فَوقِكَ، ہر وہ چیز جو اوپر سے سایہ کرے۔ (لسان العرب) لفظ ظُلَّةٌ میں کہیں بھی یہ مفہوم نہیں کہ وہ چیز ہلکی یا غیر حقیقی ہو۔

كَأَنَّهٗ ظُلَّةٌ اسلوبِ تشبیہ: لفظ كَأَنَّ عربی میں تشبیہِ حسی کے لیے آتا ہے، نہ کہ حقیقت کے انکار کے لیے۔ زمخشری لکھتے ہیں: اَلتَّشبِيهُ هِنَا لِبَيَانِ الهَيئَةِ لَا لِنَفيِ الحَقِيقَةِ، یہاں تشبیہ ہیئت کے بیان کے لیے ہے نہ کہ حقیقت کی نفی کے لیے۔ (الکشاف، الاعراف: ۱۷۱) یعنی: پہاڑ پہاڑ ہی تھا، مگر جب وہ سر پر معلق ہوا تو دیکھنے میں سائبان جیسا محسوس ہوا، یہ بالکل اسی اسلوب پر ہے جیسے: وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا، کیا آسمان حقیقتاً چھت بن جاتا ہے؟ نہیں، بلکہ کیفیت و منظر کو واضح کیا جاتا ہے۔

آیت کا آخری حصہ: فیصلہ کن دلیل: وَظَنُّوا أَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ، اگر پہاڑ محض تمثیل یا مجاز ہوتا: تو گرنے کا گمان کیوں ہوتا؟ جان کا خوف کیوں طاری ہوتا؟ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَو لَم يَكُن الجَبَل مَرفُوعًا حَقِيقَةً لَمَا خَافُوا وُقُوعه، (الجامع لأحکام القرآن) اگر یہ پہاڑ حقیقی طور پر بلند نہ کیا گیا ہوتا تو وہ لوگ خوف زدہ کیوں ہوتے؟ خوف ہمیشہ حقیقی خطرے سے پیدا ہوتا ہے، خیالی منظر سے نہیں، معلوم ہوا کہ پہاڑ حقیقی معنیٰ میں ان کے سروں پر معلق کیا گیا تھا۔

خلاصۂ تحقیق: نَتَقْنَا: لغت، تفسیر اور سیاق تینوں اعتبار سے حقیقی معجزے پر دلالت کرتا ہے۔ ظُلَّةٌ حقیقت کی نفی نہیں بلکہ کیفیتِ منظر کا بیان ہے۔ كَأَنَّهٗ اسلوبِ تشبیہ ہے، اسلوبِ انکار نہیں، جمہور مفسرین طبری، قرطبی، زمخشری رحمہم اللہ سب اس کے حقیقی ہونے پر متفق ہیں۔

عالم ارواح میں لیا گیا عہد و پیمان

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ {۱۷۲} اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ {۱۷۳} وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ {۱۷۴} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو (ان کی) اولاد تھے (جو) ان کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے؟ اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں۔

امام مالک، ابو داؤد، ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ نے بروایت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تھا، آپ سے جو جواب میں نے سنا ہے وہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر اپنا دست قدرت ان کی پشت پر پھیرا تو ان کی پشت سے جو نیک انسان پیدا ہونے والے تھے وہ نکل آئے تو فرمایا کہ ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت ہی کے کام کریں گے، پھر دوسری مرتبہ ان کی پشت پر دست قدرت پھیرا تو جتنے گناہ گار بد کردار انسان ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تھے ان کو نکال کھڑا کیا اور فرمایا کہ ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخ میں جانے ہی کے کام کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جب پہلے ہی جنتی اور دوزخی متعین کر دیئے تو پھر عمل کس مقصد کے لئے کرایا جاتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو جنت کے لئے پیدا فرماتے ہیں تو وہ اہل جنت ہی کے کام کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ کسی ایسے ہی کام پر ہوتا ہے جو اہل جنت کا کام ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ کے لئے بناتے ہیں تو وہ دوزخ ہی کے کام میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی کسی ایسے ہی کام پر ہوتا ہے جو اہل جہنم کا کام ہے۔ "مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم نہیں کہ وہ کس طبقہ میں داخل ہے تو اس کو اپنی توانائی اور قدرت و اختیار ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جو اہل جنت کے کام ہیں اور یہی امید رکھنا چاہیے کہ وہ انہی میں سے ہو گا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں یہی مضمون بروایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ منقول ہے، اس میں اتنا اور زیادہ ہے کہ پہلی مرتبہ جو لوگ آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلے وہ سفید رنگ کے تھے جن کو اہل جنت فرمایا اور دوسری مرتبہ سیاہ رنگ کے تھے جن کو اہل جہنم قرار دیا۔ اور ترمذی میں یہی مضمون بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس طرح قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد آدم جو ظہور میں آئی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

اب غور طلب یہ ہے کہ ان احادیث میں تو ذریت کو آدم علیہ السلام کی پشت سے لینے اور نکالنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم کے الفاظ میں بنی آدم یعنی اولاد آدم کی پشت سے نکالنا مذکور ہے۔ تطبیق اس کی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا گیا جو بلا واسطہ آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے والے تھے، پھر ان کی نسل کی پشت سے دوسروں کو اور اسی طرح جس ترتیب سے اس دنیا میں اولاد آدم پیدا ہونے والی تھی اسی ترتیب سے ان کو پشتوں سے نکالا گیا۔ حدیث میں سب کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کو پھر اس اولاد سے ان کی اولاد کو ترتیب وار پیدا کیا گیا۔

قرآن مجید میں اس سب ذریت آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لینے میں اس کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ ذریت آدم جو اس وقت پشتوں سے نکالی گئی تھی صرف ارواح نہیں تھیں بلکہ روح اور

جسم کا ایسا مرکب تھا جو جسم کے لطیف ترین ذرات سے بنایا گیا تھا، کیونکہ ربوبیت اور تربیت کی ضرورت زیادہ تر وہیں ہوتی ہے جہاں جسم وروح کا مرکب ہو اور جس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرنا ہو، ارواح کی یہ شان نہیں وہ تو اول سے آخر تک ایک ہی حال پر ہوتی ہیں، اس کے علاوہ احادیث مذکورہ میں جو ان کے رنگ سفید و سیاہ مذکور ہیں یا ان کی پیشانی کی چمک مذکور ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف روح بلا جسم نہیں تھی ورنہ روح کا تو کوئی رنگ نہیں ہوتا، جسم ہی کے ساتھ یہ اوصاف متعلق ہوتے ہیں۔

اور اس پر کوئی تعجب نہ کیا جائے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسان ایک جگہ میں کس طرح سما گئے، کیونکہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں اس کی بھی تصریح ہے کہ اس وقت جو ذریت پشت آدم علیہ السلام سے نکالی گئی تھی وہ اپنے اس ڈیل ڈول کے ساتھ نہیں تھی جس میں وہ دنیا میں آئیں گے بلکہ چھوٹی چیونٹی کے جُثہ میں تھی اور سائنس کی اس ترقی کے زمانہ میں تو کسی سمجھ دار انسان کو کوئی اشکال اس میں ہونا ہی نہیں چاہیے کہ اتنے بڑے ڈیل ڈول کا انسان ایک چیونٹی کے جُثہ میں کیسے ظاہر ہوا، آج تو ایٹم کے اندر تمام نظام شمسی کے موجود ہونے کا تجربہ کیا جارہا ہے، فلم کے ذریعہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک نقطہ کی مقدار دکھلایا جاسکتا ہے، اس لئے یہ کیا مشکل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عہد ومیثاق کے وقت تمام بنی آدم کو بہت چھوٹے جُثہ میں وجود عطا فرمایا ہو۔ (معارف)

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ: اور جس طرح ہم نے جھٹلانے والی قوموں کے انجام کے بارے میں آیات کو واضح کیا تھا، اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے بھی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں، اس امید پر کہ وہ جس شرک میں مبتلا ہیں اس سے رجوع کر کے اللہ کی توحید اور صرف اسی کی عبادت کی طرف لوٹ آئیں، جیسا کہ اس عہد کے مطابق ہے جو انہوں نے اللہ سے اپنے اوپر لازم کیا تھا۔

بلعم بن باعوراء کا قصہ

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ، تفسیر کیجیے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ {۱۷۵}وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ {۱۷۶}سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ {۱۷۷}مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ {۱۷۸} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی۔ کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ جسے اللہ ہدایت دے، سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس شخص کا نام نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ احادیث میں اور جو مفسرین کے اقوال ہیں وہ بھی مختلف ہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کا طریق بیان ایسا ہے کہ عموماً کسی برے شخص کا نام لے کر اسے بدنام نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اس کی خصلت کو بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے بچ جائیں اور یہ بات انتہائی اخلاقی بلندی کی دلیل ہے کہ کسی کو بدنام بھی نہ کیا جائے اور اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور اس کی مثال ہر اس شخص پر صادق آسکتی ہے جو ایسی صفات رکھتا ہو۔

یہ شخص آیات الٰہی کا عالم تھا با عمل اور مستجاب الدعوات تھا اور لوگوں میں اس کے زہد و اتقاء کی شہرت بھی تھی چند لوگوں نے اس کے پاس آکر ایک ایسی دعا کی درخواست کی جو شرعاً ناجائز تھی پہلے تو اس نے ایسی ناجائز دعا کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب ان لوگوں نے اسے بہت سے مال و دولت کا لالچ دیا تو تھوڑی سپیشش کے بعد وہ اس ناجائز کام پر آمادہ ہو گیا اس طرح اسے دنیوی فائدہ تو حاصل ہو گیا لیکن جس مقام بلند پر وہ جا رہا تھا اور آگے جانے کا ارادہ رکھتا تھا اس سے گر گیا۔

ایک دفعہ جب اس پر شیطان کا داؤ چل گیا تو آگے شیطان کا کام نسبتاً آسان تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ محض دنیوی مفادات کی خاطر اللہ کا پورا نافرمان بن گیا اور اپنے ارفع مقام سے گرتا گرتا زمین کی انتہائی پستی تک پہنچ گیا اس شخص یا اس جیسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس کتے سے دی ہے جس کی حرص اور لالچ کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی طرف پتھر پھینکے تو بھی یہی سمجھتا ہے کہ شاید اس نے کوئی ہڈی یا روٹی کا ٹکڑا پھینکا ہو گا۔ پھر وہ اسے نوچتا اور ایک بار ضرور منہ میں لیتا ہے اس کی زبان ہر وقت باہر نکلی اور رال ٹپکتی رہتی ہے اور ہر چیز کو اس لیے سونگھنے کی کوشش کرتا ہے کہ شاید کہیں سے کھانے کی بو پا سکے اس کی حرص و آز کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اسے کھانے کے لیے کہیں سے مردار پڑا مل جائے اور وہ اس کی ضرورت سے بہت زیادہ ہو تو بھی اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا کتا اس کے ساتھ اس مردار کے کھانے میں شریک نہ ہو اور یہ مثال ان دنیا کے کتوں پر راس آتی ہے جو اپنی خواہش اور دنیوی مفادات کی خاطر اپنی اچھی سے اچھی قدروں کو قربان کر دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

اہل تفسیر رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ اس شخص کا نام بلعم بن باعوراء تھا، جو علماء بنی اسرائیل میں سے تھا، جس کا واقعہ مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبّارین سے جنگ کا قصد کیا اور سرزمین شام میں نزول فرمایا تو بلعم باعوراء کی قوم اس کے پاس آئی اور اس سے کہنے لگی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت تیز مزاج ہیں اور ان کے ساتھ کثیر لشکر ہے وہ یہاں آئے ہیں ہمیں ہمارے بلاد سے

نکالیں گے اور قتل کریں گے اور بجائے ہمارے بنی اسرائیل کو اس سرزمین میں آباد کریں گے ، تیرے پاس اسمِ اعظم ہے اور تیری دعا قبول ہوتی ہے تو نکل اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر اللہ تعالیٰ انہیں یہاں سے ہٹادے۔

بلعم باعور اء نے کہا تمہارا برا ہو حضرت مُوسٰی علیہ السلام نبی ہیں اور ان کے ساتھ فرشتے ہیں اور ایمان دار لوگ ہیں، میں کیسے ان پر دعا کروں ؟ میں جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مرتبہ ہے اگر میں ایسا کروں تو میری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی مگر قوم اس سے اصرار کرتی رہی اور بہت اِلحاح وزاری کے ساتھ انہوں نے اپنا یہ سوال جاری رکھا تو بلعم باعور نے کہا کہ میں اپنے رب کی مرضی معلوم کرلوں اور اس کا یہی طریقہ تھا کہ جب کبھی کوئی دعا کرتا پہلے مرضی الٰہی معلوم کرلیتا اور خواب میں اس کا جواب مل جاتا۔

چنانچہ اس مرتبہ بھی اس کو یہی جواب ملا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کے خلاف دعا نہ کرنا، اس نے قوم سے کہہ دیا کہ میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی تھی مگر میرے رب نے ان پر دعا کرنے کی مُمانعت فرمادی تب قوم نے اس کو ہدیئے اور نذرانے دیئے جو اس نے قبول کئے اور قوم نے اپنا سوال جاری رکھا تو پھر دوسری مرتبہ بلعم باعور نے رب تبارَک وتعالیٰ سے اجازت چاہی اس کا کچھ جواب نہ ملا۔

اس نے قوم سے کہہ دیا کہ مجھے اس مرتبہ کچھ جواب ہی نہ ملا قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو وہ پہلے کی طرح دوبارہ بھی منع فرماتا اور قوم کا اِلحاح و اصرار اور بھی زیادہ ہوا حتّٰی کہ انہوں نے اس کو فتنہ میں ڈال دیا اور آخر کار وہ بد دعا کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھا تو جو بد دعا کرتا اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو اس کی قوم کی طرف پھیر دیتا تھا اور اپنی قوم کے لئے جو دعائے خیر کرتا تھا بجائے قوم کے بنی اسرائیل کا نام اس کی زبان پر آتا تھا۔ قوم نے کہا اے بلعم یہ کیا کر رہا ہے ؟ بنی اسرائیل کے لئے دعا کرتا ہے ہمارے لئے بد دعا، کہا یہ میرے اختیار کی بات نہیں، میری زبان میرے قبضہ میں

نہیں ہے اور اس کی زبان باہر نکل پڑی تو اس نے اپنی قوم سے کہا میری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔ (خزائن العرفان)

سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا: یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ سب سے زیادہ بدحال اور بدترین انجام والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کی بھیجی ہوئی آیات، دلائل اور نشانیوں کو جان بوجھ کر جھٹلا دیتے ہیں، درحقیقت وہ کسی اور پر نہیں بلکہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، کیونکہ حق کا انکار انہیں ہلاکت اور بربادی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔

مَنْ يَهْدِ اللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي: اصل ہدایت یافتہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اپنے سیدھے راستے کی توفیق عطا فرمادے اور جسے اللہ صراطِ مستقیم سے محروم کر دے، وہی لوگ حقیقت میں سب سے بڑے خسارے میں ہیں، کیونکہ وہ قیامت کے دن نہ صرف اپنی جانوں کو بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی نقصان میں ڈال بیٹھیں گے، یہی وہ کھلا اور ناقابلِ تردید خسارہ ہے جس کا انجام نہایت دردناک ہے۔

جہنم کی طرف جانے والی مخلوق

سوال کون سے لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے گئے؟ آیت کی تفسیر کی جائے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ {۱۷۹} الأعراف

جواب ترجمہ: اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ (بالکل) چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے ہیں جن کو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ان کے پہلو میں دھڑکتے دل موجود ہیں مگر ان کے ساتھ وہ سمجھتے نہیں ہیں، ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ عذاب سے خوف زدہ ہیں، ان کے سر میں دیکھتی آنکھیں موجود ہیں مگر وہ ان سے اللہ کی نشانیوں اور دلیلوں کو نہیں دیکھ سکتے، ان کے سر میں کان موجود ہیں مگر ان سے اللہ کی کتاب کی آیات نہیں سن سکتے کہ ان میں غور و فکر کریں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، جانوروں کو اگر کچھ کہا جائے تو اسے سمجھ نہیں سکتے، جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اسے سمجھ نہیں سکتے، ان کے دل خیر اور شر کو نہیں سمجھ سکتے، ان کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے، بلکہ یہ تو ان جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے۔ پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا مبارک ہو اس کو یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ ابھی تو وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کئے ہیں انہیں اسی لئے مقرر کر دیا ہے درآں حالیکہ اب تک وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

اس میں یہ بتلا دیا کہ اگرچہ تقدیر الٰہی ایک راز سربستہ ہے جس کا کسی کو اس دنیا میں علم نہیں ہوتا لیکن اس کی علامات سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اہل جہنم کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو ان کے صحیح کاموں میں نہ لگائیں، صحیح علم و مغفرت کے لئے جو اللہ جل شانہ نے عقل اور

آنکھ کان عطا فرمائے ہیں ان کو وہ بے مصرف چیزوں میں لگاتے ہیں اور اصل مقصد جس کے ذریعہ دائمی اور لازوال راحت و دولت مل سکتی تھی اس کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

اللہ کے ناموں میں الحاد کرنے والے

سوال اس آیت کریمہ میں یلحدون فی اسمائہ کا کیا مطلب ہے؟

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۱۸۰} الأعراف

جواب ترجمہ: اور سب اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو اسے انہیں ناموں سے پکارو اور چھوڑ دو ان کو جو اللہ کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ اپنے کیے کی سزا پا کر رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں، تم اللہ تعالیٰ کو انہی ناموں سے یاد کرو اور پکارو، جن لوگوں نے اللہ کے ناموں سے اعراض کیا ہے ان کی طرف میلان نہ رکھو، جیسے عزیز سے عزیٰ، اللہ سے لات، منان سے منات، انہیں آخرت میں اپنے کیے دھرے کا انجام بھگتنا پڑے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں اللہ کے ناموں سے الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزی نام رکھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں انہیں چھوڑو۔ جو انہیں جھٹلاتے ہیں ان سے منہ موڑ لو۔ الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانہ سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا، اسی لئے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول: مسلمانوں میں سے ایک شخص نماز میں یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ کہہ رہا تھا، مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے سن لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دو رب کا پکارنا سمجھ میں آرہا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، انوار البیان)

مفسرین رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ اس آیت کا تعلق خاص طور پر اہلِ شرک کے اس طرزِ عمل سے ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کو بتوں کے لیے استعمال کرتے تھے، یا اللہ کی صفات میں شرکیہ تصرف کرتے تھے جیسے اللّات کو اللہ سے مشتق سمجھنا، العزّیٰ کو العزیز سے جوڑنا، یہ سب اسماء الٰہی میں تحریف کی صورتیں تھیں، اسی پس منظر میں قرآن نے یہ اصولی اور دائمی ہدایت نازل فرمائی۔ (طبری، ابن کثیر، قرطبی)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنِ مطلق پر مشتمل ہیں، ان میں نہ نقص ہے، نہ عیب، نہ کمی، بلکہ وہ اس کی کامل ذات اور کامل صفات پر دلالت کرتے ہیں، یعنی: اللہ کی پہچان مجرد وجود سے نہیں، بلکہ اسماء وصفات کے ذریعے ہوتی ہے۔

فَادْعُوْهُ بِهَا: امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ دعا، عبادت اور معرفت سب کا مدار اسماء الٰہی پر ہے، پس اللہ کو اسی طرح پکارا جائے جیسے اس نے خود اپنا تعارف کرایا، نہ کمی کی جائے، نہ زیادتی یہی توحیدِ اسماء وصفات ہے۔

"اِلحاد" کی لغوی و اصطلاحی تحقیق: لفظ اِلحاد مادہ (ل۔ح۔د) سے ہے، جس کے معنی ہیں، سیدھے راستے سے جان بوجھ کر ٹیڑھا ہو جانا اسی لیے قبر کے ایک گوشے کو لحد کہا جاتا ہے۔

الحاد کا اصطلاحی معنی: امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اللہ کے اسماء میں ایسا تصرف جو ان کے حقیقی معنی سے انحراف ہو وہ الحاد ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسماء میں الحاد کی صورتیں مختلف ہیں، کبھی انکار کی صورت میں، کبھی تحریف کی صورت میں، اور کبھی تعطیل کی صورت میں۔

اھل تفسیر اور الحاد: مفسرین رحمہم اللہ نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں ①: شرک کرنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: الحاد سے مراد اللہ کے ناموں میں شرک کرنا ہے، جیسے مشرکین نے "اللات" کو "الٰہ" سے اور "العزیٰ" کو "العزیز" سے مشتق کیا۔ ② غلط معنی مراد لینا: اللہ کے ناموں کو ان کے اصل معنی سے ہٹا کر غلط معنی مراد لینا، یا ان میں تحریف کرنا، یا ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال

کرنا۔(ایسر التفاسیر)③ اللہ کے ناموں کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا: جیسے مشرکین نے اپنے معبودوں کے نام اللہ کے ناموں سے مشتق کیے۔④ اللہ کے ناموں کا انکار یا ان میں کمی بیشی کرنا: جیسے بعض فرقے اللہ کے ناموں کا انکار کرتے ہیں یا ان میں کمی بیشی کرتے ہیں۔⑤ اللہ کے ناموں میں جھوٹ یا تکذیب کرنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ "الحاد" سے مراد اللہ کے ناموں میں جھوٹ بولنا یا تکذیب کرنا ہے۔

اسماء الٰہی میں الحاد کی صورتیں: قرآن میں الحاد کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح قدیم سے چلی آرہی ہے، زمانہ قدیم میں بھی الحاد ہوتا تھا اور عصر حاضر میں بھی الحاد ہے۔

① قدیم الحاد: اللہ کے نام بتوں پر رکھ دینا، صفاتِ الٰہی کو مخلوق میں تقسیم کر دینا۔

② الحادِ عصرِ حاضر: عصر حاضر کے الحاد میں اگرچہ انداز نیا ہے، لیکن گمراہی پرانی ہی ہے۔

عصر حاضر کے ملحدین اللہ تعالیٰ کی صفات کو تو مانتے ہیں لیکن اس کی ذات کا انکار کرتے ہیں، یہ نظام کائنات کو تسلیم کرتے ہیں مگر ناظم کائنات کو نہیں مانتے، یہ قانون کا نام تو لیتے ہیں مگر قانون ساز کو نہیں مانتے، یہ اسماء الٰہی کو مان کر مسمّیٰ کا انکار کرتے ہیں، یہی صریح الحاد ہے۔ یہ ملحدین اللہ کو مانتے ہیں مگر اس کے اسماء کو معطل کرتے ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہے مگر وہ سنتا نہیں ہے، دیکھتا نہیں ہے، مداخلت نہیں کرتا، ملحدین کے تصورات کو دیکھ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ بے اختیار ہے۔

ملحدین نے دینی اصطلاحات اور اسماء الٰہیہ کو مختلف نام دے رکھے ہیں، یہ لوگ خالق کو نیچر کہتے ہیں، یہ لوگ رب کو ارتقاء کہتے ہیں، یہ لوگ تقدیر کو اتفاق کہتے ہیں، یہ تحریف معنی ہے، یہی تحریفات ہیں جن کو قرآن کریم واضح طور پر الحاد کہتا ہے۔

جب کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، اس ارشاد ربانی کی روشنی میں یہ اعلان کیا گیا کہ علم، قدرت، حکمت، رحمت یہ سب شعوری صفات ہیں، کسی اندھی قوت

یا بے شعور مادے کی نہیں۔

اہلِ سنت کا معتدل منہج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو بلا تشبیہ ماننا، بلا تعطیل ثابت کرنا، بلا تحریف سمجھنا یہی راستہ شرک سے بچاتا ہے، یہی معتدل راہ اہل سنت انسان کو الحاد سے بچاتا ہے۔

اھل الحاد کا انجام: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت کے آخر میں اہل الحاد کو آگاہ فرمایا کہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اس کا انہیں بدلہ اور سزا دی جائے گی، واضح ارشاد ہے سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ الحاد صرف فکری غلطی نہیں، بلکہ اللہ کی معرفت بگاڑنے کی جسارت ہے اور اس کا حساب اللہ کے ہاں محفوظ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اسماءُ الحسنیٰ توحید کی بنیاد ہیں، اسماء میں الحاد، توحید کی جڑ کاٹتا ہے، جدید الحاد دراصل قدیم الحاد کی نئی تعبیر ہے، قرآن نے اسے دلیل، حکمت اور انجام، تینوں سے رد کر دیا۔

عصر حاضر کے ملحدین اور الحاد کی فکری تحریک

اکیسویں صدی میں الحاد محض ایک ذاتی انکارِ خدا نہیں رہا، بلکہ ایک باقاعدہ فکری، علمی اور اشاعتی تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے، اس تحریک کو عموماً "New Atheism" نیا الحاد کہا جاتا ہے، جس کے نمایاں نمائندے اپنی کتابوں کے ذریعے یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں کہ کائنات کو چلانے والا کوئی خدا نہیں، بلکہ یہ نظام خود بخود، اندھی فطری قوتوں اور قوانین کے تحت چل رہا ہے۔

اس تحریک کا سب سے نمایاں نام رچرڈ ڈاکنز (Richard Dawkins) ہے، جس کی کتاب The God Delusion جدید الحاد کا منشور سمجھی جاتی ہے، اس کتاب میں ڈاکنز خدا کے وجود کو ایک "وہم (Delusion)" قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ارتقاء (Evolution) اور قدرتی انتخاب (Natural Selection) کائنات اور زندگی کی وضاحت کے لیے کافی ہیں، لہٰذا خالقِ کائنات کا تصور غیر ضروری ہے۔ یہ دراصل قرآن کے اس اصولی تصور کے مقابل ایک کھلا الحاد ہے کہ: اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

اسی طرح کرسٹوفر ہچنز (Christopher Hitchens) اپنی کتاب God Is Not Great میں مذہب کو انسانیت کے لیے نقصان دہ قرار دیتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ خدا کا تصور خوف، تشدد اور جمود کو جنم دیتا ہے، ہچنز کا اسلوب جارحانہ ہے اور وہ مذہب کو محض انسانی ایجاد ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، جو صریحاً وحی اور نبوت کے انکار پر منتج ہوتا ہے۔

سام ہیرس (Sam Harris) کی کتاب The End of Faith میں مذہب کو عقل اور سائنس کا دشمن بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایمان (Faith) بذاتِ خود ایک خطرناک شے ہے، کیونکہ یہ عقل سے بالاتر ہو کر ماننے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس طرح وہ وحی کو علم کا ماخذ ماننے سے انکار کرتا ہے، جو درحقیقت الحاد کی فکری بنیاد ہے۔

اسی فہرست میں ڈینیئل ڈینیٹ (Daniel Dennett) کی کتاب Breaking the Spell بھی قابلِ ذکر ہے، جس میں مذہب کو ایک "فطری مظہر (Natural Phenomenon)" قرار دیا گیا ہے، گویا عبادت، دعا اور خدا پر ایمان سب حیاتیاتی یا سماجی ارتقاء کی پیداوار ہوں، نہ کہ کسی حقیقی معبود کی طرف سے ہدایت۔

ان تمام کتابوں میں ایک قدرِ مشترک نمایاں ہے، نظامِ کائنات کو خالق کے بغیر سمجھانے کی کوشش، کہیں "قوانینِ فطرت" کو خدا کی جگہ بٹھایا گیا ہے، کہیں "سائنس" کو آخری اتھارٹی بنا دیا گیا ہے، اور کہیں مذہب کو محض نفسیاتی سہارا قرار دے کر رد کر دیا گیا ہے۔

یہی وہ الحاد ہے جس کی طرف قرآن کریم نے پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا، **وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ**، یعنی جو لوگ اللہ کے بارے میں کج روی اور انحراف اختیار کرتے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید ملحدین خدا کا انکار سائنسی ثبوت سے نہیں بلکہ فلسفیانہ مفروضات اور مابعد الطبیعاتی قیاسات سے کرتے ہیں۔ سائنس "کیسے (How)" بتاتی ہے، "کیوں (Why)" نہیں؛ اور یہی "کیوں" کا سوال خالق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

یوں جدید الحاد، خواہ وہ ڈاکنز کی زبان میں ہو یا ہچنز کے قلم سے، دراصل ایک قدیم انسانی انکار ہی کی نئی تعبیر ہے، جسے قرآن نے ایک لفظ میں سمیٹ دیا: اِلحاد یعنی حق سے جان بوجھ کر ٹیڑھا ہونا۔

امت سے کون سی امت مراد ہے؟

سوال آیت کریمہ میں امت سے کون سی امت مراد ہے؟ آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ {۱۸۱} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور ہماری مخلوقات میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

بعض لوگ حق وعدل پر قائم ہیں، حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں، حق کام ہی کرتے ہیں، حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں، حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمد یہ ہے چنانچہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لئے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا۔

ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں وہ خواہ کبھی بھی اتریں۔

بخاری و مسلم میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا انہیں ان کی دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے ایک اور روایت میں ہے یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے وہ اسی پر رہیں گے۔ ایک روایت میں ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کرکے ارشاد فرمایا کہ یہ امت جس کا ذکر اس آیت میں ہے، میری امت ہے، جو اپنے سب جھگڑوں کے فیصلے انصاف یعنی قانون الٰہی کے مطابق کریں گے اور لینے دینے کے تمام معاملات میں انصاف کو سامنے رکھیں گے۔

نرمی اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا انجام

سوال اس آیت کریمہ میں سَنَسْتَدْرِجُهُم اور أُمْلِي لَهُمْ کا کیا مطلب ہے؟

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ {۱۸۲} وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ {۱۸۳} الأعراف

جواب ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں انہیں خبر بھی نہ ہو گی اور میں انہیں مہلت دوں گا بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

یعنی ایسے لوگوں کو روزی میں کشادی دی جائے گی، معاش کی آسانیاں ملیں گی، وہ دھوکے میں پڑ جائیں گے اور حقانیت کو بھول جائیں گے۔ جب پورے مست ہو جائیں گے اور ہماری نصیحت کو گئی گذری کر دیں گے تو ہم انہیں ہر طرح کے آرام دیں گے یہاں تک کہ وہ مست ہو جائیں تب انہیں ہم ناگہانی پکڑ میں پکڑ لیں گے۔ اس وقت وہ مایوسی کے ساتھ منہ تکتے رہ جائیں گے اور ان ظالموں کی رگ کٹ جائے گی۔ حقیقتاً تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انہیں میں تو ڈھیل دونگا اور یہ میرے اس داؤ سے بے خبر ہوں گے۔ میری تدبیر کبھی ناکام نہیں ہوتی وہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُم: کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لیے دنیا میں رزق کے دروازے کھول دیں گے، معاش کے چہرے ان کے لیے کھول دیں گے، جس کے باعث یہ لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں گے کہ وہ کچھ ہیں، ان کے پاس کچھ ہے، اسی دھوکا کھانے کے باعث ہم انہیں ایسی جگہ سے گھیریں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے گا کہ ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے۔

أُمْلِي لَهُمْ: کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان جھٹلانے والے کافروں کو، نافرمانوں کو، سرکشی کرنے والوں کو مہلت اور ڈھیل دیتے جائیں گے جس کے باعث یہ خیال کریں گے کہ ہمیں تو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے، ہمیں کوئی ہاتھ ڈالنے والا نہیں ہے، اسی وجہ سے وہ کفر کرتے کرتے کفر میں تمام حدود پھلانگیں

گے، یہ حدود کی پائمالی اور سرکشی انہیں ہماری دگنا گرفت میں لے آئے گی، انہیں دگنا عذاب دیا جائے گا۔

رسول ﷺ پر جنون کے الزام کی تردید

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۸۴) اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (۱۸۵) مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱۸۶) الاعراف

جواب ترجمہ: کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب آپہنچی ہو سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ: یہاں اللہ تعالیٰ منکرینِ حق کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ تعصب اور ضد چھوڑ کر عقل و بصیرت سے کام لیں، اگر وہ سنجیدگی سے سوچیں تو ان پر واضح ہو جائے کہ حضرت محمد ﷺ مجنون نہیں، بلکہ اللہ کے سچے رسول ہیں، جنہیں صاف اور کھلے انداز میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: الخ پھر اللہ تعالیٰ انہیں کائنات میں تدبر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور ان میں پھیلی ہوئی مخلوقات، جان دار، نباتات اور دیگر نشانیوں پر نظر عبرت ڈالیں، نیز اپنی زندگی کی مہلت اور انجام کو یاد رکھیں، جو بعید

نہیں کہ قریب آچکا ہو، تاکہ وہ مہلت ختم ہونے سے پہلے توبہ کرلیں، اس کے ساتھ یہ فیصلہ کن سوال رکھا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن جیسے واضح دلائل اور وعدہ و وعید پر مشتمل کتاب پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر آخر کس کتاب پر ایمان لائیں گے؟

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ: یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ جسے اللہ ہدایت سے محروم کر دے اور صراطِ مستقیم سے بھٹکا دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا، ایسے لوگ اپنے کفر اور گمراہی میں سرگرداں چھوڑ دیے جاتے ہیں، نہ انہیں حق کی پہچان نصیب ہوتی ہے اور نہ راہِ نجات، یہ آیات عقل، فطرت، کائنات اور انجام، چاروں کو بنیاد بنا کر حق کی دعوت اور انکار کے انجام کو نہایت واضح انداز میں بیان کرتی ہیں۔

قیامت کب آئے گی؟

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ {۱۸۷} الأعراف

جواب ترجمہ: (یہ لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟ کہہ دیجیے اس کا علم تو میرے پروردگار ہی کو ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔ وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہو گی اور ناگہاں تم پر آجائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو۔ کہو کہ اس کا علم تو خدا ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔

اے میرے نبی! مکہ کے کافر آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب قائم ہو گی؟ آپ ﷺ انہیں فرمادیں کہ قیامت کے قیام کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس کا علم بھاری ہے،

آسمان اور زمین والوں پر اس کا علم مخفی اور پوشیدہ ہے، اس کے قائم ہونے کا علم کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کے پاس بھی نہیں ہے، قیامت تو بس اچانک ہی برپا ہو گی، یہ سوال کرنے والے تو آپ ﷺ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا کہ یہ قیامت کے بارے میں جاننے کے لیے حریص ہیں، اس لیے انہیں آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم اس ذات عالی کے پاس ہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے اندر چھپی ہوئی چیزوں کا جاننے والا ہے، وہ عالم الغیب والشھادہ ہے، لیکن اکثر لوگوں کو اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کے قائم ہونے کا علم ہے۔

قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، ہاں البتہ نبی کریم ﷺ نے چیدہ چیدہ بے شمار نشانیاں بتائی ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی۔

علم غیب

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز مسئلہ علم غیب بیان فرمائیے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۱۸۸} الأعراف

جواب ترجمہ (اے میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی، میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں جو ایمان رکھتے ہیں۔

اپنی مخلوق میں ایک حضرت محمد ﷺ ہی کی ہستی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار علم عطا فرمایا، آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے احوال واخبار کی اطلاع دی، مگر قرآن وسنت سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ ﷺ نے اپنے اللہ کے بتانے پر بتایا، از خود سے آپ ﷺ نے کوئی چیز نہیں بتائی۔

شان نزول: کلبی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اہل مکہ نے کہا کہ اے محمد کیا تمہارا رب تمہیں بھاؤ چڑھنے سے پہلے سستے بھاؤ کی خبر نہیں دیتا تاکہ تم خریداری کر کے نفع کماؤ اور زمین جس پر قحط نازل ہونے والا ہے کے متعلق نہیں بتلاتا کہ تم بھی زرخیز زمین کی طرف کوچ کر جاؤ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (زادالمسیر)

بعض کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوہ بنی المصطلق سے واپس تشریف لائے تو راستے میں سخت ہوا چلی، جس کے باعث جانور بھاگ کھڑے ہوئے، اسی دوران آپ ﷺ کو مدینہ شریف میں موجود رفاعہ کے مرنے کی اطلاع دی گئی، اس میں منافقین کے لیے سخت غصہ والی بات تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی دیکھو کہ کہاں ہے؟ یہ سن کر عبداللہ بن ابی (منافق) نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اس شخص کی بات پر تم تعجب نہیں کرتے جو مدینہ میں مرنے والے ایک شخص کی خبر تو دے رہا ہے مگر اسے یہ بھی پتا نہیں کہ اس کی اپنی اونٹنی کہاں ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: منافقین میں سے کچھ لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے، حالانکہ میری اونٹنی تو فلاں گھاٹی میں ہے، اس کی مہار ایک درخت کے ساتھ الجھ گئی ہے، تو وہ اونٹنی اسی حالت میں ملی جیسے آپ ﷺ نے بتایا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو فرما دیجیے کہ میں اپنے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ (تفسیر کبیر)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنی تفسیر کنزالایمان میں بھی علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ کی تفسیر کا حوالہ نقل فرمایا ہے، یہاں ان سے اس قدر خطا ہو گئی کہ تفسیر کبیر میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں اُخبر کا لفظ استعمال کیا گیا، جس کا معنیٰ ہے کہ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی، مگر انہوں نے اطلاع دی گئی کا ترجمہ نہیں کیا، بلکہ یوں لکھ دیا کہ تو نبیٔ کریم ﷺ نے خبر دی کہ مدینہ طیبہ میں رفاعہ کا انتقال ہو گیا حالانکہ یہاں تفسیر کبیر میں مجہول کا صیغہ ہے کہ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی۔

نبی ﷺ کو یہ بات واضح طور پر کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی نفع حاصل کرنے یا نقصان کو ٹالنے کا مستقل اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ کسی اور کے بارے میں ایسا اختیار ہو۔ فائدہ یا نقصان صرف اسی حد تک واقع ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اور جس معاملے میں اللہ نے اختیار نہ دیا ہو، وہاں بسا اوقات فائدہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے یا نقصان پیش آجاتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر نبی ﷺ کو غیب کا علم حاصل ہوتا تو وہ اپنے لیے ہر فائدہ یقینی طور پر حاصل کر لیتے اور کسی نقصان میں مبتلا نہ ہوتے۔ مگر چونکہ غیب کا علم حاصل نہیں، اس لیے بعض اوقات انسان فائدہ مند چیز کو نقصان دہ اور نقصان دہ کو فائدہ مند سمجھ لیتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ غیب کا علم ہونا لازماً نفع و ضرر پر مکمل اختیار کو مستلزم ہے، اور جب یہ اختیار موجود نہیں تو غیب کا علم بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا نبی ﷺ کا اصل منصب یہ نہیں کہ وہ غیب جانیں یا دنیاوی نفع و ضرر کے مالک ہوں، بلکہ ان کا کام اللہ کے احکام پہنچانا، اطاعت پر خوش خبری دینا اور نافرمانی پر عذاب سے ڈرانا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت نے ان کے اس مشرکانہ عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ علم غیب اور تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی و رسول شرک اور ظلم عظیم ہے، اسی طرح ہر نفع نقصان کا مالک ہونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت خاص ہے اس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے، جس کے مٹانے ہی کے لئے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔

قرآن کریم نے بے شمار آیات میں بار بار اس کو واضح فرما دیا ہے کہ علم غیب اور علم محیط جس سے کوئی ذرہ چھپا نہ رہے یہ صرف اللہ جل شانہ کی صفت خاص ہے اسی طرح قدرت مطلقہ کہ ہر نفع نقصان قبضہ میں ہو یہ بھی صفت خاص ہے حق تعالیٰ شانہ کی، ان صفتوں میں غیر اللہ کو شریک قرار دینا شرک ہے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کریں کہ میں اپنے نفس کے لئے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ذکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے، اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے بچنے کا ارادہ کیا مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی، غزوہ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کا ارادہ کر کے حدود حرم تک پہنچ گئے مگر حرم میں داخل اور عمرہ کی ادائیگی اس وقت نہ ہو سکی سب کو احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔

اسی طرح غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی، اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں معروف و مشہور ہیں۔

اور شاید ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم و قدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس آیت نے بھی یہ واضح کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دے دیا جائے۔

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے خصوصاً ہمارے رسول کریم ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم

دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ (معارف القرآن)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ کلام براہِ ادب و تواضُع ہے، معنی یہ ہیں کہ میں اپنی ذات سے غیب نہیں جانتا، جو جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع اور اس کی عطا سے۔ (خازن)

تخلیق انسانی اور دعوت توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ (۱۸۹) فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۱۹۰) اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ (۱۹۱) وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ (۱۹۲) وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (۱۹۳) الاعراف

جواب ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اس کے پاس ٹھکانا پکڑے۔ پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو ان کا رب ہے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لیے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے۔ کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں

کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے۔ تمہارے اعتبار سے برابر ہے تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ: یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی ابتدا اور توحید کی بنیاد کو واضح فرماتا ہے، اللہ ہی ہے جس نے تمام مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جان، یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور انہی سے ان کی زوجہ حضرت حواء کو پیدا کیا تاکہ وہ اس سے انس اور سکون حاصل کریں، جب شوہر نے بیوی سے تعلق قائم کیا تو ابتدا میں حمل ہلکا رہا، جس کا کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا اور وہ اپنے معمولات انجام دیتی رہی، پھر جب حمل بڑھ گیا اور بوجھ محسوس ہونے لگا تو دونوں میاں بیوی نے عاجزی کے ساتھ اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم اور نیک اولاد عطا فرمائے گا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔

فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ: مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر صالح اولاد عطا کر دی تو بعض لوگوں نے اس نعمت میں شرک کا راستہ اختیار کیا اور بچے کو اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے منسوب کر دیا، حالانکہ اللہ ہر قسم کے شرک سے بلند و برتر ہے اور وہی اکیلا رب اور معبودِ حقیقی ہے۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ مشرکین کی عقل پر ضرب لگاتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ ان بے جان بتوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، بلکہ خود مخلوق ہیں؟ جو نہ اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت، ایسی ہستیوں کی عبادت کس قدر بے معنی اور گمراہی ہے۔

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ: پھر مزید واضح کیا گیا کہ اگر یہ مشرک اپنے معبودانِ باطل کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ نہ جواب دے سکتے ہیں، نہ پیروی کر سکتے ہیں، ان کے لیے پکارنا اور

خاموش رہنا دونوں برابر ہے، کیونکہ وہ محض بے جان چیزیں ہیں، نہ عقل رکھتی ہیں، نہ سنتی ہیں اور نہ بول سکتی ہیں۔

بت پرستی اور دعوت توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡھُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ {۱۹۴} اَلَھُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِھَآ اَمۡ لَھُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِھَآ اَمۡ لَھُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِھَآ اَمۡ لَھُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِھَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ {۱۹۵} اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۖ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ {۱۹۶} وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَھُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ {۱۹۷} وَاِنۡ تَدۡعُوۡھُمۡ اِلَی الۡھُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰىھُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَھُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ {۱۹۸} الاعراف

جواب ترجمہ: بیشک تم جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر وہ تمہاری پکار کو قبول کرلیں اگر تم سچے ہو؟ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرمادیجیے کہ اپنے شریکوں کو بلالو، پھر میرے بارے میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کرسکتے ہو کرلو اور پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اور جن لوگوں کو اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کرسکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کرسکتے ہیں۔ اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ أَمۡثَالُکُمۡ: الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے باطل عقیدے کو نہایت واضح اور عقلی انداز میں رد فرماتا ہے، بتایا گیا ہے کہ جن معبودوں کو یہ لوگ

اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق اور اسی کے غلام ہیں، بلکہ خود انسان ان سے بہتر ہے، کیونکہ وہ زندہ ہے، بولتا ہے، چلتا ہے، سنتا اور دیکھتا ہے، جبکہ یہ بت ان تمام صفات سے محروم ہیں، اگر یہ واقعی کچھ اختیار رکھتے ہیں تو انہیں پکارا جائے کہ وہ جواب دیں۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا: الخ پھر نہایت مؤثر سوالات کے ذریعے ان کی بے بسی ظاہر کی گئی کہ کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں، ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں، آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں، یا کان ہیں جن سے وہ سن سکیں؟ جب ان میں سے کوئی صلاحیت موجود نہیں تو ان کی عبادت سراسر بے عقلی اور فریب ہے، اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ تم اپنے تمام معبودوں کو جمع کر کے میرے خلاف جو چاہو تدبیر کر لو، میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ: الخ آگے واضح فرمایا کہ نبی ﷺ کا مددگار اور محافظ صرف اللہ ہے، وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا اور جو اپنے نیک بندوں کی حفاظت اور نصرت کرتا ہے، اس کے مقابلے میں مشرکین کے معبود نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی، اس لیے ان کو پکارنا محض گمراہی ہے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ: الخ اس آیت میں مشرکین کو عقلی اور فطری انداز میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جن بتوں اور معبودانِ باطل کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں، ایسی بے بس اور عاجز ہستیوں کو معبود بنانا سراسر نادانی اور گمراہی ہے، اصل مددگار اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے عبادت اور امید اسی سے وابستہ ہونی چاہیے۔

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا: الخ آخر میں یہ حقیقت کھول دی گئی کہ یہ بت نہ ہدایت کی طرف بلا سکتے ہیں اور نہ کسی کی بات سن سکتے ہیں، اگرچہ ظاہری طور پر ان کی آنکھیں بنی ہوتی ہیں،

مگر وہ محض بے جان پتھر ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں، یوں یہ آیات عقل، مشاہدہ اور فطرت، تینوں کی بنیاد پر شرک کی تردید اور توحید کی حقانیت کو واضح کرتی ہیں۔

بلند اخلاق اختیار کرنے کا حکم

سوال آیت کریمہ میں یہ حکم کس کے لیے ہے، اس کی وضاحت فرمائیے

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ {۱۹۹} الأعراف

جواب ترجمہ: (اے حبیب ﷺ!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں

جناب نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال و اخلاق میں سرسری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے، میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ جب تک میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں ایسا ہی عمل کروں گا (ابن کثیر) عفو کا معنیٰ معافی اور درگزر کرنا بھی ہے، علماء تفسیر کی ایک جماعت نے اس جگہ یہی معنی مراد لے کر اس جملہ کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ آپ گناہگاروں خطاکاروں کے گناہ و قصور کو معاف کر دیا کریں۔

مفسر قرآن ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے جبریل امین سے آیت کا مطلب پوچھا، جبریل امین نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنے کے بعد یہ مطلب بتلایا کہ اس آیت میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں اور جو آپ کو کچھ نہ دے آپ اس پر بخشش کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے آپ اس سے بھی ملا کریں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں جب نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہد آحضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور بڑی بے دردی سے ان کے اعضاء کاٹ کر لاش کی بے حرمتی کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے لاش کو اس ہیئت میں دیکھ کر فرمایا کہ جن لوگوں نے حمزہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے میں ان کے ستر آدمیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرکے چھوڑوں گا، اس پر یہ آیت نازل

ہوئی جس میں آپ کو بتلایا گیا کہ آپ کا یہ مقام نہیں، آپ کے شایان شان یہ ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیں۔ (ابن مردویہ)

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکارم اخلاق کی تعلیم دی وہ وہی تھی کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو، جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے ملا کرو، جو تمہیں محروم کر دے تم اس کو بخشش دیا کرو۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو اولین و آخرین کے اخلاق سے بہتر اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جو شخص تم کو محروم کرے تم اس پر بخشش کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو، جو تم سے تعلق ختم کرے تم اس سے بھی ملا کرو۔ (امام بیہقی)

جمہور اہل تفسیر نے عفو کا معنیٰ یہ اختیار کیا ہے کہ ہر ایسا کام جو کہ آسانی کے ساتھ بغیر کسی مشقت کے ہو سکے، مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے وہ چیزیں قبول کر لیا کریں جو یہ لوگ آسانی کے ساتھ سرانجام دے سکیں، جیسے شرعی واجبات میں لوگوں سے عمدہ اور اعلیٰ درجے کی چیزوں کا مطالبہ نہ کیا کریں بلکہ جس پیمانہ پر وہ آسانی سے عمل کر سکیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے درجے کو ہی قبول کر لیا کریں۔ تاکہ یہ لوگ متنفر ہو کر بھاگ نہ جائیں، انہیں جس چیز کا حکم دیں تو اچھا بول بولیں، اچھا طرز عمل اختیار کریں، جس طرح بے وقوف لوگ جنگ و جدال کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کرنا۔

دوسرا جملہ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ہے، عرف ہر اچھے اور مستحسن کام کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ ان سے انتقام نہ لیں بلکہ معاف کر دیں مگر ساتھ ہی ان کو نیک کام کی ہدایت بھی کرتے رہیں، گویا بدی کا بدلہ نیکی سے ظلم کا بدلہ صرف انصاف ہی سے نہیں بلکہ احسان سے دیں۔

تیسرا جملہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جاہلوں سے آپ کنارہ کش ہو جائیں، مطلب یہ ہے کہ ظلم کا انتقام چھوڑ کر آپ ان کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کریں

اور نرمی کے ساتھ ان کو حق بات بتلائیں مگر بہت سے جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس شریفانہ معاملہ سے متاثر نہیں ہوتے، اس کے باوجود جہالت اور سختی سے پیش آتے ہیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ ان کے دلخراش اور جاہلانہ کلام سے متاثر ہو کر انہی جیسی سخت گفتگو نہ کریں بلکہ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔

امام ابن کیثر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کنارہ کش ہونے کا بھی مطلب یہ ہے کہ ان کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں، یہ معنی نہیں کہ ان کو ہدایت کرنا چھوڑ دیں کہ یہ وظیفہ رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیطانی وساوس کا توڑ

سوال جب شیطان وسوسے ڈالے تو اس وقت انسان کو کیا کرنا چاہیے ؟ ارشادات ربانیہ کی وضاحت فرمائیں۔

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ {٢٠٠} إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ {٢٠١} وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ {٢٠٢} وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {٢٠٣} الأعراف

جواب ترجمہ: اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، سو وہ کمی نہیں کرتے۔ اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا، آپ فرما

دیجیے کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

جب شیطان انسان کو وسوسے ڈالے تو اس وقت انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قول کو خوب سنتا ہے اور ہر فعل کو اچھی طرح جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے حبیب مکرم حضرت نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ کو اسی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

امام تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس جگہ ایک عجیب بات یہ لکھی ہے کہ پورے قرآن میں تین آیتیں اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تلقین کے لئے جامع آئی ہیں اور تینوں کے آخر میں شیطان سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، ایک تو یہی سورۃ اعراف کی آیت ہے، دوسری سورۃ مؤمنون کی یہ آیت ہے، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ، وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ، (مؤمنون ۹۷) یعنی دفع کرو برائی کو بھلائی سے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے دباؤ سے اور میرے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔

تیسری آیت سورۃ حم سجدہ کی یہ ہے، وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ، وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، یعنی نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کریں، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات

انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

ان تینوں آیتوں میں غصہ دلانے والوں سے عفو و درگزر اور برائی کے بدلہ میں بھلائی کرنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو انسان جھگڑوں سے خاص دلچسپی ہے، جہاں جھگڑے کا کوئی موقعہ پیش آتا ہے شیاطین اس کو اپنی شکار گاہ بنالیتے ہیں، اور بڑے سے بڑے بردبار باوقار آدمی کو غصہ دلا کر حدود سے نکال دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب غصہ قابو میں نہ آتا دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ شیطان مجھ پر غالب آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے پناہ مانگیں تب مکارم اخلاق کی تکمیل ہو سکے گی، اسی لئے بعد کی تیسری اور چوتھی آیت میں بھی شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ: یہاں اللہ تعالیٰ یہ حقیقت واضح فرماتا ہے کہ بدکار اور کافر لوگ شیاطین کے ساتھی بن جاتے ہیں، اور شیاطین انہیں مسلسل گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے گمراہی میں بڑھاتے رہتے ہیں، اس باہمی تعلق میں نہ شیاطین بہکانے سے باز آتے ہیں اور نہ یہ لوگ اپنی سرکشی چھوڑتے ہیں۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کفار کا اعتراض کسی خیر خواہی پر مبنی نہیں بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی ہے، آیت آئے تو اسے جھٹلاتے ہیں، اور نہ آئے تو مطالبہ کرتے ہیں کہ خود گھڑ لی جائے، اس پر نبی ﷺ کو اعلان کا حکم دیا گیا کہ قرآن اور آیات انسان کی اختراع نہیں بلکہ خالص اللہ کی وحی ہیں، یہی قرآن اہلِ ایمان کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے اور جو اس سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی بدبختی کے خود ذمہ دار ہیں۔

تلاوت کے وقت خاموشی کا حکم

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ {۲۰۴} الأعراف

جواب ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن کریم جن لوگوں کے لئے رحمت قرار دیا گیا اس کی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن کے ادب و احترام کو پہچانیں اور اس پر عمل کریں اور بڑا ادب قرآن کا یہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو سننے والے اپنے کان اس پر لگائیں اور خاموش رہیں۔ کان لگانے میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو سنیں اور یہ بھی کہ اس کے احکام پر عمل کرنے کیجہد کریں، (مظہری و قرطبی)

آخر آیت میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کا رحمت ہونا اس کے مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے۔ اس کے بالمقابل یہ خود ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اس کی خلاف ورزی کر کے قرآن کی بے حرمتی کی تو وہ رحمت کے بجائے قہر و غضب کا مستحق ہو گا۔

نماز کے اندر قرآن کی طرف کان لگانا اور خاموش رہنا تو عام طور پر مسلمانوں کو معلوم ہے گو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ امام نے کونسی سورت پڑھی ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی عظمت کو پہچانیں اور سننے کی طرف دھیان رکھیں، خطبہ جمعہ وغیرہ کا بھی شرعاً یہی حکم ہے، علاوہ اس آیت کے رسول کریم ﷺ کا ارشاد خاص طور سے خطبہ کے متعلق یہ آیا ہے کہ: اِذَا خَرَجَ الاِمَامُ فَلَا صَلٰوةَ وَلَا كَلَامَ، یعنی جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو نہ نماز ہے نہ کلام۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کوئی شخص دوسرے کو نصیحت کے لئے زبان سے یہ بھی نہ کہے کہ خاموش رہو (کرنا ہی ہو تو ہاتھ سے اشارہ کر دے) غرض دوران خطبہ میں کسی طرح کا کلام، تسبیح، درود یا نماز وغیرہ جائز نہیں۔

فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو حکم خطبہ جمعہ کا ہے وہی عیدین کے خطبہ کا اور نکاح وغیرہ کے خطبہ کا ہے کہ اس وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ البتہ نماز اور خطبہ کے علاوہ عام حالات میں کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے تو دوسروں کو خاموش رہ کر اس پر کان لگانا واجب ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے اس صورت میں بھی کان لگانے اور خاموش رہنے کو واجب اور اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا ہے اور اسی لئے ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں یا آرام کرتے ہوں کسی کے لئے بآواز بلند قرآن پڑھنے کو جائز نہیں رکھا اور جو شخص ایسے مواقع میں قرآن بآواز بلند پڑھتا ہے اس کو گناہگار فرمایا ہے، خلاصۃ الفتاوی وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

لیکن بعض دوسرے فقہاء نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کے لئے پڑھا جا رہا ہو، جیسے نماز و خطبہ وغیرہ میں اور اگر کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی تلاوت کر رہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں، کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک سفر میں رات کو پڑاؤ ڈالنے کے بعد صبح کو فرمایا کہ میں نے اپنے اشعری رفقائے سفر کو ان کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے اندھیرے میں پہچان لیا کہ ان کے خیمے کس طرف اور کہاں ہیں، اگرچہ دن میں مجھے ان کے جائے قیام کا علم نہیں تھا۔

اس واقعہ میں بھی رسول کریم ﷺ نے ان اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قرأت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو تم سب بیٹھو اور قرآن سنو۔ اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملہ میں کچھ گنجائش دی ہے، لیکن اولی اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ خارج نماز بھی جب کہیں سے تلاوت قرآن کی آواز آئے تو اس پر کان لگائے اور خاموش رہے اور اسی لئے ایسے مواقع میں جہاں لوگ سونے میں یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تلاوت قرآن بآواز بلند کرنا مناسب نہیں۔

اس سے ان حضرات کی غلطی معلوم ہوگئی جو تلاوت قرآن کے وقت ریڈیو ایسے مجامع میں کھول دیتے ہیں جہاں لوگ اس کے سننے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اسی طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسجدوں میں تلاوت قرآن اس طرح کرنا کہ اس کی آواز سے باہر کے سونے والوں کی نیند یا کام کرنے والوں کے کام میں خلل آئے، درست نہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جس وقت امام نماز میں یا خطیب خطبہ میں کوئی مضمون جنت و دوزخ کے متعلق پڑھ رہا ہو تو اس وقت جنت کی دعاء یا دوزخ سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وعدہ اس شخص کے لئے ہے جو تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہے، اور جو خاموش نہ رہے اس سے وعدہ نہیں، البتہ نفل نمازوں میں ایسی آیات کی تلاوت کے بعد آہستہ دعا مانگنا سنت سے ثابت ہے اور موجب ثواب ہے (تفسیر مظہری بحوالہ تفسیر معارف القرآن)

ذکر جلی اور ذکر خفی

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ {۲۰۵} الأعراف۔

جواب ترجمہ: اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور دیکھنا غافل نہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ذکر کرنے کا طریقہ بتلادیا کہ ذکر اپنے دل میں کیا جائے، اللہ سے ڈرتے ہوئے کیا جائے، اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے کیا جائے، دل کے ڈر کے ساتھ کیا جائے، بہت بلند اور بہت پست آواز کی بجائے درمیانی آواز کے ساتھ کیا جائے، ذکر دن کے ابتدائی حصے میں کیا جائے یا پھر دن کے آخری حصہ میں کیا جائے، مگر انسان کو بالکل ہی غافل نہیں ہونا چاہیے، تمام اوقات میں انسان کو ذکر سے غافل اور بے پرواہ نہیں ہونا چاہیے۔

ذکر خفی اور ذکر جہر کے احکام: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ذکر خفی اور ذکر جہر کے زیر عنوان لکھتے ہیں پہلا ادب ذکر کے آہستہ یا بلند آواز سے کرنے کے متعلق ہے اس کے بارے میں قرآن کریم نے اس آیت میں دو طرح کا اختیار دیا ہے، ذکر خفی اور ذکر جہر۔

ذکر خفی کے بارے میں فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ یعنی اپنے رب کو یاد کیا کرو اپنے دل میں۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بغیر زبان کی حرکت کے صرف دل میں دھیان اور خیال اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا رکھے جس کو ذکر قلبی یا تفکر کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ زبان سے بھی آہستہ آواز میں اسماء الٰہیہ کے حروف ادا کرے، سب سے افضل اور بہتر صورت یہی ہے کہ جو ذکر کر رہا ہے اس کے مفہوم کو سمجھ کر دل میں بھی اس کا پورا استحضار اور دھیان ہو اور زبان سے بھی ادا کرے کیونکہ اس صورت میں قلب کے ساتھ زبان بھی ذکر میں شریک ہو جاتی ہے اور اگر صرف دل میں دھیان اور تفکر میں مشغول رہے زبان سے کوئی حرف ادا نہ کرے وہ بھی بڑا ثواب ہے اور سب سے کم درجہ اس کا ہے کہ صرف زبان پر ذکر ہو اور قلب اس سے خالی اور غافل ہو، ایسے ہی ذکر کو مولانا رومی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

بر زُباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اور مقصد مولانا رومی رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ قلب غافل کے ذکر کرنے سے ذکر کے آثار و برکات کامل حاصل نہیں ہوتے، اس کا انکار نہیں کہ یہ صرف زبانی ذکر بھی ثواب اور فائدہ سے خالی نہیں، کیونکہ بعض اوقات یہ زبانی ذکر ہی قلبی ذکر کا ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے، زبان سے کہتے کہتے قلب بھی متاثر ہونے لگتا ہے اور کم از کم ایک عضو تو ذکر میں مشغول ہے ہی، وہ بھی ثواب سے خالی نہیں، اس لئے جن لوگوں کو ذکر و تسبیح میں دل جمعی اور دھیان اور استحضار نہیں ہوتا وہ بھی ایسے ذکر کو بے فائدہ سمجھ کر چھوڑیں نہیں، جاری رکھیں اور استحضار کی کوشش کرتے رہیں۔

دوسرا طریقہ ذکر کا اسی آیت میں یہ بتلایا وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ، یعنی زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ یعنی ذکر اللہ میں مشغول ہونے والے کو یہ بھی اختیار ہے کہ آواز سے ذکر کرے مگر اس کا ادب یہ ہے کہ بہت زور سے چیخ کر نہ کرے متوسط آواز کے ساتھ کرے جس میں ادب و احترام ملحوظ رہے، بہت زور سے ذکر و تلاوت کرنا اس کی علامت ہوتی ہے کہ مخاطب کا ادب و احترام اس کے دل میں نہیں، جس ہستی کا ادب و احترام اور رعب انسان کے دل میں ہوتا ہے اس کے سامنے طبعی طور پر انسان بہت بلند آواز سے نہیں بول سکتا، اس لئے عام ذکر اللہ ہو یا تلاوت قرآن جب آواز سے پڑھا جائے تو اس کی رعایت رکھنا چاہیے کہ ضرورت سے زائد آواز بلند نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کے تین طریقے حاصل ہوئے، ایک یہ کہ صرف ذکر قلبی یعنی معانی قرآن اور معانی ذکر کے تصور اور تفکر پر اکتفاء کرے، زبان کو بالکل حرکت نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ زبان کو بھی حرکت دے مگر آواز بلند نہ ہو جس کو دوسرے آدمی سن سکیں، یہ دونوں طریقے ذکر کے ارشاد ربانی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ میں داخل ہیں۔

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ استحضار قلب اور دھیان کے ساتھ زبان کی حرکت بھی ہو اور آواز بھی، مگر اس طریق کے لئے ادب یہ ہے کہ آواز کو زیادہ بلند نہ کرے، متوسط حد سے آگے نہ بڑھائے، یہ طریقہ ارشاد قرآنی وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ میں تلقین فرمایا گیا ہے۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت نے اس کی مزید وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے، وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا، اس میں آنحضرت ﷺ کو حکم ہے کہ اپنی قرأت میں نہ زیادہ جہر کیا کریں اور نہ بالکل اخفاء بلکہ جہر اور اخفاء کے درمیانی کیفیت رکھا کریں۔ نماز میں قرأت قرآن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہی ہدایت فرمائی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ آخر رات میں گھر سے نکلے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول تھے مگر تلاوت آہستہ کر رہے تھے، پھر حضر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، جب صبح کو یہ دونوں حضرات حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس گیا تو دیکھا کہ تم پست آواز سے تلاوت کر رہے تھے، صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جس ذات کو سنانا تھا اس نے سن لیا یہ کافی ہے، اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ قرأت میں جہر کرنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ نیند کا غلبہ نہ رہے اور شیطان اس کی آواز سے بھاگے، آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت کی کہ ذرا کچھ آواز بلند کیا کریں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ کہ کچھ پست کیا کریں۔ (ابو داؤد)

ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی تلاوت کے بارے میں بعض حضرات نے سوال کیا کہ جہرا کرتے تھے یا سرّاً؟ انہوں نے فرمایا کہ کبھی جہراً کبھی سراً (یعنی کبھی اونچی آواز سے اور کبھی آہستہ آواز سے تلاوت کرتے تھے) دونوں طرح تلاوت فرماتے تھے۔

رات کی نفل نماز میں اور خارج نماز تلاوت میں بعض حضرات نے جہر پسند کیا بعض نے آہستہ کو، اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے تلاوت کرے، البتہ آواز سے تلاوت کرنے میں چند شرائط سب کے نزدیک ضروری ہیں، اول یہ کہ اس میں نام و نمود اور ریاء کا اندیشہ نہ ہو، دوسرے اس کی آواز سے دوسرے لوگوں کا حرج یا تکلیف نہ ہو، کسی دوسرے شخص کی نماز و تلاوت یا کام میں یا آرام میں خلل اندازنہ ہو اور جہاں نام و نمود اور ریاء کا یا دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل کا اندیشہ ہو تو سب کے نزدیک آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے۔

اور جو حکم تلاوت قرآن کا ہے وہی دوسرے اذکار و تسبیح کا ہے کہ آہستہ اور بلند آواز سے دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ آواز اتنی بلند نہ ہو جو خشوع و خضوع اور ادب کے خلاف ہو نیز اس کی آواز سے

دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل نہ آتا ہو۔

اور اس کا فیصلہ کہ سراً اور جہراً میں سے افضل کیا ہے، اشخاص اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض لوگوں کے لئے جہر بہتر ہوتا ہے بعض کے لئے آہستہ، نیز بعض اوقات جہر بہتر ہوتا ہے بعض وقت سراً، (تفسیر مظہری وروح البیان وغیرہ)

دوسرا ادب تلاوت اور ذکر کا یہ ہے کہ عاجزی اور تضرع کے ساتھ ذکر کیا جاوے جو نتیجہ اس کا ہوتا ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کی عظمت وجلال مستحضر ہو اور جو ذکر کر رہا ہے اس کے معنی ومفہوم پر نظر ہو۔

تیسرا ادب اسی آیت میں لفظ خیفہ سے یہ بتلایا گیا کہ ذکر و تلاوت کے وقت انسان پر ہیبت اور خوف کی کیفیت ہونا چاہیے، خوف اس کا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عظمت کا حق ادا نہیں کر سکتے، ممکن ہے کہ ہم سے کوئی بے ادبی ہو جائے، نیز اپنے گناہوں کے استحضار سے عذاب الٰہی کا خوف نیز انجام اور خاتمہ کا خوف کہ معلوم نہیں ہمارا خاتمہ کس حال پر ہونا ہے، بہر حال ذکر و تلاوت اس طرح کیا جائے جیسے کوئی ہیبت زدہ ڈرنے والا کیا کرتا ہے۔

یہی آداب دعا اسی سورۃ اعراف کے شروع میں بھی ایک آیت میں اس طرح آئے ہیں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اس میں خیفة کے بجائے خفية کا لفظ آیا ہے جس کے معنی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کے ہیں، گویا ذکر و تلاوت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ آہستہ پست آواز سے کیا جائے، لیکن اس آیت نے اس کے معنی بھی واضح کر دیئے کہ اگرچہ آواز سے ذکر کرنا بھی ممنوع نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ضرورت سے زائد آواز بلند کرے، نیز اتنی بلند نہ کرے جس میں خشوع خضوع اور عاجزی وتضرع کی کیفیت جاتی رہے۔

آخر آیت میں ذکر و تلاوت کے اوقات بتلائے کہ صبح وشام ہونا چاہیے اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کم از کم دن میں دو مرتبہ صبح اور شام ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح شام بول کر مراد تمام لیل ونہار کے اوقات ہوں جیسے مشرق مغرب بول کر سارا عالم مراد لیا جاتا ہے،

اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ انسان پر لازم ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں ذکر و تلاوت کا پابند رہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

آخر آیت میں فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ، یعنی اللہ کی یاد کو چھوڑ کر غفلت والوں میں شامل نہ ہو جانا کہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اوقات میں ذکر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان میں انسان غافل نہ رہے، غدو سے مراد صبح ہے اور آصال سے مراد عشاء ہے۔ حضرت ابی صخر کہتے ہیں کہ آصال ظہر اور عصر کے درمیان کو کہا جاتا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے غدو کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد فجر کے آخر میں نماز صبح ہے، آصال سے مراد نماز عصر ہے، سورۃ آل عمران میں عشی اور ابکار کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج ڈھل جائے یعنی چھپ جائے، ابکار سے فجر کا ابتدائی وقت مراد ہے۔

بزار اور طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ پر ارشاد فرمایا کہ ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ عَنِ الْفَارِقِيْنَ (البزار، الطبرانی) غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے میدان جہاد چھوڑنے والوں میں جہاد کرنے والا۔ غافلین کون ہیں؟ بکیر بن اخنس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر جمعہ کا دن آئے اور اسے اس چیز کا پتا ہی نہ چلے کہ آج جمعہ کا دن ہے تو وہ غافلین میں سے ہے۔

مقربین بارگاہ خداوندی کی اطاعت شعاری

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ {۲۰۶} الأعراف

جواب ترجمہ: جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

اس آیت میں لوگوں کی عبرت و نصیحت کے لئے مقربان بارگاہ الٰہی کا ایک مخصوص حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے پاس ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا مقبول ہونا ہے، جس میں سب فرشتے اور تمام انبیاء علیہم السلام اور صالحین امت شامل ہیں، اور تکبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھ کر ان عبادات میں قصور نہیں کرتے بلکہ اپنے کو عاجز و محتاج سمجھ کر ہمیشہ اللہ کی یاد اور عبادت میں مشغول اور تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو دائمی عبادت اور یاد خدا کی توفیق ہوتی ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے پاس ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو حاصل ہے۔ (معارف القرآن) اللہ کے ہاں فرشتے ہیں جو اس کی بندگی سے سرکشی نہیں کرتے، بلکہ وہ اللہ کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں، دن رات اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے جو چیزیں شایان شان نہیں ہیں ان سے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہ اسی ایک لاشریک ذات کے سامنے سجدہ ریزی اور سرافگندگی کرتے ہیں۔ یہاں عبادت نماز میں سے صرف سجدہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ تمام ارکان نماز میں سجدہ کو خاص فضیلت حاصل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں جنت میں جاسکوں، حضرت ثوبان خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا، پھر بھی خاموش رہے، جب تیسری مرتبہ سوال کو دھرایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، آپ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ کثرت سے سجدے کیا کرو کیونکہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیتے ہیں، یہ شخص کہتے ہیں

کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بعد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملا تو ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب کہ بندہ سجدہ میں ہو، اس لیے تم سجدہ کی حالت میں خوب دعا کیا کرو کہ اس کے قبول ہونے کی بڑی امید ہے۔

یاد رہے کہ تنہا سجدہ کی کوئی عبادت معروف نہیں، اس لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کثرت سجود سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے نوافل پڑھا کریں، جتنی نفلیں زیادہ ہوں گی سجدے زیادہ ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص تنہا سجدہ ہی کر کے دعا کرلے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور سجدہ میں دعا کرنے کی ہدایت نفلی نمازوں کے لئے مخصوص ہے فرائض میں نہیں۔ (معارف القرآن)

اس آیت کے اختتام پر مسلمانوں کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کا حال بھی ملائکہ مقربین کے حال کے مطابق ہو جائے۔ چنانچہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتے ہوئے علیحدہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میری بربادی، ابن آدم کو سجدہ کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کیا اور اس کے لیے جنت ہے اور مجھے حکم ملا تو میں نے انکار کیا اور میرے لیے دوزخ ہے۔ (مسلم کتاب الایمان۔)

سجدہ ہائے تلاوت: قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی کلام ہے، جس کی تلاوت عبادت ہے اور بعض مخصوص آیات پر سجدۂ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے، سجدۂ تلاوت دراصل اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی، اطاعت اور بندگی کے اظہار کا عملی طریقہ ہے۔

سجدۂ تلاوت کی تعداد: فقہ حنفی کے مطابق قرآن کریم میں سجدہ تلاوت کی تعداد چودہ (۱۴) ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدات تلاوت کی تعداد چودہ ہے، اور اس میں سورۃ ''ص'' کی آیت کو بھی شامل کیا گیا ہے، جب کہ سورۃ الحج کی دوسرے سجدہ کو شمار نہیں کیا جاتا، اس بارے میں حلیۃ

العلماء میں واضح طور پر ذکر ہے اَبُو حَنِیفَۃَ اَلسَّامِعُ وَالْمُستَمِعِ سَوَاءٌ فِي السُّجُودِ وَسَجَدَاتِ التِّلَاوَۃِ أَربَع عَشرَۃ سَجدَۃً عَلَی قَولِہِ الجَدِیدِ وَبِہِ قَالَ أَحمَدُ وَھُوَ رِوَایَۃٌ عَن مَالِك یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدات تلاوت چودہ ہیں۔

سجدۂ تلاوت کی حکمت: سجدۂ تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں اس کی عظمت، قدرت اور بندگی کا ذکر سنے تو وہ محض زبان سے نہیں بلکہ جسم کے سب سے اعلیٰ عمل یعنی سجدے کے ذریعے اپنی اطاعت ظاہر کرے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت میں سجدے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

سجدۂ تلاوت کا حکم: سجدۂ تلاوت قرآن پڑھنے یا سننے والے دونوں پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ آیتِ سجدہ پوری طرح سنی یا پڑھی جائے، یہ سجدہ نماز کے اندر بھی ہوتا ہے اور نماز کے باہر بھی۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ: جب قاری یا سننے والا ان آیات میں سے کسی آیت کی تلاوت یا سماعت کرے تو سنت ہے کہ فوراً سجدہ کرے، سجدہ تلاوت کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں، یعنی طہارت، ستر عورت، اور قبلہ رخ ہونا، سجدہ تلاوت میں صرف ایک سجدہ کیا جاتا ہے، اس میں تکبیر کہہ کر سجدہ کیا جاتا ہے اور پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، نہ اس میں تشہد ہے اور نہ سلام۔

خلاصہ: یوں قرآنِ کریم میں سجدۂ تلاوت کی آیات اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندگی کا عملی درس ہیں، یہ آیات بندۂ مؤمن کو یاد دلاتی ہیں کہ علم، عقل اور زبان کے بعد اصل مقام جھکنے کا ہے اور یہی سجدہ انسان کو اللہ کے سب سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔



سورہ الانفال (تعارف)

سوال سورۃ الانفال کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الانفال مدنی ہے، یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی، اور اس میں کل ۷۵ آیات ہیں، اس کا نزول غزوہ بدر کے بعد ہوا اور اس میں مسلمانوں کو جنگ، غنائم، اتحاد، اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں رہنمائی دی گئی ہے، اس سورت میں بدر کے واقعات، مسلمانوں کی فتح، اور اس کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ ": انفال" کا معنی ہے "غنائم" یا وہ مال جو جنگ میں حاصل ہو، اس سورت کا نام اس لیے رکھا گیا کہ اس کی ابتدائی آیت میں غنائم کے بارے میں سوال اور اس کا جواب دیا گیا، يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ یعنی غنائم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں، "انفال" جمع ہے "نفل" کی، اور اس سے مراد وہ عطیہ ہے جو اللہ نے مسلمانوں کو بدر میں فتح کے بعد عطا کیا، جو ان کے اندازے سے زیادہ تھا۔

اہم ترین مضامین: سورۃ الانفال میں درج ذیل اہم مضامین بیان ہوئے ہیں: ① غنائم کی تقسیم: غنائم کی تقسیم کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دیا گیا اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی گئی۔ ② جنگ بدر کے واقعات: سورت میں بدر کے واقعات، مسلمانوں کی کم تعداد کے باوجود اللہ کی مدد اور فتح کا ذکر ہے، اور اس میں اللہ کی طرف سے ملائکہ کی مدد اور نصرت بیان ہوئی۔ ③ اتحاد و اتفاق اور اطاعت: مسلمانوں کو آپس میں اتحاد، اصلاح ذات البین اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کی تاکید کی گئی۔ ④ جنگ کے آداب و احکام: جنگ میں ثابت قدم رہنے، اللہ کو یاد کرنے، اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنے کے اصول بیان کیے گئے۔ ⑤ دشمنوں کے ساتھ صلح و جنگ: اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو صلح قبول کرنے کی ہدایت، اور اگر خیانت کا اندیشہ ہو تو عہد کو صاف طور پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا۔ ⑥ منافقین اور کفار کی مذمت: عہد شکنی، خیانت، اور کفار کی سرکشی کی مذمت کی

گئی، اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ ⑦ مسلمانوں کی صفات: سورت کے آغاز میں مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں: اللہ کا ذکر سن کر دل لرزنا، ایمان میں اضافہ، نماز قائم کرنا، اور اللہ پر توکل کرنا۔

مال غنیمت

سوال اس آیت کریمہ میں سوال کرنے والے کون لوگ ہیں؟ سوال کس سے کیا گیا تھا؟ انفال کیا ہے؟ یہ سوال کس وقت کیا گیا تھا؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۱} الأنفال.

جواب ترجمہ: (اے حبیب مکرّم!) آپ سے اَموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے: اَموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول (ﷺ) ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کو درست رکھا کرو اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

سوال کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ جن سے سوال کیا جارہا تھا وہ اللہ کے لاڈلے اور محبوب نبی حضرت محمد ﷺ تھے۔ انفال سے مراد غنیمتوں کے اموال ہیں۔ اور یہ سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے غزوہ بدر کے بعد کیا تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں انفال سے مراد کون سے اموال ہیں؟:۔ اموال زائدہ یا انفال سے مراد وہ اموال ہیں جو کسی کی محنت کا صلہ نہ ہوں بلکہ اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کئے ہوں اور ان کی کئی اقسام ہیں مثلاً ① اموال غنیمت جو اگرچہ مجاہدین کی محنت کا صلہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اسے اس لیے انفال میں شمار کیا گیا کہ پہلی امتوں پر غنیمت کے اموال حرام تھے۔ ایسے سب اموال ایک میدان میں اکٹھے کر دیئے جاتے پھر رات کو آگ اتر کر ان کو بھسم کر دیتی تھی۔ مگر اس امت پر حلال کی گئی ہے۔ ② اموال فے یعنی ایسے اموال جو لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ ③ اموال سلب یعنی وہ مال جو ایک مجاہد مقتول دشمن کے جسم سے

اتارتا ہے۔ ④ دیگر اموال جیسے جزیہ، صدقات اور عطیات وغیرہ۔ یہ سب انفال کے ضمن میں آتے ہیں۔

سچے ایمان والے

سوال ان آیات کی روشنی میں اہل ایمان کی صفات واضح کیجیے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ {٢} الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ {٣} أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ {٤} الأنفال.

جواب ترجمہ: جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ (اور) وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (کار خیر میں) خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں اور ان کے لئے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

سچے ایمان والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے اللہ کے قرآن کی آیات تلاوت کی جائیں تو اس کے معانی، مفاہیم اور مطالب میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے ان کا ایمان بڑھ جائے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی سے کوئی امید نہیں رکھتے اور اللہ کے علاوہ کسی سے خوف زدہ بھی نہیں ہوتے، یہ فرض نمازوں کی ادائیگی پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں، اپنے اوقات پر فرائض ادا کرتے ہیں، جو مال اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ربط و تعلق ما قبل: تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس سے پہلی آیات میں سچے مومنین کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں، ایک وہ جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے جیسے ایمان۔ خوف خدا،

توکل علی اللہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان تینوں قسموں کے بالمقابل تین انعامات کا ذکر آیا ہے۔ درجات عالیہ قلبی اور باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور رزق کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بالمقابل آیا ہے کہ جو کچھ خرچ کیا اس سے بہت بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا۔

جہاد کے لیے اللہ نے نکالا

سوال اس آیت مبارکہ کا مفہوم بیان کیجیے

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ {۵} الأنفال.

جواب ترجمہ: (ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اس طرح نکلنا چاہئے تھا) جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو تدبیر کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا اور (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں اس میں لفظ كَمَآ ایک ایسا لفظ ہے جو تشبیہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو غور طلب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ کس چیز کی کس چیز سے ہے؟ حضرات مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ امام تفسیر ابو حیان نے اس طرح کے پندرہ اقوال نقل کئے ان میں زیادہ قریب تین احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ پھر حکم خداوندی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کی برکات اور اچھے نتائج کا ظہور سامنے آگیا۔ اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے

اطاعت کی اور اس کے مفید نتائج اور اعلیٰ ثمرات کا مشاہدہ ہو گیا۔ یہ توجیہ فراء اور مبرد کی طرف منسوب ہے (بحر محیط) اسی کو بیان القرآن میں ترجیح دی ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اور مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگرچہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ نصرت و فتح غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آچکا ہے اس سے عبرت پکڑو اور یقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہو گا۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ نحاس)

تیسرا احتمال وہ ہے جس کو ابوحیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پر اطمینان نہیں تھا۔ ایک روز میں اسی آیت پر غور و فکر کرتے ہوئے سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جا رہا ہوں اور ایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی آیت کے متعلق اس سے بحث کر رہا ہوں اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جیسی اس آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے۔

پھر یکایک خواب ہی میں میرے دل میں پڑا کہ یہاں لفظ نصرك محذوف ہے اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے بحث کر رہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کے بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہو گیا کیونکہ اس صورت میں لفظ کما تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت و امداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا کسی اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم خداوندی کے تابع کیا۔ اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و نصرت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

بہر حال آیت کے اس جملہ میں یہ تینوں معنی محتمل اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد اس پر نظر ڈالئے کہ قرآن کریم نے اس جہاد کے لئے رسول کریم ﷺ کا خود نکلنا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ آپ کا فعل در حقیقت حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو آپ کے اعضاء و جوارح سے صادر ہوتا ہے۔

جیسا ایک حدیث قدسی میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت و عبدیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں وہ جس کو پکڑتا ہے میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔

خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالے کی خاص نصرت و امداد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ کان یا ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے، در حقیقت اس میں قدرت حق تعالیٰ شانہ کی کارفرما ہوتی ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اَخْرَجَكَ میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کا جہاد کے لئے نکلنا در حقیقت حق تعالیٰ کا نکالنا تھا جو آپ کی ذات سے ظاہر ہوا۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ فرمایا جس میں اللہ جل شانہ کا ذکر صفت رب کے ساتھ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس جہاد کیلئے آپ کو نکالنا شان ربوبیت سے اور تربیت کے تقاضا سے تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لئے فتح یاب اور مغرور و ظالم کفار کے لئے پہلے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔ مِنۢ بَيْتِكَ کے معنی ہیں آپ کے گھر سے، مطلب یہ ہوا کہ نکالا آپ کو آپ کے رب نے آپ کے گھر سے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر یا خود مدینہ طیبہ ہے جس میں ہجرت کے بعد آپ مقیم ہوئے۔ کیونکہ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آیا ہے۔ اس کے ساتھ لفظ بِالْحَقِّ کا اضافہ کر کے بتلا دیا کہ یہ ساری کارروائی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے عمل میں آئی ہے۔ دوسری حکومتوں کی طرح ملک گیری کی ہوس یا بادشاہوں کا غصہ اس کا سبب نہیں۔ (معارف)

اللہ حق کا بول بالا چاہتے ہیں

سوال آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ{٦} وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ{٧}لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ{٨}الأنفال.

جواب ترجمہ: وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا، گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں، اور (اس وقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کرتا تھا کہ (ابو سفیان اور ابو جہل کے) دو گروہوں میں ایک گروہ تمہارا مسخر) ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور جو کافروں کی جڑ کاٹ کر (پھینک) دے۔ تاکہ حق کو سچا کر دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ: الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ غزوۂ بدر کے موقع پر بعض کمزور ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مشرکین سے قتال ناگزیر ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اس معاملے میں بحث کرنے لگے، ان کی حالت ایسی تھی جیسے انہیں جانتے بوجھتے موت کی طرف ہانکا جا رہا ہو، اس گھبراہٹ اور ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ وہ جنگ کے لیے

ذہنی اور ظاہری طور پر تیار نہ تھے، نہ اس کے لیے سامان اور تیاری موجود تھی، اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس انسانی کمزوری کو بیان کیا اور بعد میں اپنی نصرت کے ذریعے واضح فرمادیا کہ کامیابی تیاری اور اسباب سے بڑھ کر اللہ کی مدد پر موقوف ہوتی ہے۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ: اشارہ ہے غزوہ بدر سے متعلق دو گروہوں کی طرف، جن میں سے ایک غیر مسلح تھا۔ یعنی تجارتی قافلہ جو کہ سامان تجارت لے کر واپس مکہ جارہا تھا اور دوسرا گروہ مسلح لشکر کا تھا جو مکہ سے اہل حق پر حملہ کرنے کی غرض سے مدینے کی طرف آرہا تھا، حضور نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے لینے اور اس صورت حال سے متعلق ان کا مزاج معلوم کرنے کیلئے ان سے پوچھا کہ کیا خیال ہے؟ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک گروہ یقیناً تم لوگوں کو ملنے والا ہے۔

اب تم بتاؤ کہ تم ان دونوں گروہوں میں سے کس کو اپناتے اور اختیار کرتے ہو؟ تو اس پر مخلص صحابہ کرام نے بڑے پرجوش انداز میں مسلح گروہ کو اختیار کرنے اور ان کے خلاف لڑنے اور جہاد کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور اس کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کا اعلان واظہار کیا۔ جس کا کچھ اندازہ ان حضرات کی ان پرجوش تقریروں سے کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی تھیں اور حدیث وسیرت کی کتابوں میں مذکور ومسطور ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ کمزور اور ضعیف الایمان لوگوں کا خیال تھا کہ مسلح گروہ کے بجائے تجارتی قافلہ کے غیر مسلح گروہ کو اختیار کیا جائے، تاکہ خطرات اور مشکلات سے سامنا نہ کرنا پڑے اور لقمہ تر ہاتھ آجائے، اور یہ ایک طبعی چیز ہے، سو ایسے ہی لوگوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا گیا (**وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ**) الانفال:۷) یعنی تم لوگ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ لگے۔ (مدنی)

الطَّآئِفَتَيْنِ: سے مراد تجارتی قافلہ یا لشکر ہے، مسلمان تجارتی قافلے کو حاصل کرنا چاہتے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ احقاق حق اور ابطال باطل کرنا چاہتے تھے، جو اللہ نے کرکے دکھایا۔

غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ: کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ تجارتی قافلے کو حاصل کرنے کے ساتھ کامیابی کے متمنی تھے، قتال ولڑائی نہیں چاہتے تھے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ حقیقت واضح فرماتا ہے کہ اس کی مشیت یہ ہے کہ وہ حق کو غالب کرے اور اسلام اور اس کے ماننے والوں کو نمایاں اور مضبوط بنائے، اپنے دلائل اور نشانیوں کے ذریعے حقانیت کو آشکارا کر دے اور باطل کو اس کے باطل ہونے کے واضح ثبوتوں کے ساتھ مٹادے، چاہے یہ بات مشرکین کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے، اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ظاہر فرما کر رہے گا، کیونکہ حق کی بالادستی اس کا اٹل فیصلہ ہے۔

اللہ ہی مددگار ہے

سوال ان آیات مبارکات کی تفسیر کیجیے

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ {۹} وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ {۱۰} اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ {۱۱} اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ {۱۲} الأنفال.

جواب ترجمہ: جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا کہ) (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے اور اس مدد کو خدا نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔ جب اس نے (تمہاری) تسکین کے لئے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اڑھادی اور تم پر آسمان سے پانی برسادیا تاکہ تم کو اس سے

(نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔ جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو ان کے سر مار (کر) اڑا دو اور اس کا پور پور مار (کر توڑ) دو۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہ نعمت یاد کروا رہے ہیں جب وہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ فرماتے ہوئے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا، جو آسمان کی طرف سے تمہاری طرف پے در پے آئیں گے، یہ مدد اور نصرت تمہارے لیے خوشخبری ہے، تمہارے دلوں کی تسکین کا سامان ہے اور اپنی طرف آنے والی اللہ کی مدد پر یقین رکھو کہ مدد اور نصرت اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔

یہ تمہاری سخت جانی، سخت کوشی، قوت بازو، شدت لڑائی کے باعث مدد نہیں آیا کرتی، اللہ اپنی بادشاہی میں غالب ہے، اپنے کاموں کی تدبیر میں حکمت کار ہے، نیند کی چادر تمہیں اس لیے اڑھادی تاکہ تم پر دشمن کے غالب آنے کا جو خوف سوار تھا وہ اطمینان میں بدل جائے، بادلوں سے تمہارے لیے پاک، صاف اور ستھرا پانی اس لیے اتارا گیا تاکہ تم اس سے ظاہری احداث سے پاکی حاصل کرو اور تمہارے باطن میں شیطان نے جو وساوس پیدا کر رکھے ہیں وہ دور ہو جائیں۔

تمہارے دلوں کو لڑائی کے وقت مضبوط کر دے، ریتلی زمین کے باعث پاؤں کے پھسل جانے کا امکان تھا، بارش کے باعث اب اس پھسلن کا امکان بھی ختم کر دیا گیا، اب قدم جم جائیں گے، اللہ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو پوری پوری تسلی دی کہ اللہ نے فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کی ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری مدد کروں گا، اس لیے اہل ایمان کے ارادوں کو مضبوط کر دو، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، ان پر ذلت مسلط کر دوں گا، اس لیے اے اہل ایمان! ان کافروں کے سروں کو کچل ڈالو، ان کے اعضاء اور ان کے جوڑوں کے حصے بخرے کر دو۔

بدر میں کافروں کا انجام اور آخرت کی وعید

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۱۳} ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ {۱۴} الانفال

جواب ترجمہ: یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے سو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: مشرکین کے قتل اور زخمی ہونے اور ان کے حصوں کے ٹوٹ پھوٹ کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، انہوں نے اللہ کے احکام پر عمل نہیں کیا اور اس کے حرام کردہ کاموں سے باز نہ آئے، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا میں سخت سزا مقرر کر دیتا ہے، قتل اور قید کے ذریعے اور آخرت میں آگ میں عذاب ہو گا۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ: یہ ان کافروں کو خطاب کیا جارہا ہے جو میدان بدر میں شریک جنگ ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو چکھ لو اور مزید فرمایا وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ، بلاشبہ کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے، دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرما دیا اور یہ بتادیا کہ عذاب یہیں ختم نہیں ہو گیا۔ (انوار البیان)

میدان جہاد سے بھاگنے کی سزا

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ {۱۵} وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ {۱۶} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے اہل ایمان! جب میدان جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لئے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمت عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جاملنا چاہے۔ ان سے پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

جہاد کے میدان میں جو مسلمان بھی بھاگ کھڑا ہوا اس کی سزا اللہ کے ہاں جہنم کی آگ ہے۔ جب لشکر کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے اس وقت پیٹھ پھیرنا حرام ہے ہاں اس شخص کے لئے جو فن جنگ کے طور پر پینترا بدلے یا دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر موقع پر وار کرنے کے لئے بھاگے یا اس طرح لشکر پیچھے ہٹے اور دشمن کو گھات میں لے کر پھر ان پر اچانک چھاپہ مار دے تو بیشک اس کیلئے پیٹھ پھیرنا جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں جانا ہو جہاں چھوٹے سے لشکر سے بڑے لشکر کا ٹکراؤ ہو یا امام اعظم سے ملنا ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا میں بھی اس میں تھا لوگوں میں بھگدڑ مچی میں بھی بھاگا ہم لوگ بہت ہی نادم ہوئے کہ ہم اللہ کی راہ سے بھاگے ہیں اللہ کا غضب ہم پر ہے ہم اب مدینے جائیں اور وہاں رات گذار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں اگر ہماری توبہ کی کوئی صورت نکل آئے تو خیر ورنہ ہم جنگوں میں نکل جائیں۔

چنانچہ نماز فجر سے پہلے ہم جا کر بیٹھ گئے جب حضور آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا بھاگنے والے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو میں تمہاری جماعت ہوں اور میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں ہم نے بے ساختہ آگے بڑھ کر حضور کے ہاتھ چوم لئے۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جنگ فارس میں ایک پل پر گھیر لئے گئے مجوسیوں کے ٹڈی دل لشکروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا موقع تھا کہ آپ ان میں سے بچ کر نکل آتے لیکن آپ نے مردانہ وار اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ وہاں سے میرے پاس چلے آتے تو ان کے لئے جائز تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی جماعت ہوں مجھ سے مل جانے میں کوئی حرج نہیں ایک اور روایت میں ہے میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ تم اس آیت کا غلط مطلب نہ لینا یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے۔ اب تمام مسلمانوں کیلئے وہ فئتہ جس کی طرف پناہ لینے کے لئے واپس مڑنا جائز ہے، میں ہوں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نافع نے سوال کیا کہ ہم لوگ دشمن کی لڑائی کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فئتہ سے مراد امام لشکر ہے یا مسلمانوں کا جنگی مرکز آپ نے فرمایا فئتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ہے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔

ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں لشکر کفار سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پناہ لے اس کے لئے جائز ہے، آج بھی امیر اور سالار لشکر کے پاس یا اپنے مرکز میں جو بھی آئے اس کیلئے یہی حکم ہے، ہاں اس صورت کے سوا نامردی اور بزدلی کے طور پر لشکر گاہ سے جو بھاگ کھڑا ہو لڑائی میں پشت دکھائے وہ جہنمی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے وہ حرمت کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔

بخاری مسلم میں ہے سات گناہوں سے جو مہلک ہیں بچتے رہو پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی کو ناحق مار ڈالنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا، ایماندار پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا۔ فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ لے کر لوٹتا ہے اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بدتر ہے۔

بشیر بن معبد کہتے ہیں میں حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا تو آپ نے شرط بیان کی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، شہادت اور محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی شہادت دوں پانچوں وقت کی نماز قائم رکھوں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور حج مطابق اسلام بجالاؤں اور رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں، میں نے کہا یارسول اللہ! اس میں سے دو کام میرے بس کے نہیں ایک تو جہاد دوسرے زکوٰۃ میں نے تو سنا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھانے والا اللہ کے غضب میں آجاتا ہے مجھے تو ڈر ہے کہ موت کا بھیانک سماں کہیں کسی وقت میرا منہ نہ پھیر دے اور مال غنیمت اور عشر ہی میرے پاس ہوتا ہے وہ ہی میرے بچوں اور گھر والوں کا اثاثہ ہے سواری لیں اور دودھ پئیں اسے میں کسی کو کیسے دے دوں؟ آپ نے اپنا ہاتھ ہلا کر فرمایا جب جہاد بھی نہ ہو اور صدقہ بھی نہ ہو تو جنت کیسے مل جائے؟ میں نے کہا اچھا یارسول اللہ! سب شرطیں منظور ہیں چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

فعل نبی کا طاقت اللہ کی

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ {۱۷} ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ {۱۸} الأنفال.

جواب ترجمہ: تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے محمد ﷺ) جس وقت آپ نے (کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے۔ بیشک اللہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ بندوں کے کل کاموں کا خالق وہی ہے ان سے جو بھی اچھائیاں سرزد ہوں اس پر قابل تعریف وہی ہے اس لئے کہ توفیق اسی کی طرف سے ہے اور اعانت و مدد بھی اسی کی جانب سے ہے اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم نے آپ اپنی طاقت و قوت سے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا تم تو مٹھی بھر تھے اور دشمن بہت زیادہ تھے تم بے کس اور کمزور تھے دشمن قوت طاقت والے تھے۔ یہ اللہ ہی کی مدد تھی کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا، جیسے فرمان ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران:۱۲۳)

اللہ نے بدر کے دن تمہاری مدد کی اور آیت میں ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (التوبہ:۲۵) بہت سی جگہ اللہ جل شانہ نے تمہاری امداد فرمائی ہے، حنین کے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی زیادتی پر گھمنڈ ہوا لیکن وہ بے کار ثابت ہوئی اور یہ وسیع زمین تم پر تنگ ہو گئی اور آخر منہ موڑ کر تم بھاگ کھڑے ہوئے۔

پس ثابت ہو گیا کہ گنتی کی زیادتی، ہتھیاروں کی عمدگی اور ساز و سامان کی فراوانی پر غلبہ موقوف نہیں وہ تو اللہ کی مدد پر موقوف ہے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲۴۹)البقرہ) یعنی بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے لشکروں کے منہ پھیر دیئے ہیں اور ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے یہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پھر مٹی کی اس مٹھی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضور ﷺ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف پھینکی تھی پہلے تو آپ نے اپنی جھونپڑی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ روئے، گڑگڑائے اور مناجات کر کے باہر نکلے اور کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بگڑ جائیں، ان کے منہ پھر جائیں ساتھ ہی صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً عام حملہ کر دو۔ ادھر حملہ ہوا ادھر سے وہ کنکریاں اللہ

تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کافروں کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ سب اپنی آنکھیں مل ہی رہے تھے جو لشکر اسلام ان کے کلے پر پہنچ گیا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ مٹھی تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی یعنی پھینکی تو حضور نے لیکن ان کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں شکست دینے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا نہ کہ حضور ﷺ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جس میں یہ بھی کہا کہ اے میرے پروردگار! اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت زمین پر نہ کی جائے گی اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ ایک مٹھی زمین سے مٹی کی بھر لیں اور ان کے منہ کی طرف پھینک دیں آپ نے یہی کیا پس مشرکین کے سارے لشکر کے منہ اور آنکھ اور نتھنوں میں وہ مٹی گھس گئی اور انہیں پیٹھ پھیرتے ہی بنی۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کنکریوں کی ایک مٹھی زمین سے بھر کر مجھے دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر دی جس میں کنکریاں تھیں اور مٹی بھی، آپ نے مشرکوں کی طرف وہ مٹھی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں، ادھر سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کرنا اور قیمہ کرنا شروع کر دیا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ یہ تیرے بس کی بات نہ تھی بلکہ یہ اللہ کے بس کی چیز تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ تین کنکر لے کر آپ نے پھینکے تھے ایک دائیں ایک بائیں ایک بیچ میں، گو حنین والے دن بھی آپ نے کنکریاں مشرکوں کی طرف پھینکی تھیں لیکن یہاں ذکر جنگ بدر کے دن کا ہے۔ حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن ہم نے ایک آواز سنی کہ گویا آسمان سے کوئی کنکر کسی طشت میں گرا اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی پھینکی ہوئی کنکریاں ہم میں پہنچیں اور ہمیں شکست ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ: مشرکین کا قتل کیا جانا، ان پر وار ہونا یہاں تک کہ وہ شکست کھا کر بھاگ نکلیں اور مومنوں پر یہ احسان کہ اللہ نے انہیں اپنے دشمن پر غالب کر دیا، یہ سب

اللہ ہی کی طرف سے تھا اور اللہ کافروں کی ان تمام چالوں کو ناکام بنانے والا ہے جو وہ اسلام کے خلاف کرتے ہیں۔

حق کی فتح

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ{۱۹}الأنفال.

جواب ترجمہ: (کافرو) اگر تم (محمد ﷺ پر) فتح چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آچکی۔ (دیکھو) اگر تم (اپنے افعال سے) باز آجاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی) کروگے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) کریں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمارہا ہے کہ تم یہ دعائیں کرتے تھے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے جو حق پر ہو اسے غالب کردے اور اس کی مدد فرمائے تو اب تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہوگئی مسلمان بحکم الٰہی اپنے دشمنوں پر غالب آگئے۔ ابوجہل نے بدر والے دن کہا تھا کہ اے اللہ! ہم میں سے جو رشتوں ناتوں کا توڑنے والا ہو اور غیر معروف چیز لے کر آیا ہو اسے تو کل کی لڑائی میں شکست دے پس اللہ تعالیٰ نے یہی کیا اور یہ اور اس کا لشکر ہار گئے، مکے سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الٰہی دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ ہو اور زیادہ بزرگ ہو اور زیادہ بہتری والا ہو تو اس کی مدد کر۔ پس اس آیت میں ان سے فرمایا جارہا ہے کہ لو اللہ کی مدد آگئی تمہارا کہا ہوا پورا ہوگیا۔ ہم نے اپنے نبی کو جو ہمارے نزدیک بزرگ، بہتر اور اعلیٰ تھے غالب کردیا۔ خود قرآن نے ان کی دعا نقل کی ہے کہ یہ کہتے تھے **وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** (الانفال:

۳۲) الٰہی اگر یہ تیری جانب سے سچ ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا، پھر فرماتا ہے کہ اگر اب بھی تم اپنے کفر سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کو نہ جھٹلاؤ تو دونوں جہان میں بھلائی پاؤ گے اور اگر پھر تم نے یہی کفر کیا اور گمراہی اختیار کی تو ہم بھی اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں پست کریں گے۔ اگر تم نے پھر اسی طرح فتح مانگی تو ہم پھر اپنے نیک بندوں پر اپنی مدد اتاریں گے لیکن اول قول قوی ہے۔

یاد رکھو گو تم سب کے سب مل کر چڑھائی کرو تمہاری تعداد کتنی ہی بڑھ جائے اپنے تمام لشکر جمع کر لو لیکن سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ خالق کائنات مومنوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ وہ اس کے رسول کے ساتھ ہیں۔

یہود، مشرکین اور منافقین کا قول

سوال آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ{۲۰}وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ{۲۱} الأنفال

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرو، اور اس سے رو گردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ تم نے (اللہ کا حکم) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اس آیت میں اہلِ ایمان کو ایک جامع اور فیصلہ کن حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت اختیار کریں، اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کو دل و جان سے قبول کیا جائے اور ممنوعات سے بچا جائے، ساتھ ہی سخت تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ سن کر بھی منہ موڑ لینا، یا جان بوجھ کر نافرمانی اختیار کرنا ایمان کے منافی طرزِ عمل ہے، چونکہ قرآن کی آیات خود اللہ کی طرف سے واضح ہدایات ہیں، اس لیے ان کے ہوتے ہوئے روگردانی کرنا سنگین

خسارے کا سبب بن سکتا ہے، یہ آیت دراصل مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی کامیابی کی بنیاد، اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کو واضح کرتی ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ : یہ بات منافقین اور مشرکین نے کہی تھی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا **سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا** ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں۔

مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ (**قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ**) الانفال:۳۱) جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔

مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہر حال مومن صادق کی شان اور یہود اور مشرکین و منافقین کی طرح نہ ہونی چاہیے۔ اس کی شان یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، عمل سے، حاضر و غائب احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم کی آواز کو دبانے اور اس کا اثر و نفوذ کم کرنے کے لیے ہر دور میں مخالفین نے اپنی سی کوشش کی، مگر سب رائیگاں، اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں قرآن کریم کی آواز کو دبنے نہیں دیا، کسی دور میں اس چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔

مخلوق میں اللہ کے ہاں بدترین

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کرتے ہوئے بتایئے کہ جانداروں میں سے زمین پر اللہ کی بدترین مخلوق کون سی ہے؟

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ{۲۲}وَلَوْ عَلِمَ اللهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ{۲۳}الأنفال.

جواب ترجمہ: یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے تو ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کی مخلوق میں وہ لوگ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ شریر ہیں جو اس طرح بہرے ہیں کہ ان کے کان حق بات سننے سے قاصر ہیں، حق سن ہی نہیں سکتے، وہ گونگے شیطان جن کی زبانیں حق بولنے سے قاصر ہیں، حق ان کی زبانوں پر جاری ہی نہیں ہو سکتا، یہ لوگ اللہ کے اوامر اور نواہی کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

لفظ دواب دابہ کی جمع ہے اصل لغت کے اعتبار سے ہر زمین پر چلنے والے کو دابہ کہا جاتا ہے مگر عرف و محاورہ میں صرف چوپایہ جانوروں کو دابۃ کہتے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہوئے کہ سب سے بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور اس کے قبول کرنے سے گونگے ہیں اور بہرے گونگے میں اگر کچھ عقل ہو تو وہ بھی اشاروں سے اپنے دل کی بات کہہ لیتا ہے اور دوسروں کی بات سمجھ لیتا ہے یہ لوگ بہرے گونگے ہونے کے ساتھ بے عقل بھی ہیں اور یہ ظاہر ہے جو بہرا گونگا عقل سے بھی خالی ہو اس کے سمجھنے سمجھانے کا کوئی راستہ نہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کو جو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا اور اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات بنایا گیا یہ سب انعامات صرف اطاعت حق میں مضمر اور منحصر ہیں جب انسان نے حق بات کے سننے سمجھنے اور ماننے سے اعراض کیا تو یہ سارے انعامات اس سے سلب ہو جاتے ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ انسان اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے سب جانوروں سے افضل و اعلیٰ ہے اور فرشتوں سے کم درجہ رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے سعی و عمل اور اطاعت حق میں جد وجہد کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے اطاعت حق سے روگردانی کی تو پھر وہ اسفل سافلین میں جاتا ہے اور جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ : اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ہدایت صرف اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے دل میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہو۔ جن لوگوں نے ضد، تعصب اور انکار کو اپنا وطیرہ بنالیا ہو، ان کے لیے دلائل سننا بھی نفع نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل کی بنیاد پر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔ اسی لیے ایسے منکرین کو ہدایت کی توفیق نہیں دی جاتی، کیونکہ اگر وہ سن بھی لیں تو عناد اور اعراض ہی اختیار کرتے ہیں۔ یہ آیت انسان کو اپنے باطن کی اصلاح اور حق قبول کرنے کی آمادگی پیدا کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

اللہ انسان اور انسانی دل کے درمیان حائل ہے

سوال آیت مبارکہ میں ان أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ کلمات کا کیا مفہوم ہے؟

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ {۲۴} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو۔ جبکہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کے لئے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کئے جاؤ گے۔

آیت مبارکہ میں اس جملے کا مفہوم یہ ہے، اللہ انسان اور اس کے دل میں حائل ہے۔ یعنی مومن میں اور کفر میں کافر میں اور ایمان میں۔ یہ معنی ایک مرفوع حدیث میں بھی ہیں لیکن درست بات یہی ہے کہ یہ قول ابن عباس کا ہے مرفوع حدیث نہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں یعنی اسے اس حال میں چھوڑنا ہے کہ وہ کسی چیز کو سمجھتا نہیں۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر نہ ایمان لا سکے نہ کفر کر سکے۔

قتادہ کہتے ہیں یہ آیت مثل آیت وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق:۱۶) کے ہے یعنی بندے کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہم ہیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا

کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ تو ہم نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ پر اتری ہوئی وحی پر ایمان لا چکے ہیں کیا پھر بھی آپ کو ہماری نسبت خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان دل ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو بدلتا رہتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور یہ دعا پڑھا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رکھ۔

مسند احمد میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں ہر دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب سیدھا کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے اور جب ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے، آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے کہ اے مقلب القلوب اللہ میرا دل اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، فرماتے ہیں میزان رب رحمان کے ہاتھ میں ہے، جھکاتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ کی اس دعا کو سن کر اکثر حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ بکثرت اس دعا کے کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو بکثرت سن کر حضرت ام سلمہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا دل پلٹ جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا پروردگار ہے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت و نعمت عطا فرمائے وہ بڑی ہی بخشش کرنے والا اور بہت انعاموں والا ہے۔ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے پھر درخواست کی کہ کیا آپ مجھے میرے لئے بھی کوئی دعا سکھائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ دعا مانگا کرو اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَاذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِي وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنِي یعنی اے اللہ اے محمد نبی ﷺ کے پروردگار میرے گناہ معاف فرما میرے دل کی سختی دور کر دے مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے جب تک بھی تو مجھے زندہ

رکھے۔ مسند احمد میں ہے کہ تمام انسانوں کے دل ایک ہی دل کی طرح اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے پھر آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر لے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں میں تصرف کرنے والی ذات ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ انسان اور جو کچھ اس کا دل چاہتا ہے اس کے درمیان حائل ہو جائے، کوئی شخص اس کے ارادے کے بغیر نہ مومن و مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی چاہت کے بغیر کوئی کافر ہو سکتا ہے۔

کیا صرف گناہگار ہی پکڑ میں آئیں گے؟

سوال کیا صرف گناہ گار اور نافرمان ہی فتنوں اور آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں یا فتنے اور آزمائشیں سب لوگوں کے لیے عام ہیں؟ اور عموم کی وجہ کیا ہے؟ آیت کی روشنی میں بتایئے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۲۵}الأنفال.

جواب ترجمہ: اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ فتنے اور آزمائشیں صرف گناہگاروں اور نافرمانوں کے لیے نہیں ہیں بلکہ نیکوکار لوگ بھی فتنوں اور آزمائشوں کی لپیٹ میں آسکتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب وہ ظلم و ستم کو روکنے پر قدرت رکھتے ہوں اور وہ ظلم و ستم کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں، ظلم و ستم کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو اللہ عزوجل عذاب نہیں کرتا ہاں اگر وہ کوئی برائی دیکھیں اور اس کے مٹانے پر قادر ہوں پھر بھی اس خلاف شرع کام کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب کرتا ہے (مسند احمد) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے

ہاتھ میں میری جان ہے کہ یا تو تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عام عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک آدمی ایک بات زبان سے نکالتا تھا اور منافق ہو جاتا تھا لیکن اب تو تم ایک ہی مجلس میں نہایت بے پرواہی سے چار چار دفعہ ایسے کلمات اپنی زبان سے نکال دیا کرتے ہو واللہ یا تو تم نیک باتوں کا حکم بری باتوں سے روکو اور نیکیوں کی رغبت دلاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو تہس نہس کر دے گا یا تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر نیک لوگ دعائیں کریں گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا (مسند)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں اپنے کانوں کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا اللہ کی حدوں پر قائم رہنے والے، ان میں واقع ہونے والے اور ان کے بارے میں سستی کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے کوئی نیچے تھا کوئی اوپر تھا۔ نیچے والے پانی لینے کے لئے اوپر آتے تھے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی آخر انہوں نے کہا آؤ یہیں نیچے سے ہی کشتی کا ایک تختہ توڑ لیں حسب ضرورت پانی یہیں سے لے لیا کریں گے تاکہ نہ اوپر جانا پڑے نہ انہیں تکلیف پہنچے پس اگر اوپر والے ان کے کام اپنے ذمہ لے لیں اور انہیں کشتی کے نیچے کا تختہ اکھاڑنے سے روک دیں تو وہ بھی بچیں اور یہ بھی ورنہ وہ بھی ڈوبیں گے اور یہ بھی (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عام عذاب بھیجے گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان میں تو نیک لوگ بھی ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ پوچھا پھر وہ لوگ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا انہیں بھی وہی پہنچے گا جو اوروں کو پہنچا اور پھر انہیں اللہ کی مغفرت اور رضامندی ملے گی۔ (مسند احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو لوگ برے کام کرنے لگیں اور ان میں کوئی ذی عزت ذی اثر شخص ہو اور وہ منع نہ کرے روکے نہیں تو ان سب کو اللہ کا عذاب ہو گا سزا میں سب شامل رہیں گے (مسند و ابو داؤد)

ایک روایت میں ہے کہ کرنے والے تھوڑے ہوں نہ کرنے والے زیادہ اور ذی اثر ہوں پھر بھی وہ اس برائی کو نہ روکیں تو اللہ ان سب کو اجتماعی سزا دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب زمین والوں میں بدی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اتارتا ہے حضرت عائشہ نے پوچھا کہ ان ہی میں اللہ کے اطاعت گذار بندے بھی ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا عذاب عام ہو گا پھر وہ اللہ کی رحمت کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (مسند احمد)

خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے بارے میں پیروی کرنا ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی اس ضروری اطاعت و پیروی میں شامل ہے کہ جس قدر انسان کو وسعت اور استطاعت ہے اس قدر بلکہ اپنے طور پر اس سے بڑھ کر دوسروں کی اصلاح بھی کرے، انہیں نیکی کی دعوت دے، انہیں برائی سے بچائے، شرک و بدعت کے خلاف ہر لحاظ سے کوشش کرے کہ ان چیزوں کا خاتمہ ہو اور دین اصل اور درست شکل میں لوگوں تک پہنچے، نیکی کی دعوت زبان سے، قلم سے، ہاتھ سے، برے لوگوں سے دور رہ کر جیسے بھی ہو کرتا رہے، کم از کم درجہ از روئے حدیث شریف برائی کو دل میں برا سمجھنا ہے، مگر یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے، ان سارے ارشادات سے پتا چلتا ہے کہ انسان کو اپنے طور پر کوشش اور ہمت کرتے رہنا چاہیے ورنہ خاموشی، بزدلی، سستی اور کاہلی کے باعث برائی کے خاتمے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے برائی کرنے والے پر وبال آئے گا تو یہ خاموش رہنے والا، یہ سستی اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا اس وبال سے نہ بچ سکے گا جو برائی کرنے والے پر آئے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کا احسان

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۲۶} الأنفال

جواب ترجمہ: اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے خانماں نہ کریں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اس کا) شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ ان کی گنتی اس نے بڑھادی، ان کی کمزوری کو زور سے بدل دیا، ان کے خوف کو امن سے بدل دیا، ان کی ناتوانی کو طاقت سے بدل دیا، ان کی فقیری کو امیری سے بدل دیا، انہوں نے جوں جوں اللہ کے فرمان کی بجاآوری کی ویسے ویسے یہ مرادیں پاتے گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے قیام کی حالت میں تعداد میں بہت تھوڑے تھے، چھپے پھرتے تھے، بے قرار رہتے تھے، ہر وقت دشمنوں کا خطرہ لگا رہتا تھا، مجوسی ان کے دشمن تھے، یہودی ان کی جان کے پیچھے، بت پرست ان کے خون کے پیاسے، نصرانی ان کی فکر میں۔ دشمنوں کی یہ حالت تھی تو ان کی اپنی یہ حالت کہ تعداد میں انگلیوں پر گن لو۔ بغیر طاقت شان شوکت مطلقاً نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتا ہے یہ مان لیتے ہیں وہاں پہنچتے ہی اللہ ان کے قدم جما دیتا ہے وہاں مدینہ والوں کو ان کا ساتھی بلکہ پشت پناہ بنا دیتا ہے وہ ان کی مدد پر اور ساتھ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں بدر والے دن اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مال پانی کی طرح راہ حق میں بہاتے ہیں اور دوسرے مواقع پر بھی اطاعت چھوڑتے ہیں اور نہ ہی ساتھ، نہ سخاوت ترک کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاند کی طرح چمکنے لگتے ہیں اور سورج کی طرح دمکنے لگتے ہیں۔

قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کے یہ لوگ سب سے زیادہ گرے ہوئے، سب سے زیادہ تنگ حال، سب سے زیادہ بھوکے ننگے، سب سے زیادہ گمراہ اور بے دین ولا مذہب تھے

۔جیتے تو ذلت کی حالت میں، مرتے تو جہنمی ہو کر، ہر ایک ان کے سر کچلتا لیکن یہ آپ میں الجھے رہتے۔ واللہ روئے زمین پر ان سے زیادہ گمراہ کوئی نہ تھا۔

اب یہ اسلام لائے اللہ کے رسول کے اطاعت گذار بنے تو ادھر سے ادھر تک شہروں بلکہ ملکوں پر ان کا قبضہ ہو گیا دنیا کی دولت ان کے قدموں پر نچھاور ہونے لگی لوگوں کی گردنوں کے مالک اور دنیا کے بادشاہ بن گئے یاد رکھو یہ سب کچھ سچے دین اور اللہ کے رسول کی تعلیم پر عمل کے نتائج تھے پس تم اپنے پروردگار کے شکر میں لگے رہو اور اس کے بڑے بڑے احسان تم پر ہیں وہ شکر کو اور شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے سنو شکر گذار نعمتوں کی زیادتی میں ہی رہتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ: سے مراد مکۃ المکرمہ میں تم کمزور تھے۔

اَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ: سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معرکہ بدر میں تمہاری مدد اور نصرت کی۔

فَاٰوٰىکُمْ: سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے مدینۃ المنورہ میں تمہیں ٹھکانا اور آشیانہ فراہم کیا۔

رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ: سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کی برکت سے برکات کے دہانے تمہارے لیے کھول دیے، غنیمتوں کا مال تمہیں ملا، اس کے علاوہ بھی رزق کے دروازے تمہارے لیے اس لیے وا ہوئے کہ تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار بن گئے تھے۔

مسلمانوں کی اصلاح

سوال یہ آیت مبارکہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ{۲۷} وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ {۲۸} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں) کا بڑا ثواب ہے۔

یہ آیت کریمہ ابولبابہ مروان بن عبد المنذر انصاری کے متعلق نازل ہوئی وہ اس طرح کہ رسول اللہ نے یہود قریظہ کو اکیس (۲۱) دن محاصرے میں رکھا انہوں نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ ہم سے بھی اسی پر صلح کرلیں جس پر ہمارے بھائیوں بنو نضیر سے کی ہے کہ ہم اپنے شام کی سرزمین میں اذرعات اور اریحا میں اپنے بھائیوں کے پاس چلے جائیں گے لیکن رسول اللہ نے یہ درخواست مسترد کردی اور سعد بن معاذ کے فیصلے پر اترنے کو کہا انہوں نے اس کا انکار کردیا اور کہا کہ ہماری طرف ابولبابہ کو بھیج دیجیے۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اہل عیال انہی کے ہاں تھے چنانچہ رسول اللہ نے انہیں بھیج دیا اور وہ ان کے پاس آگئے تو انہوں نے کہا اے ابولبابہ! تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم سعد بن معاذ کے فیصلے پر اتر جائیں؟ تو ابولبابہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی وہ ذبح کا فیصلہ دے گا لہذا تم ایسا نہ کرو۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ابھی میرے قدم اپنی جگہ سے جدا نہیں ہوئے تھے کہ مجھے اس بات کی تنبیہ ہوگئی کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا اللہ کی قسم میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ میری توبہ قبول کرلے چنانچہ سات دن یہ اسی حالت میں رہے کہ انہوں نے کچھ نہ کھایا پیا حتی کہ بے ہوش کر زمین پر گر گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی انہیں بتایا گیا کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی ہے تو انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا جب تک رسول اللہ مجھے خود نہ کھولیں گے میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔

چنانچہ آپ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھول دیا اس کے بعد ابولبابہ نے کہا کہ میری توبہ تمام اس وقت ہوگی جب کہ میں اپنی قوم کی سرزمین کو جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا

ہے چھوڑ نہ دوں اور اپنے مال سے دستبردار ہو جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ایک تہائی مال صدقہ کرنا کافی ہے۔ (طبری، زادالمسیر، قرطبی)

تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ

سوال اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ آیت کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ {۲۹} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے اہل ایمان! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اگر انسان اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرے کہ اس کے احکامات کی پابندی کرے، اس کے حکموں پر عمل کرے، اس نے جن جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رک جائے تو اللہ تعالیٰ ان انسانوں کے لیے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دیتے ہیں، ان سے اس سے پہلے جو گناہ ہوئے وہ مٹا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتے، ان گناہوں پر پکڑ بھی نہیں فرماتے، اس لیے کہ وہ فضل عمیم کا مالک ہے۔

اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی، کہ تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی، کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا، دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ (عثمانی)

فرقان سے مراد نجات ہے دنیوی بھی اور اخروی بھی اور فتح و نصرت غلبہ و امتیاز بھی مراد ہے جس سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے۔ بات یہی ہے کہ جو اللہ کی فرمانبرداری کرے، نافرمانی سے بچے

اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ جو حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے، دنیا و آخرت کی سعادت مندی حاصل کر لیتا ہے اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں لوگوں سے پوشیدہ کر دئے جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وہ کامل مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ جیسے فرمان عالی شان ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الحدید ۲۸) یعنی اے مسلمانو! اللہ کا ڈر دلوں میں رکھو۔ اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے دے گا اور تمہارے لئے ایک نور مہیا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہیں بخش بھی دے گا، اللہ غفور و رحیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نبی کریم ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ {۳۰} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ! اس وقت کو یاد کرو) جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

محمد بن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ قریش کے تمام قبیلوں کے سرداروں نے دارالندوہ میں جمع ہونے کا ارادہ کیا۔ ملعون ابلیس انہیں ایک بہت بڑے بزرگ کی صورت میں ملا۔ انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا اہل نجد کا شیخ ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ آج ایک مشورے کی غرض سے جمع ہونے والے ہیں، میں بھی حاضر ہوا کہ اس مجلس میں شامل ہو جاؤں اور رائے میں اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہ کروں۔

آخر مجلس جمع ہوئی تو اس نے کہا اس شخص کے بارے میں پورے غور وخوض سے کوئی صحیح رائے قائم کرلو۔ واللہ اس نے تو سب کا ناک میں دم کر دیا ہے۔ وہ دلوں پر کیسے قبضہ کرلیتا ہے؟ کوئی نہیں جو اس کی باتوں کا بھوکوں کی طرح مشتاق نہ رہتا ہو۔

أَلَمْ تَرَوْا حَلَاوَةَ (قَوْلِهِ) وَطَلَاوَةَ لِسَانِهِ، وَأَخْذَ الْقُلُوبِ مَا تَسْمَعُ مِنْ حَدِيثِهِ؟ وَاللّٰهِ لَئِنْ فَعَلْتُمْ، ثُمَّ اسْتَعْرَضَ الْعَرَبَ، لَيَجْتَمِعَنَّ عَلَيْكُمْ ثُمَّ لَيَأْتِيَنَّ إِلَيْكُمْ حَتَّى يُخْرِجَكُمْ مِنْ بِلَادِكُمْ وَيَقْتُلَ أَشْرَافَكُمْ، واللہ اگر تم نے اسے یہاں سے نکالا تو وہ اپنی شیریں زبانی اور آتش بیانی سے ہزار ہا ساتھی پیدا کرلے گا اور پھر جو ادھر کا رخ کرے گا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا پھر تو تمہارے شریفوں کو تہ تیغ کر کے تم سب کو یہاں سے بیک بینی و دو گوش نکال باہر کرے گا۔

سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں اور کوئی رائے پیش کرو اس پر ابو جہل ملعون نے کہا ایک رائے میری سن لو۔ میرا خیال ہے کہ تم سب کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی ہو گی، بس یہی رائے ٹھیک ہے تم اس پر بے کھٹکے عمل کرو۔ سب نے کہا چچا بیان فرمایئے! اس نے کہا

نَأْخُذُ مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ غُلَامًا شَابًّا وَسِيطًا نَهِدًا، ثُمَّ يُعْطَى كُلُّ غُلَامٍ مِنْهُمْ سَيْفًا صَارِمًا، ثُمَّ يَضْرِبُونَهُ ضَرْبَةَ رَجُلٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا قَتَلُوهُ تَفَرَّقَ دَمُهُ فِي الْقَبَائِلِ [كُلِّهَا] فَلَا أَظُنُّ هَذَا الْحَيَّ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ يَقْوَوْنَ عَلَى حَرْبِ قُرَيْشٍ كُلِّهَا. فَإِنَّهُمْ إِذَا رَأَوْا ذَلِكَ قَبِلُوا الْعَقْلَ، وَاسْتَرَحْنَا وَقَطَعْنَا عَنَّا أَذَاهُ

ہر قبیلے سے ایک نوجوان جری بہادر شریف مانا ہوا شخص چن لو یہ سب نوجوان ایک ساتھ اس پر حملہ کریں اور اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے اڑا دیں پھر تو اس کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم کو یہ تو ہمت نہ ہو گی قریش کے تمام قبیلوں سے لڑیں کیونکہ ہر قبیلے کا ایک نوجوان اس کے قتل میں شریک

ہو گا۔ اس کا خون تمام قبائل قریش میں بٹا ہوا ہو گا ناچار وہ دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے، ہم اس بلا سے چھوٹ جائیں گے اور اس شخص کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب تو شیخ نجدی اچھل پڑا اور کہنے لگا اللہ جانتا ہے واللہ بس یہی ایک رائے بالکل ٹھیک ہے اس کے سوا کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی بس یہی کرو اور اس قصے کو ختم کرو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہ پختہ فیصلہ کر کے یہ مجلس برخاست ہوئی۔

وہیں حضرت جبریل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے فرمایا آج کی رات آپ اپنے گھر میں اپنے بستر پر نہ سوئیں کافروں نے آپ کے خلاف آج میٹنگ میں یہ تجویز طے کی ہے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا اس رات آپ اپنے گھر اپنے بستر پر نہ لیٹے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ کے مدینے پہنچ جانے کے بعد اس آیت میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا اور ان کے اس فریب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا {أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ} (الطُّوْرِ: ۳۰) اس دن کا نام ہی یوم الرحمہ ہو گیا۔ ان کے انہی ارادوں کا ذکر آیت وان کادوا لیستفزونک میں ہے۔

آنحضرت ﷺ مکہ شریف میں اللہ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ قریشیوں نے جمع ہو کر مکر کا ارادہ کیا۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو خبر کر دی اور کہا کہ آج آپ اس مکان میں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے بستر پر اپنی سبز چادر اوڑھا کر لیٹنے کو فرمایا اور آپ باہر آئے۔

قریش کے مختلف قبیلوں کا مقررہ جتھا آپ ﷺ کے دراوزے کو گھیرے کھڑا تھا۔ آپ ﷺ زمین سے ایک مٹھی مٹی اور کنکر بھر کر ان کے سروں اور آنکھوں میں ڈال کر سورہ یاسین {فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ} تک کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔

صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہوئی آئیں آپ نے دریافت فرمایا کہ پیاری بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ ابا جی کیسے نہ روؤں یہ قریش خانہ کعبہ میں جمع ہیں لات و عزیٰ کی قسمیں کھا کر یہ طے کیا ہے کہ ہر قبیلے کے لوگ آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوں اور ایک ساتھ حملہ کر کے قتل کر دیں تاکہ الزام سب پر آئے اور ایک بلوہ قرار پائے کوئی خاص شخص قاتل نہ ٹھہرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی پانی لاؤ، پانی آیا رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور مسجد حرام کی طرف چلے انہوں نے آپ کو دیکھا اور دیکھتے ہی غل مچایا کہ لو وہ آ گیا، اٹھو، اسی وقت ان کے سر جھک گئے، ٹھوڑیاں سینے سے لگ گئیں، نگاہ اونچی نہ کر سکے، آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا یہ شَاهَتِ الْوُجُوهُ منہ الٹے ہو جائیں گے یہ چہرے برباد ہو جائیں جس شخص پر ان کنکریوں میں سے کوئی کنکر پڑا وہ ہی بدر والے دن کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

مسند احمد میں ہے کہ مکے میں رات کو مشرکوں کا مشورہ ہوا۔ کسی نے کہا صبح کو اسے قید کر دو، کسی نے کہا مار ڈالو، کسی نے کہا دیس نکالا دے دو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس پر مطلع فرما دیا۔ اس رات حضرت علی آپ کے بستر پر سوئے اور آپ مکے سے نکل کھڑے ہوئے اور غار میں جا پہنچے۔ مشرکین یہ سمجھ کر کہ خود رسول اکرم ﷺ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں ساری رات پہرہ دیتے رہے صبح سب کود کر اندر پہنچے دیکھا تو حضرت علی ہیں ساری تدبیر چوپٹ ہو گئی پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

یہ لوگ قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے اس پہاڑ تک پہنچ گئے۔ وہاں سے پھر کوئی پتہ نہ چلا سکا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے، اس غار کے پاس سے گذرے لیکن دیکھا کہ وہاں مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے کہنے لگے لَوْ دَخَلَ هَاهُنَا لَمْ يَكُنْ نَسْجُ الْعَنْكَبُوتِ عَلَى بَابِهِ اگر اس میں جاتے تو یہ جالا

کیسے ثابت رہ جاتا ؟ حضور ﷺ نے تین راتیں اسی غار میں گذاریں۔ رب تعالیٰ اسی کے بارے میں فرماتا ہے کہ انہوں نے مکر کیا میں بھی ان سے ایسی مضبوط چال چلا کہ آج تجھے ان سے بچا کر لے ہی آیا۔

نضر بن حارث کی شر انگیزی کا ذکر

سوال اس آیت کریمہ کا شان نزول کیا ہے ؟

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ {۳۱} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ دیں اور یہ ہے ہی کیا ؟ صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی نے بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث کو باندھ کر قتل کیا، حضرت مقداد نے نضر بن حارث کو قید کیا تھا، جب اس کے قتل کا حکم دیا گیا تو مقداد نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے قیدی کو بھی قتل کیا جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص کتاب اللہ کے بارے میں بکواس کیا کرتا تھا، راوی کہتے ہیں کہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور للسیوطی ۱۳۰، طبری ۹ / ۱۵۲) نضر بن الحارث تاجر تھا، حیرہ آتا جاتا تھا، جہاں سے وہ عجمی علماء کی کتابیں وغیرہ خرید اکرتا تھا، اہل مکہ سے آکر ان کے بارے میں گفتگو کیا کرتا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں، جس میں یہ ہے کہ نضر بن الحارث اہل حیرہ کی مسجع مقفیٰ عبارات سنتا تو واپسی پر حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور قرآن کریم سنتا تو کہتا تھا کہ ہم چاہیں تو اسی طرح کی باتیں کہہ دیں، اسی طرح کا کلام سنا دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کی موجودگی، استغفار اور عذاب سے حفاظت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ {۳۲} وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ {۳۳} وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۴} الانفال

جواب ترجمہ: اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجیے۔ اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں، اس کے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ: اس آیت میں کفارِ مکہ کا ذکر ہے کہ جب انہیں قرآن سنایا گیا تو انہوں نے ضد اور تکبر میں کہا: اے اللہ! اگر یہ واقعی حق ہے جو تیرے پاس سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے دے۔ یہ دعا انہوں نے حق کو قبول کرنے کے بجائے عذاب طلب کرنے کے انداز میں کی، جو ان کی ہٹ دھرمی اور عناد کو ظاہر کرتا ہے، روایات میں آتا ہے کہ یہ جملہ ابو جہل نے کہا تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ: اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اللہ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک آپ (محمد ﷺ) ان کے درمیان موجود ہیں، اور نہ ہی اللہ ان کو عذاب دے گا جب تک وہ استغفار کرتے رہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اہلِ مکہ کے لیے عذاب سے امان

تھی اور جب تک ان میں ایسے لوگ موجود تھے جو اللہ سے معافی مانگتے تھے، اللہ ان پر عذاب نہیں بھیجتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی موجودگی اور استغفار عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں کون سی چیز عذاب سے روکتی ہے جبکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام (کعبہ) سے روکتے ہیں اور وہ اس کے حقیقی ولی (نگہبان) نہیں ہیں، اس کے ولی تو صرف متقی لوگ ہیں، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ یعنی کفارِ مکہ خود کو کعبہ کے خادم اور نگہبان سمجھتے تھے، حالانکہ اصل نگہبان وہ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ کفار کی یہ حرکت (لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکنا) عذاب کے مستحق بناتی ہے۔

سیٹیاں اور تالیاں

سوال آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، مکاء اور تصدیہ کا کیا مطلب ہے؟

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلاَّ مُكَاء وَتَصْدِيَةً فَذُوقُواْ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ {۳۵} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ تو تم جو کفر کرتے تھے اب اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے تالیاں بجاتے تھے راوی نے تالی بجا کر دکھایا اور سیٹیاں بجاتے تھے راوی نے سیٹیاں بجا کر سنایا اور اپنے گال زمین پر ٹیکتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قریش مکہ دوران طواف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاق اڑاتے تھے، سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور للسیوطی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت نافع بن الازرق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں نماز ادا فرماتے تو بنی سہم کے دو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو جاتے تھے، ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف، ان میں سے ایک ایسی چیخ مارتا تھا جیسے سیٹی کی آواز ہوتی ہے، دوسرا اپنے ہاتھوں سے تالیاں پیٹتا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خراب ہو۔ (تفسیر در منثور)

مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاء کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی انگلیاں اپنے منہ میں ڈالتے تھے، جس سے سیٹی بجاتے تھے، تصدیہ کا مطلب ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز نکالتے تھے، جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خراب ہو، یکسوئی نہ رہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاء ایسے ہوتا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں گھساتے اور اس سے ایک خاص قسم کی آواز نکالتے تھے، تصدیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو روکتے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین بیت اللہ شریف کا طواف بائیں طرف سے شروع کرتے تھے، مکاء کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی بگل بجاتے تھے، تصدیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بائیں جانب سے طواف شروع کرتے تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصدیہ دراصل اس آواز کو کہا جاتا ہے جو پہاڑ سے ٹکرا کر واپس آئے۔ (تفسیر کبیر للرازی) بعض روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مکاء اور تصدیہ (سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا) ان کی عبادت تھی۔ بعض روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مکاء اور تصدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کا ایک طریقہ تھا، جو ان کفار مکہ نے اختیار کر رکھا تھا، جس کا اللہ تعالیٰ اس مقام پر ذکر کر رہے ہیں۔

آج بھی جہالت کے مارے ہوئے کچھ لوگ مساجد کے پاس اونچی اونچی آواز میں موسیقی، ٹیلی ویژن، یڈیو اور دیگر کئی آلات لہوولعب استعمال کرتے ہیں، جو لاشعوری طور پر انہی مکہ کے لوگوں کی یاد تازہ کراتے ہیں، جو اس زمانے میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی آواز کو دبانے کے لیے اس قسم کی حرکات کرتے تھے۔

شمع اسلام کو بجھانے کے لیے مال لٹانے والوں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ {٣٦} لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ {٣٧} الأنفال.

جواب ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں اپنا، مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لئے (موجب) افسوس ہو گا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

جو لوگ اپنے مال مشرکین اور گمراہ لوگوں کے حوالے کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں، اہل ایمان کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکیں، تو ان لوگوں کا انجام ندامت وحسرت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کا وبال ان کو بھگتنا ہو گا، دنیا میں مال لٹ گیا اور آخرت میں اس مال کے ثمرات کام نہ آئے، جس مقصد کے لیے مال دیا تھا وہ مقصد ہاتھ نہ آیا، وہ اللہ کے نور کو اپنی مال ودولت کی طاقت سے بجھانا چاہتے تھے، وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا چاہتے تھے، مگر نور الٰہی

کو کوئی روک نہ سکا، اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف آنے سے کوئی روک نہ سکا، انجام کار ان کو دوزخ کی طرف جانا ہے، اس میں انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

مقاتل رحمہ اللہ اور کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر کے دن کھانے کا اہتمام کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ بارہ آدمی تھے ابو جہل بن ہشام، ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ، حجاج کے دو بیٹے نبیہ اور منبہ، ابو البختری بن ہشام، نضر بن الحارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زید بن الاسود، حارث بن عامر بن نوفل اور عباس بن عبد المطلب یہ سب کے سب قریشی تھے ان میں سے ہر شخص روزانہ دس اونٹ ذبح کرتا تھا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور ابن ابزی کا قول ہے کہ یہ آیت ابو سفیان بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس نے جنگ احد کے موقع پر دو ہزار حبشی کرائے پر لیے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرے یہ ان کے علاوہ تھے جو عربوں میں سے رضا کارانہ طور پر لڑائی میں شریک ہوئے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں،

وَجِئْنَا إِلَى مَوْجٍ مِنَ الْبَحْرِ وَسْطِهِ أَحَابِيشُ مِنْهُمْ حَاسِرٌ وَمُقَنَّعُ
ثَلَاثَةُ آلَافٍ وَنَحْنُ نَصِيَّةٌ ثَلَاثُ مِئِينَ إِنْ كَثُرْنَ فَأَرْبَعُ

ہم سمندر کی موج کے وسط میں آ گئے یہ حبشیوں کا لشکر تھا ان میں جو بغیر خود کے اور خود والے تھے وہ تین ہزار تھے اور ہم بچے کھچے تھوڑے سے تھے تین سو ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ چار سو۔ (اسباب النزول، در منثور)

حکم بن عتیبہ کا قول ہے کہ ابو سفیان نے جنگ احد میں مشرکین پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن قریش کو شکست ہوئی اور بچے کھچے لوگ واپس لوٹے اور ابو سفیان بھی اپنا قافلہ لے کر لوٹا تو عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل صفوان بن امیہ قریش کے ان لوگوں کے ساتھ نکلے جن کے آباء اور بھائی

بند بدر کے معرکے میں مارے گئے تھے انہوں نے ابوسفیان سے بات کی اور ان لوگوں سے بات کی جن کا اس تجارتی قافلے پر حصہ تھا انہوں نے کہا اے گروہِ قریش محمد نے تمہیں گالی دی ہے اور تمہارے اخیار یعنی بڑے بڑے معزز لوگوں کو قتل کر دیا ہے تم اس مال سے ہماری مدد کرو جو اس کے خلاف جنگ میں خرچ ہوا ہے ممکن ہے کہ ہم اسے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں انہوں نے ایسا ہی کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول، در منثور)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیتوں میں دین حق سے روکنے کے لئے مال خرچ کرنے کا جو انجام بد ذکر کیا گیا ہے اس میں آج کے وہ کفار بھی داخل ہیں جو لوگوں کو اسلام سے روکنے اور اپنے باطل کی طرف دعوت دینے پر لاکھوں روپیہ شفاخانوں، تعلیم گاہوں اور صدقہ خیرات کے عنوان سے خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ گمراہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو اسلام کے اجماعی عقائد میں شبہات و اوہام پیدا کر کے ان کے خلاف لوگوں کو دعوت دینے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور بہت سے مواقع میں مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے بڑے اموال خرچ کرنے کے باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

اسلام میں آجانے سے پچھلے گناہ معاف

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ {۳۸} الأنفال.

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر (وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی ان کے حق میں برتا جائے گا۔

جن لوگوں نے اللہ کی الوہیت اور وحدانیت کا انکار کیا، آپ ﷺ کی قوم سے مشرک ہوئے، اگر یہ لوگ کفر سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی دشمنی سے باز آجاتے ہیں، ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آتے ہیں، رسول اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ لڑائی کرنے سے باز آجاتے ہیں، تو ان کے سابقہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، اسلام پہلے والے سارے سلسلے کاٹ دیتا ہے، میدان بدر میں ان کے پیشواؤں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسے یہ دیکھ اور سن چکے ہیں، اگر اس کے بعد بھی ان کے خیالات اسی طرح کے ہوئے تو پچھلی تاریخ پھر دہرائی جائے گی اور انہیں سبق سکھایا جائے گا۔

شرک و کفر کے خاتمے تک جدوجہد جاری

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ {۳۹}وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ {۴۰} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔ اور اگر باز آجائیں تو اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر روگردانی کریں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے (اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔

اے اہل ایمان! مشرکوں کے خلاف جہاد جاری رکھو تاوقتیکہ شرک ختم ہو جائے، اللہ کی راہ سے روکنے کی شرارت ختم ہو جائے، اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کیے جانے تک، شرک اللہ کی دھرتی پر بہت بڑی مصیبت ہے اس کے خاتمے تک تم اپنا کام جاری رکھو، دین، اطاعت اور عبادت جب تک خالص اللہ کے لیے نہیں ہو جاتی تب تک تم نے یہ سلسلہ جاری رکھنا ہے، اگر یہ لوگ مسلمانوں کو فتنے میں مبتلا کرنے سے باز آجاتے ہیں، شرک سے رک جاتے ہیں، تمہارے ساتھ دین حق کو قبول کر لیتے ہیں تو اللہ کے ہاں یہ چیزیں پوشیدہ نہیں رہیں گی کہ انہوں نے کفر کو چھوڑ دیا ہے، اسلام میں داخل

ہو گئے ہیں، اگر یہ مشرکین تمہاری دعوت سے اعراض کرتے ہیں، اللہ پر ایمان نہیں لاتے، رسول اللہ پر ایمان نہیں لاتے، تمہارے ساتھ لڑائی کرنے سے باز نہیں آتے، کفر پر ڈٹے رہتے ہیں اور تمہارے ساتھ لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہیں تو ایمان والو پھر تمہیں گھبرانے کی، فکر کرنے کی، پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضروت نہیں ہے، یقین رکھو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے، ان کے خلاف وہ تمہاری مدد کرے گا، وہ بہترین مددگار ہے، وہ اپنے دوستوں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کرتا ہے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

سوال مسلمانوں میں مال غنیمت کی تقسیم کیسے ہو گی؟ آیت کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ {۴۱} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہو گئی اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو دشمن سے لڑائی کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے، جو مال بغیر لڑائی کے حاصل ہو اسے مال فئے کہتے ہیں، اس موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر ہے، مال غنیمت پہلی امتوں کے لیے حلال نہیں تھا، نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے اللہ نے اسے حلال قرار دیا ہے، یہ سب سے زیادہ پاکیزہ مال قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ خاص اللہ کا حق ہے، جو انسان کو بلاواسطہ ملتا ہے، اس میں حرام کا شائبہ نہیں ہوتا۔

مال غنیمت کی تقسیم کا جو قانون اور ضابطہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور رسول کریم ﷺ نے کر کے

دکھایا اسی کے مطابق اس کی تقسیم ہو گی تو اس کا استعمال حلال اور جائز ہو گا ورنہ اس سے ہٹ کر کسی بھی طریقہ سے مال غنیمت کو لیا جائے گا تو اس کو وعید کا سامنا کرنا پڑے گا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک سوئی اور اس کا دھاگہ بھی جو مال غنیمت کا جز ہو کسی کے لئے اس کا بغیر اپنے حصہ شرعی کے لے لینا جائز نہیں۔ اور مال غنیمت میں سے کوئی چیز بغیر حصہ کے لینے کو حدیث میں غلول فرما کر اس پر شدید وعید فرمائی ہے اور عام چوری سے زیادہ شدید حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس کے رشتہ داروں کا اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لیے حرام ہوا۔ یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر، مسافروں پر۔

پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے، وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے حنفیہ کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد حضور ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصّہ رہا جو ان کو حضور ﷺ کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد امیر المومنین کو اپنے مصارف کے لیے خمس الخمس ملنا چاہیے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب غنیمت میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ اول اس کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لیے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ

جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لیے نکالنا چاہیے۔ سورۃ الانفال کی اس آیت کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں بہت ہی خوبصورت اور تفصیل سے لکھا ہے، اس مقام پر دیکھ لیا جائے، اختصار کے ساتھ ہم نے اتنی بات ذکر کر دی ہے جو کفایت کرتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جنگ بدر

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے عدوۃ الدنیا، عدوۃ القصویٰ اور الرکب کا کیا مطلب ہے؟

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ {۴۲} الأنفال.

جواب ترجمہ: جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر دور کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نیچے (اتر گیا) تھا اور اگر تم (جنگ کے لئے) آپس میں قرارداد کر لیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی۔ لیکن اللہ کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے ہی کر ڈالے۔ تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔

الْعُدْوَةُ الدُّنْيَا: عُدْوَہ کے معنیٰ ایک جانب کے آتے ہیں اور لفظ دُنْيَا ادنی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر۔ آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی دنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب تر ہے۔

الْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى: لفظ قُصْوٰى اقصی سے بنا ہے اقصی کے معنی ہیں بعید تر یعنی بہت دور۔

الرَّكْبُ: قافلہ

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں آیت میں غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان عُدْوَةِ دُّنْيَا کے پاس تھے اور کفار عُدْوَةِ قُصْوٰى کے پاس مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارہ پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا۔ اور ابو سفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔

اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھہرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا۔ کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریتیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دو بھر تھا، پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا۔ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے اور کہیں سے کمک ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی۔ اس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نکلے تھے۔ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان

بے سامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی سورت میں بلا ارادہ پیش آیا، لیکن دنیا میں جتنے اتفاقات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں ان کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں ان میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی۔ جب وہ پورا نظام سامنے آجائے اس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔ (معارف القرآن) رحمت دو جہاں ﷺ کو اللہ کی طرف سے راہنمائی کی جاتی تھی، اس لیے جنگ بدر کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے اندازہ لگانا صاحب بصیرت کے لیے مشکل نہیں ہے کہ اس میں بھی بے شمار حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بدر میں قدرت کا ظہور

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۴۳} وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ {۴۴} الأنفال.

جواب ترجمہ: اس وقت اللہ نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے۔ لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا۔ بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی

نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے اور سب کاموں کا رجوع خدا ہی کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں، کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ اللہ نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد اور حمایت کی۔

اللہ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دکھایا کہ ان کے مقابلے میں جو کافر لڑنے کے لیے آئے ہیں وہ تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں، ورنہ انہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھٹائی میں پڑ سکتا تھا، لیکن اللہ جل جلالہ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے مسلمانوں کو بچا لیا وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے بزدلی و نامردی۔

نبی کریم ﷺ کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت تاکہ جرأت سے لڑیں۔ نبی کا خواب غلط نہیں، ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے، اکثر وہ تھے جو جو بعد میں مسلمان ہوئے اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دیے تو وہ واقعی تھوڑے تھے۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اول آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کیے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ (آل عمران:۱۳) تمہارے لیے دو گروہوں میں (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (قدرتِ خدا کی عظیم الشان) نشانی تھی، ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں

کا تھا وہ) ان کو اپنی آنکھوں سے دگنا مشاہدہ کر رہا تھا اور خدا اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے، جو اہل بصارت ہیں ان کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔

نصرت الٰہی کے حصول کے اسباب

سوال دشمن کے ساتھ مقابلے کے وقت اللہ کی مدد اور نصرت آنے کے عوامل کیا ہیں؟ آیات کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ {۴۵} وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوٓا إِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ {۴۶} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے اہل ایمان! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ مراد حاصل کرو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کی مدد گار ہے۔

① اب مسلمان دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے، بزدلی نہ دکھائے۔ ② کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اللہ کی طرف عجز وانکساری سے متوجہ رہے۔ ③ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت و تابعداری کا مظاہرہ کرے۔ ④ اختلاف اور انتشار سے بچنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اختلاف وانتشار سے دلوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، اس سے مداہنت اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ ⑤ دشمن کا سامنا ہو تو صبر سے کام لے۔

شیطان کیسے بہکاتا ہے؟

سوال اس آیت مبارکہ کا شان نزول بیان کیجیے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ {۴۷} وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۴۸} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لیے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کرکے دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آرا) ہوگئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا سخت عذاب کرنیوالا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا : اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ کفارِ مکہ جیسے رویّے اختیار نہ کریں جو تکبر، ریاکاری اور نمائش کے ساتھ نکلے تھے، ان کا مقصد حق کی حمایت نہیں بلکہ اپنی بڑائی دکھانا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا تھا، اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے تمام اعمال اس کے علم میں ہیں، کوئی بات اس سے چھپی نہیں، اور بالآخر انہیں اپنے برے اعمال کا انجام بھگتنا ہوگا، اس سے سبق ملتا ہے کہ عمل خالص نیت، عاجزی اور اخلاص کے ساتھ ہونا چاہیے، نہ کہ غرور اور دکھاوے کے لیے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ : امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ سے نکلا تو ان کے دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنو بکر بھی ہمارا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ پر جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پاکر ہمارے گھروں اور عورتوں، بچوں پر چھاپہ مار دے۔

امیر قافلہ ابوسفیان کی گھبرائی ہوئی فریاد پر تیار ہو کر نکل تو کھڑے ہوئے مگر یہ خطرہ ان کے لئے زنجیر پا بنا ہوا تھا کہ اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے۔ سراقہ بن مالک اس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جن سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح سے فریب میں مبتلا کیا۔ اول یہ کہ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ، یعنی آج تمام لوگوں میں تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔

مطلب یہ تھا کہ مجھے تمھارے مقابل فریق کی قوت کا بھی اندازہ ہے اور تمھاری قوت و کثرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اس لئے تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تم بے فکر ہو کر آگے بڑھو تمھی غالب رہو گے کوئی تمھارے مقابلہ پر غالب آنے والا نہیں۔

دوسرے یہ کہ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ یعنی تمہیں جو بنی بکر وغیرہ سے خطرہ لگا ہوا ہے کہ وہ تمھارے پیچھے مکہ پر چڑھ دوڑیں گے، اس کی میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسا نہ ہو گا میں تمہارا حامی ہوں، قریش مکہ سراقہ بن مالک اور اس کی بڑی شخصیت اور اثر و رسوخ سے پہلے سے واقف تھے اس کی بات سن کر ان کے دل جم گئے اور قبیلہ بنی بکر کے خطرہ سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، اس دوگونہ فریب سے شیطان نے ان لوگوں کو اپنے مقتل کی طرف ہانک دیا فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ، جب مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی دونوں جماعتیں (مقام بدر میں) آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔ غزوہ بدر میں چونکہ مشرکین مکہ کی پیٹھ پر ایک شیطانی لشکر بھی آگیا تھا اس لئے اللہ تعالی نے ان کے مقابلہ میں فرشتوں کا لشکر جبرئیل و میکائیل کی قیادت میں بھیج دیا۔

امام ابن جریر وغیرہ نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ شیطان نے جو اس وقت بشکل انسانی سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنے شیطانی لشکر کی قیادت کر رہا تھا، جب جبریل امین اور ان کے ساتھ

فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اٹھا اس وقت اس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا۔ حارث نے ٹوکا کہ یہ کیا کرتے ہو تو اس کے سینہ پر مار کر حارث کو گرا دیا اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر بھاگ پڑا۔

حارث نے اس کو سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار! سراقہ تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمھارا حامی اور مددگار ہوں اور عین میدان جنگ میں یہ حرکت کر رہے ہو۔ تو شیطان نے بشکل سراقہ جواب دیا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ یعنی میں تمھارے معاہدہ سے بری ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمھاری آنکھیں نہیں دیکھتیں مراد فرشتوں کا لشکر تھا۔ اور یہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لئے تمھارا ساتھ چھوڑتا ہوں۔

شیطان نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تو ان کی قوت سے وہ واقف تھا سمجھ گیا کہ اب اپنی خیر نہیں اور یہ جو کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ امام تفسیر قتادہ نے کہا کہ یہ اس نے جھوٹ بولا اگر وہ خدا سے ڈرا کرتا تو نافرمانی کیوں کرتا۔ مگر اکثر حضرات نے فرمایا کہ ڈرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ اور عذاب شدید کو پوری طرح جانتا ہے اس لئے نہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ نرا خوف بغیر ایمان واطاعت کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

ابو جہل نے جب سراقہ اور اس کے لشکر کی پسپائی سے اپنے لشکر کی ہمت کو ٹوٹتے دیکھا تو بات بنائی اور کہا کہ سراقہ کے بھاگ جانے سے تم متاثر نہ ہو اس نے تو خفیہ طور پر محمد (ﷺ) کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی شیطان کی پسپائی کے بعد ان کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا۔ پھر جب یہ لوگ مکہ واپس آئے اور ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک کے ساتھ ہوئی تو اس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدان جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی۔ اس نے کہا کہ میں نہ تمھارے ساتھ گیا نہ تمھارے کسی کام میں شریک ہوا۔ میں نے تو تمھاری شکست کی خبر بھی تمھارے مکہ پہنچنے کے بعد سنی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں

کہ شیطان لعین کی یہ عام عادت ہے کہ انسان کو برائی میں مبتلا کر کے عین موقع پر الگ ہو جاتا ہے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معارف القرآن)

قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا، اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کہا یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا) ۔ النساء:۱۲۰) وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ) ۔ الحشر:۱۶) منافقوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا۔ جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراهيم:۲۲)

جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا۔ (آج) مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں ان کے لئے درد دینے والا عذاب ہے۔

توکل علی اللہ کی دولت

سوال آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ {۴۹} الأنفال.

جواب ترجمہ: اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس وقت کو یاد کرو جب مشرکین مکہ، منافقین اور دل کی بیماری میں مبتلا لوگ کہہ رہے تھے کہ مسلمان تھوڑی تعداد میں ہیں، ان کے دشمن بڑی تعداد میں ہیں، مسلمانوں کو ان کے دین نے سخت دھوکے میں ڈالا ہے، جو انہیں اس میدان جنگ میں لڑنے کے لیے اتار رہا ہے، مگر ان منافقین کو اس بات کا ذرا احساس اور دھیان نہیں تھا کہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے، اس کی ذات پر کامل بھروسہ کرتا ہے، اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے، اللہ اسے کبھی بھی رسوا نہیں کرتا، اللہ غالب ہستی ہے، اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، وہ اپنی تدبیر اور اپنی کاریگری میں حکیم ذات ہے۔

کافروں کی موت کا منظر

سوال فرشتے جب کافروں کی جان نکالتے ہیں اس وقت کیا منظر ہوتا ہے، آیت کی روشنی میں؟

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ {۵۰} ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ {۵۱} الأنفال.

جواب ترجمہ: اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اب) عذاب

آتش (کا مزہ) چکھو۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو فرمارہے ہیں کہ اے کاش! آپ ﷺ وہ منظر ملاحظہ کرتے جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں، ان کی روحوں کو کھینچتے ہیں، ان کے چہروں پر سامنے سے مارتے ہیں، ان کی سرینوں پر پیچھے سے مارتے ہیں، پھر ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی کہے چلے جاتے ہیں کہ دنیا میں تو یہ عذاب چکھو، ایک تعبیر یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر فرشتے ان کافروں کے منہ پر اس وقت مارتے ہیں جب وہ سامنے آتے ہیں اور پیچھے سرینوں پر مارتے ہیں جب وہ بھاگ رہے ہوتے ہیں، یہی یہاں بیان ہو رہا ہے۔

حضرات مفسرین رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں عموم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جب عام کافروں کی روحیں نکالی جاتی ہیں تو اس وقت یہ منظر ہوتا ہے، جسے زندہ لوگ نہیں دیکھ سکتے اور یہ منظر جنگ بدر کے موقع کا بھی ہو سکتا ہے۔

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ :الخ یہ آیت کفار کے انجام اور اللہ تعالیٰ کے عدل کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ یہ دردناک اور جلانے والا عذاب، جو کافروں کو جان نکلتے وقت، قبر میں اور آخرت میں پیش آئے گا، کسی ظلم یا ناانصافی کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب ان کے اپنے اعمال کی سزا ہے جو انہوں نے دنیا میں اپنے ہاتھوں سے کمائے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو سراسر عدل والا حاکم ہے۔ اس کا فیصلہ حق پر مبنی ہوتا ہے، ہر شخص کو اسی کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ یوں اس آیت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ کی پکڑ بے سبب نہیں، بلکہ انسان خود اپنے انجام کا ذمہ دار ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر حال میں عین انصاف پر قائم ہے۔

نعمتیں کیوں چھن جاتی ہیں؟

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۵۲} ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ {۵۳} كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ {۵۴} الأنفال.

جواب ترجمہ: جیسا کہ آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو پکڑ لیا بیشک اللہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ کسی نعمت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جیسا کہ آل فرعون کی اور ان لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا سو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا۔ اور یہ سب ظالم تھے۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ :الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ اصولی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ کافروں پر آنے والا عذاب کسی ایک قوم یا زمانے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ اللہ کی جاری و ساری سنت ہے جو ہر اس قوم پر نافذ ہوتی ہے جو کفر، تکذیب اور سرکشی اختیار کرے، جیسے آلِ فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے سخت گرفت میں لے لیا، اللہ تعالیٰ غالب اور طاقتور ہے، کوئی اس کے فیصلے کو روک نہیں سکتا اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے اس کا عذاب نہایت سخت ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ : مزید یہ اصول بھی واضح کر دیا گیا کہ اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو ایمان، اطاعت اور شکر سے بدل کر کفر، نافرمانی اور ناشکری میں نہ بدل دے، اللہ بندوں کی باتیں بھی سنتا ہے اور ان کے

اعمال کو بھی خوب جانتا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ :الخ یہاں کفارِ مکہ اور دیگر منکرین کو بتایا گیا کہ ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو آلِ فرعون اور سابقہ جھٹلانے والی قوموں کا ہوا، انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، ظلم اور شرک اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عدل کے مطابق ہلاک کر دیا، اس طرح یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ ہلاکت اور عذاب محض تاریخی واقعات نہیں، بلکہ کفر و ظلم کا لازمی نتیجہ اور اللہ کے اٹل قانون کا ظہور ہیں۔

یہود او مشرکین

سوال یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟ آیت میں تَثْقَفَنَّهُمْ اور فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ کا کیا مطلب ہے؟

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ {٥٥} الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ {٥٦} فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ {٥٧} وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ {٥٨} الأنفال

جواب ترجمہ: جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں۔ عجب نہیں کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو اور اگر تم کو کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

شان نزول: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے چھ آدمیوں کے بارہ میں آئی ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب جانداروں میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لاتے، یہاں الدَّوَآبِّ سے مراد انسان ہیں، کیونکہ وہ عقل رکھتے ہوئے بھی حق کو نہیں مانتے، بعض مفسرین نے اس سے خاص طور پر یہود بنی قریظہ کو مراد لیا ہے، جنہوں نے بار بار عہد شکنی کی۔

اس میں لفظ الدَّوَآبِّ دابہ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں سب کو یہ لفظ شامل ہے مگر عام محاورات میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا حال بے شعوری میں جانوروں سے بھی زیادہ گرا ہوا تھا اس لئے اس لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ معنی آیت کے واضح ہیں کہ تمام جانوروں اور انسانوں میں سب سے بدترین جانور یہ لوگ ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی خداداد استعداد و قابلیت کو ضائع کر دیا، چوپائے جانوروں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے کو مقصد زندگی بنالیا، اس لئے ان کی رسائی ایمان تک نہیں ہو سکتی۔

الَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ : وہ لوگ جن سے آپ ﷺ نے عہد و پیمان کیا تھا، یعنی یہود بنو قریظہ۔

شان نزول: اس آیت کا یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر بھی غزوہ احزاب میں مشرکین کو مدد دی اور بھی چند بار ایسا ہو چکا تھا ہر بار کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر تازہ عہد کرتے تھے پھر ایسا ہی کرتے تھے اس پر ان آیتوں میں آپ کو حکم ہوا ان سے قتال کا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں یہ آیت یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق ہے پچھلی آیتوں میں مشرکین مکہ پر میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب الٰہی نازل ہونے کا ذکر اور پچھلی امتوں کے کفار سے ان کی تمثیل کا بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اس ظالم جماعت کا ذکر ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مار آستین بنی اور جو ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کی دعویدار تھی دوسری طرف مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی تھی۔ یہ لوگ مذہبًا یہود تھے اور جس طرح مشرکین مکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا علمبردار ابو جہل تھا اسی طرح یہود مدینہ میں اس کا علمبردار کعب بن اشرف تھا۔

رسول کریم ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے مگر دل میں اسلام دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔

اسلامی سیاست کا تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو یہود مدینہ کو کسی نہ کسی معاہدہ کے تحت ساتھ لگایا جائے۔ تاکہ وہ مکہ والوں کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہود بھی اپنی مرعوبیت کی بنا پر اسی کے خواہشمند تھے۔ (تفسیر معارف القرآن)

اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلامی سیاست کی سب سے پہلی بنیاد اس کو بنایا کہ مہاجرین و انصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک نئی قومیت اسلام کے نام پر قائم فرمائی مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے باہمی اختلافات جو صدیوں سے چلے آرہے تھے سب کو دور فرما کر آپس میں بھی اور مہاجرین کے ساتھ بھی بھائی بنا دیا۔ (معارف القرآن)

دوسرا قدم معاہدہ یہود: اس سیاست کا دوسرا قدم یہ تھا کہ حریف مقابل دو تھے ایک مشرکین مکہ جن کی ایذاؤں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسرے یہود مدینہ جو اب مسلمانوں کے پڑوسی بن گئے

تھے ان میں سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا، جس کا عہد نامہ مفصل لکھا گیا اس معاہدہ کی پابندی اطراف مدینہ کے سب یہودیوں پر اور اس طرف تمام مہاجرین و انصار پر عائد تھی، معاہدہ کا پورا متن البدایہ والنہایہ ابن کثیر میں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مفصل موجود ہے۔

اس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہو گا، دوسرا جزء یہ تھا کہ یہود مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہراً یا باطناً کوئی امداد نہیں دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے غزوہ بدر کے وقت عہد شکنی کر کے مشرکین مکہ کو اسلحہ اور سامان جنگ سے مدد پہنچائی۔ مگر جب غزوہ بدر کا انجام مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار کی ہزیمت و شکست کی صورت میں سامنے آیا تو پھر ان لوگوں پر رعب غالب ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عذر کیا کہ اس مرتبہ ہم سے غلطی ہو گئی اس کو معاف فرمادیں آئندہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔

آنحضرت ﷺ نے اسلامی حلم و کرم جو آپ کا شعار تھا اس کی بنا پر دوبارہ معاہدہ کی تجدید فرمالی۔ مگر یہ لوگ اپنی سرشت سے مجبور تھے غزوہ احد میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور نقصان کا علم ہو کر ان کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کا سردار کعب بن اشرف خود سفر کر کے مکہ پہنچا اور مشرکین مکہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ اب وہ پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور یہود مدینہ ان کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دوسری عہد شکنی تھی جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کی۔ آیت مذکورہ میں اس بار بار کی عہد شکنی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی شرارت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کر لیا مگر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے رہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ، یعنی یہ لوگ ڈرتے نہیں، اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بدنصیب لوگ چونکہ ہوس دنیا میں مست و بے ہوش ہیں آخرت کی فکر ہی نہیں اس لئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بدکردار عہد شکن لوگوں کا جو انجام بد اس دنیا میں ہوا کرتا ہے یہ لوگ اپنی غفلت و نادانی کی وجہ سے اس سے نہیں

ڈرتے۔ پھر ساری دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے اپنی اس بدکرداری کی سزا چکھی۔ ابو جہل کی طرح کعب بن اشرف مارا گیا، اور یہود مدینہ جلاوطن کئے گئے۔ (معارف القرآن)

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ :الخ لفظ تَثْقَفَنَّهُمْ کے معنی ہیں ان پر قابو پانے کے اور شَرِّدْ مصدر تشرید سے بنا ہے جس کے اصلی معنی بھگا دینے اور منتشر کر دینے کے ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگر آپ کسی جنگ میں ان لوگوں پر قابو پالیں تو ان کو ایسی سخت دردناک سزا دیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہو جائے ان کے پیچھے جو لوگ ان کے سہارے پر اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔

مراد اس سے یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دی جائے جس کو دیکھ کر مشرکین مکہ اور دوسرے دشمن قبائل بھی متاثر ہوں اور آئندہ ان کو مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ رہے۔

آیت ۵۷ کے آخر میں لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ فرما کر رب العالمین کی رحمت عامہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس دردناک سزا کا اصلی مقصد بھی کوئی انتقام لینا یا اپنے غصہ کو فرو کرنا نہیں بلکہ انھیں کی یہ مصلحت ہے کہ شاید یہ صورت حال دیکھ کر یہ لوگ کچھ ہوش میں آجائیں اور اپنے کئے پر نادم ہو کر اپنی اصلاح کرلیں۔ (معارف القرآن)

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ :الخ یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہد سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف ایسی صورت سے واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اگرچہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے۔ وہ بھی جائز نہیں البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کر دیں کہ ہم آئندہ معاہدہ کے

پابند نہیں رہیں گے ، مگر یہ اعلان ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں۔ یعنی ایسی صورت نہ کی جائے کہ اس اعلان و تنبیہ سے پہلے ان کے مقابلہ کی تیاری کرلی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بناپر تیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ تیاری کرنا ہے وہ اس اعلان و تنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل و انصاف کہ خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں (مظہری بحوالہ معارف القرآن)

کافر جلد یا بدیر پکڑے جائیں گے

سوال اس آیت مبارکہ کے بارے میں کچھ فرمائیں

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ {۵۹} الأنفال

جواب ترجمہ: اور کافر یہ نہ خیال کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔ وہ (اپنی چالوں سے ہم کو) ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے کہ اس کے ہاتھ نہ آئیں یا تو دنیا ہی میں مبتلائے عقوبت کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے) تفسیر بیان القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں ان کفار کا ذکر ہے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے اس لئے بچ گئے یا شریک ہونے کے بعد بھاگ نکلے اس طرح اپنی جان بچالی، ان لوگوں کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ یوں نہ سمجھیں کہ ہم بچ نکلے۔ کیونکہ غزوہ بدر کفار کے لئے ایک عذاب الٰہی تھا اور اس کی پکڑ سے بچنا کسی کے بس میں نہیں۔ اس لئے فرمایا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ: یعنی یہ لوگ اپنی چالاکی سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ جب پکڑنا چاہیں گے یہ ایک قدم نہ سرک سکیں گے، ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی میں پکڑ لئے جائیں ورنہ آخرت میں تو ان کی

گرفتاری ظاہر ہے۔

اس آیت نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ کوئی مجرم گناہگار اگر کسی مصیبت اور تکلیف سے نجات پا جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے بلکہ اپنے جرم پر ڈٹا رہے تو یہ اس کی علامت نہ سمجھو کہ وہ کامیاب ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالی کی گرفت میں ہے اور یہ ڈھیل اس کے عذاب اور مصیبت کو اور بڑھا رہی ہے گو اس کو محسوس نہ ہو۔

دشمن کے مقابلے میں تیاری

سوال آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ {٦٠} الأنفال

جواب ترجمہ: اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ (سپاہیانہ) قوت سے پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے ہیبت پڑے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا اور تم سے بے انصافی نہیں ہو گی۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ: یعنی :اے مسلمانوں! تم دشمنوں کے مقابلے کے لیے اپنی پوری استطاعت کے مطابق ہر قسم کی قوت تیار رکھو۔ یہاں قُوَّة کو نبی کریم ﷺ نے خود واضح فرمایا: أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ (مسلم) یعنی قوت میں اصل چیز جنگی مہارت، ہتھیاروں کا استعمال اور عسکری صلاحیت ہے۔

وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ: اس سے مراد اُس دور کے جدید ترین فوجی وسائل تھے, اصل مقصد گھوڑے نہیں بلکہ ہر زمانے کے جدید دفاعی ذرائع ہیں، آج اس میں میزائل، ٹینک، بحری بیڑے، فضائی طاقت،

سائبر ڈیفنس، ڈرون ٹیکنالوجی اور ایٹمی deterrence سب شامل ہیں۔

تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ: یہاں ترھیب کا مطلب جارحیت نہیں بلکہ باز deterrence (روک تھام) ہے، یعنی دشمن حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ کرے، اسلام جنگ شروع کرنے کا نہیں بلکہ جنگ روکنے کے لیے طاقت رکھنے کا دین ہے، ترھیب کا لفظ بتاتا ہے کہ بم وبارود یا جنگی تیاری کا مقصد تباہی پھیرنا نہیں بلکہ دشمن کو خوف زدہ رکھنا ہے، اگر دشمن جارحیت پر اتر آئے تو اسی سامان حرب وضرب کے ساتھ اسے عبرت ناک سزا دی جائے۔

وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ: یعنی وہ دشمن بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے، یہ ہر دور کے پوشیدہ، فکری، معاشی اور تہذیبی دشمنوں کی طرف اشارہ ہے۔

عصرِ حاضر میں دفاعی سازوسامان کی اہمیت

① دفاعی طاقت، بقا کی شرط: آج کی دنیا میں طاقت کے بغیر امن ممکن نہیں، جدید ذرائع مواصلات ومعلومات سے پتہ چلتا ہے کہ آج کے دور میں دنیا کے جن ممالک کے پاس جدید ترین ہتھیار موجود ہیں باقی دنیا ان سے خوف زدہ ہے، طاقت والوں کی طاقت سے متأثر اور خوف زدہ ممالک ان کا نام بھی برے طریقے سے زبان پر نہیں لاتے، جب کہ کمزور ممالک، اسلحہ وسامان حرب سے محروم ممالک کو جو ظالم چاہتا ہے دبالیتا ہے، ان کے وسائل پر قابض ہو جاتا ہے۔

ابھی ہم نے ماضی قریب میں دیکھا اور لمحہ موجود میں دیکھ رہے ہیں کہ اسرائیل جیسے ظالم یہودی ملک نے عالمی سازشی اور شرارتی طاقتوں کے بل بوتے پر فلسطینی مسلمانوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا، فلسطینی شہر غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی، ستر ہزار سے زائد مسلمان بچے، بوڑھے، جوان مرد اور عورتیں شہید کر ڈالیں، کوئی بم وبارود سے شہید ہوئے کوئی بھوک سے موت کے منہ میں چلے گئے۔ فلسطینی مجاہدین نے اپنی مدد آپ کے تحت طوفان الاقصیٰ کے نام سے جوابی کارروائی کی، مگر سامان حرب وضرب کی کمی کے باعث وہ اسرائیل کا مقابلہ نہیں کر سکے، میں نے اس دوسالہ خونی جنگ

کے دوران " طوفان الاقصیٰ"، "غـــزہ"، "موت کا سوداگر" او "دہشت گرد" نامی چار کتابیں تحریر کی ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے اور حالات سے باخبر ہوا جائے کہ اسلحہ اور سامان حرب کی کمی سے دشمن کس طرح حاوی اور غالب آجاتا ہے، جب کہ اسی دوران ہمارے پڑوسی ملک بھارت نے پاکستان پر جارحیت کی، جس کے جواب میں پاکستان نے چند گھنٹوں میں بھارت کو ٹھنڈا ٹھار کر کے رکھ دیا اور اسے زخم چاٹنے پر مجبور کیا، کیونکہ بحمد اللہ پاکستان اس وقت خطے میں جدید ترین سامان حرب وضرب سے لیس ہے، پاکستان کسی بھی ملک کی ننگی جارحیت کا جواب دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ الحمد للہ

کمزور قومیں: قرآن کریم اپنے پیروکاروں کو اپنی استطاعت کے مطابق سازوسامان کی تیاری کا کیوں حکم دیتا ہے، اس لیے کہ کمزور قومیں غلام بنائی جاتی ہیں، کمزور قوموں کے وسائل لوٹے جاتے ہیں، کمزور قوموں پر فیصلے مسلط کیے جاتے ہیں، جارح اور ظالم کمزوروں سے اپنی چاہت کے مطابق فیصلے منواتے ہیں، یہ آیت بتاتی ہے کہ دفاعی کمزوری دینی اور اجتماعی کوتاہی ہے۔

② جدید قوت کے دائرے: عصرِ حاضر میں "قوت" صرف بندوق یا فوج نہیں، بلکہ: عسکری ٹیکنالوجی، ایٹمی صلاحیت (deterrence) سائبر سیکیورٹی، انٹیلی جنس نظام، سائنسی و صنعتی خود کفالت، میڈیا اور بیانیے کی جنگ یہ سب وَأَعِدُّوا کے حکم میں شامل ہیں۔

مسلم دنیا کی موجودہ تیاری: مسلم دنیا کی موجودہ تیاری کا مثبت پہلو یہ ہے کہ چند ممالک جیسے پاکستان، ترکی، نے دفاعی صنعت میں پیش رفت کی ہے، ایٹمی deterrence نے بعض خطوں میں توازن پیدا کیا، مقامی اسلحہ سازی کا آغاز ہوا، پاکستان نے تو ماشاء اللہ بہت خوب محنت کی ہے، ہمارا دفاعی سازوسامان کے لیے باقاعدہ ایک نظام وضع کیا گیا ہے، دفاع پاکستان کے لیے بھاری بھرکم بجٹ رکھا جاتا ہے، دفاع پر پاکستان کی مقتدرہ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی، ہماری مسلح افواج ایمان، یقین، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے سلوگن کے ساتھ جذبہ جہاد سے سرشار رہتی ہے۔

خوگر حمد سے گلہ بھی سن لیجیے: مجھے یہاں مسلم دنیا سے ایک گلہ وشکوہ بھی عرض کرنا ہے کہ مسلم دنیا میں اجتماعی دفاعی حکمتِ عملی کا فقدان ہے، لمحہ موجود میں ستاون اسلامی ممالک عالمی نقشہ پر موجود ہیں، مگر سوچ، فکر سب کی مختلف ہے، کوئی دنیا کی کسی طاقت کے ساتھ کاندھا ملائے کھڑا دکھائی دیتا ہے اور کوئی کسی طاقت کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ بنا دکھائی دیتا ہے۔

مسلم ممالک میں ایک کمی بلکہ ساری کوتاہیوں کی ماں جو دکھائی دیتی ہے وہ ان کے کسی نہ کسی درجے میں باہمی اختلافات ہیں، سوچ وفکر کا اختلاف نمایاں دکھائی دیتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ان میں فرقہ واریت کے جراثیم دیمک بن کر ان کو چاٹ رہے ہیں، کہیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے یک آہنگی نہیں ہے۔

پھر مسلم ممالک باوجودیکہ صلاحیتوں سے مالا مال اور سرشار ہیں، مگر خود اعتمادی کا فقدان ان میں پایا جاتا ہے، یہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے دوسروں پر انحصار رکھتے ہیں، یہ گہرے کنوؤں اور عمیق دریاؤں میں کودنے کے لیے تیار ہیں مگر ان کی سوچ یہ ہے کہ ہمیں سات سمندر پار سے کوئی ظالم، کوئی جارح، کوئی خونخوار درندہ آکر بچائے گا، اس وقت امریکہ جیسے ظالم، جابر، قاہر اور ستمگر کی طرف مسلم ممالک کی نگاہیں مرکوز ہیں، حالانکہ میرے خیال کے مطابق دنیا بھر میں شر انگیزی کی جڑ امریکہ ہی ہے، جو پہلے مسلم ممالک کو آپس میں، اندرونی طور پر لڑاتا ہے، پھر وہاں قیام امن کے بہانے سے کودتا ہے، پھر وہاں کے وسائل پر لالچی نگاہیں مرکوز کرتا ہے، تباہیاں پھیرتا ہے اور دم دبا کر نکل جاتا ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلم ممالک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اغیار پر انحصار کرتے ہیں، بہترین ٹیکنالوجی خود تیار کر سکتے ہیں مگر اس شعبہ میں بھی مغرب کے خونخوار درندوں پر انحصار رکھتے ہیں، اس کے علاوہ مسلم ممالک فکری اور تہذیبی یلغار کے مقابلے میں کمزور دکھائی دیتے ہیں، کسر نفسی کی بجائے قتل نفسی کرنے پر ہمہ تن کمربستہ دکھائی دیتے ہیں۔

آیت کا عملی پیغام مسلم اُمہ کے نام: قرآن کریم کی سورۃ الانفال عموماًاوراس کی یہ آیت خصوصاً مسلم امہ کو یہ پیغام دیتی ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہواجائے، اپنی دفاعی تیاری اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کی جائے، اس میدان میں طاقت حاصل کی جائے، کمزور ہونا تقویٰ نہیں غفلت ہے، طاقت ظلم کے لیے نہیں بلکہ امن وامان کے قیام کی خاطر حاصل کرنا ہے، دفاع کی خاطر خرچ کیاجانے والا مال اللہ کے ہاں بڑامرتبہ اور مقام رکھتا ہے، قرآنی پیغام یہ ہے کہ اپنے دفاع کے لیے خرچ کیاجانے والا مال تمہیں واپس لوٹایاجائے گا، راہ خدا میں لڑنے کے لیے سامان حرب وضرب کی تیاری پر لگایاجانے والامال ضائع نہیں جاتا، یہ اللہ واپس کردے گا، قرآن کریم کی یہ آیت یہی بتاتی ہے ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ﴾

اسلام میں صلح، اعتماد اور نصرت الٰہی کا ضابطہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ {٦١} وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ {٦٢} وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ {٦٣} يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ {٦٤} الانفال

جواب ترجمہ: اور اگر وہ لوگ صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں۔ اور اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بیشک اللہ آپ کو کافی ہے، اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی۔ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے، اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان

الفت پیدا فرمائی، بیشک وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔ اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مومن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا :الخ اگر تمہارے دشمن صلح اور امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور اس کے قبول کرنے میں تردد نہ کرو، لیکن پورا بھروسا اللہ ہی پر رکھو۔ بے شک وہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے، یعنی اس بات سے خوف زدہ نہ ہو کہ کہیں ان کی صلح کی درخواست فریب یا مکر پر مبنی ہو، کیونکہ اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور وہی تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھنے والا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور ان سے صلح کر لو۔'' امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ان سے صلح کر لو اور ان کے ساتھ معاہدہ کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، ان سے یہ خوف نہ کرو کہ انہوں نے دل میں کوئی فریب چھپا رکھا ہو، کیونکہ اللہ تمہیں ان کے مکر سے محفوظ رکھے گا''۔ امام زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''سلم'' سے مراد صلح اور مسالمت ہے، یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ :الخ اور اگر وہ اس بات کا ارادہ کریں کہ صلح کو ظاہر کر کے تمہیں دھوکا دیں، جبکہ دل میں غداری اور مکر چھپائے ہوں، تو تم نہ ڈرو، اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور وہی تمہارا محافظ ہے، وہی ہے جس نے بدر کے دن اپنی مدد سے تمہیں نصرت دی اور مؤمن صحابہ کے ذریعے تمہاری تائید فرمائی۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی وہ تم سے غداری اور مکر کرنا چاہیں، تو اللہ تمہیں کافی ہے، وہی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد اور مؤمنین کے ذریعے مضبوط کیا۔ امام طبرانی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر وہ لوگ جو صلح کا مطالبہ کرتے ہیں، اس ارادے سے ایسا کریں کہ تم ان سے رک جاؤ یہاں تک کہ وہ طاقت حاصل کر لیں، تو اللہ جنگ اور قتال میں تمہارے لیے کافی ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ :الخ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں کو باہم محبت اور اتحاد پر جمع کر دیا، حالانکہ وہ پہلے ایک دوسرے سے جدا اور دشمن تھے، اگر تم زمین بھر کا سارا مال خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں یہ الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، بے شک وہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی اللہ نے انہیں ایمان کی بنیاد پر محبت میں جمع کر دیا، تم ان کے دلوں کو آپس میں جوڑنے پر قادر نہ تھے، لیکن اللہ نے انہیں جوڑ دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ :الخ اے میرے حبیب! آپ ﷺ کے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ مؤمنین بھی جو تمہاری پیروی کرتے ہیں، پس اللہ آپ کا بھی محافظ و مددگار ہے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کا بھی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات پچھلی آیت کی تکرار نہیں، کیونکہ پہلی آیت دشمن کے فریب کے ارادے کے ساتھ مقید تھی، جبکہ یہاں حَسْبُكَ اللّٰهُ ایک عمومی اور غیر مقید کفایت کا بیان ہے، یعنی ہر حال میں اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یعنی اللہ تمہیں کافی ہے اور وہ مؤمن بھی جو تمہارے پیروکار ہیں۔

ڈٹ جانے والے تھوڑے بھی بہت

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ {٦٥} اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ {٦٦} الأنفال.

جواب ترجمہ: اے نبی ﷺ! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں

گے اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اللہ کے علم میں ہے کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو ترغیب دیں کہ وہ جہاد کی تیاری کریں، جہاد کریں، اگر تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے، میدان کارزار میں ڈٹ جانے والے، دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہیں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آجائیں گے، اگر تم میں اس طرح کے سو مجاہد ہوں گے جو میدان میں ڈٹے رہیں تو ایسی صفات والے مجاہد ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیونکہ کافر تو ایسے لوگ ہیں جن کے پاس علم ہے اور نہ ہی فہم و فراست ہے، کہ انہیں معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔

اس لیے کہ کافروں کی زندگی کا مقصد لڑائی کرنے سے یہ ہے کہ وہ اپنی سربلندی اور زمین میں فساد کے خواہش مند ہوتے ہیں، اس لیے اہل ایمان کو ان لوگوں سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے، اپنے قلت تعداد کے پیش نظر گھبرانا نہیں چاہیے، اگر جرأت، ہمت، شجاعت والے اور میدان کارزار میں ثابت قدمی دکھانے والے بیس آدمی بھی ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر بھاری ہوں گے، ان پر غالب آجائیں گے، اسی طرح اگر ان مجاہدانہ اور سپاہیانہ صفات والے ایک سو جری و بہادر سپوت ہوں گے تو ہزار کافروں پر بھاری رہیں گے۔ یہ سب کچھ اللہ کے امر اور ارادے سے ہو گا، اللہ اپنی تائید و نصرت کے ساتھ ان صبر کرنے والوں کے ساتھ، ڈٹ جانے والوں کے ساتھ ہو گا۔

قیدی قتل کیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑا جائے؟

سوال یہ آیت کریمہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۡ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ {٦٧} الأنفال.

جواب ترجمہ: پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہادے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو۔ اور خدا آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔ اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی رائے دیتے تو بعض اوقات وہ آسمان سے آنے والی وحی کے موافق ہو جاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے مشورہ کیا تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ لوگ آپ کے چچازاد ہیں (یعنی ان کا نسب آپ کے نسب سے ملتا ہے) آپ ان سے فدیہ قبول کر لیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ انہیں قتل کر دیں، اس پر پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بدر کے) قیدیوں کے بارے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کی قوم ہے اور آپ کے رشتہ دار ہیں آپ انہیں چھوڑ دیجیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ آپ انہیں قتل کر دیں بالآخر آپ نے انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا تو اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نبی سے ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب تھا کہ تیرے خلاف کرنے میں ہمیں بہت مصیبت پہنچتی۔ (نیسابوری ۲۰۱، سیوطی ۱۳۴، مستدرک ۲/۳۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب بدر کا دن تھا اور دونوں گروہوں میں لڑائی ہوئی اور اللہ نے مشرکین کو شکست دی اور ان میں سے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی قید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کے چچازاد، رشتہ دار اور بھائی ہیں میری رائے یہ ہے کہ

آپ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں، جو آپ ان سے لیں گے وہ ہمارے لیے ان کے خلاف قوت کا باعث ہو گا اور امید ہے کہ اللہ ان کو ہدایت دے اور یہ ہمارے معاون بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکر کی ہے بلکہ آپ مجھے فلاں عمر کے قریبی رشتہ داروں پر قدرت دیں تاکہ میں انہیں قتل کروں یہاں تک کہ اللہ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی ذرا محبت نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ لوگ ان مشرکین کے شرفاء، سردار اور پیشوا ہیں (انہیں قتل کرنے سے مشرکین کی کمر ٹوٹ جائے گی۔)

رسول اللہ ﷺ ابو بکر کی بات کی طرف مائل ہوگئے میری بات کو پسند نہیں فرمایا اور آپ ﷺ نے ان سے فدیہ قبول کر لیا جب اگلا دن ہوا تو عمر کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ اور ابو بکر بیٹھے رو رہے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو اور آپ کے ساتھی کو کس چیز نے رلایا؟ اگر مجھے رونا آئے گا تو میں بھی روؤں گا اور اگر رونا نہ آئے گا تو رونے کی صورت بنالوں گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں تیرے ساتھیوں کے مجھ پر فدیے کا مشورہ پیش کرنے کی وجہ سے رو رہا ہوں اور اللہ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

مال غنیمت اور فدیہ حلال ہے

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ {٦٨} فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {٦٩} الأنفال.

جواب ترجمہ: اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو تم نے لیا اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب ہوتا۔ پس جو مال تمہیں غنیمت میں حلال اور طیب ملا ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت مذکورہ میں قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے یا مال غنیمت جمع کرنے پر جو عتاب نازل ہوا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا مگر پھر معافی دے دی گئی۔ اس سے یہ بات نہ کھلی کہ آئندہ کے لئے ان معاملات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس لئے اگلی آیت میں مال غنیمت کا مسئلہ تو صاف کر دیا گیا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ: یعنی جو مال غنیمت تم کو ہاتھ آگیا ہے وہ اب کھا سکتے ہو وہ آئندہ کے لئے تمھارے واسطے حلال کر دیا گیا۔ مگر اس میں بھی ایک شبہ یہ رہ جاتا ہے کہ مال غنیمت حلال کرنے کا حکم تو اب ملا ہے۔ اس حکم سے پہلے جو غلطی سے جمع کر لیا گیا تھا شاید اس میں کسی قسم کی کراہت ہو اس لئے اس کے بعد حَلٰلًا طَيِّبًا فرما کر یہ شبہ بھی دور کر دیا گیا کہ اگرچہ نزول حکم سے پہلے جمع غنیمت کا اقدام درست نہ تھا مگر اب جب کہ مال غنیمت حلال ہونے کا حکم آگیا تو پہلا جمع کیا ہوا بھی بغیر کسی کراہت کے حلال ہے۔ (معارف القرآن)

سوال: یہاں اصول فقہ کا ایک مسئلہ قابل نظر اور قابل یاد داشت ہے کہ جب کسی ناجائز اقدام کے بعد مستقل آیت کے ذریعہ اس مال کو حلال کرنے کا حکم نازل ہو جائے تو سابقہ اقدام کا اس میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہ مال حلال طیب ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہوا لیکن اسی کی ایک دوسری نظیر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حکم تو پہلے سے نازل شدہ تھا مگر اس کا ظہور عمل کرنے والوں پر نہیں تھا اس بنا پر اس کی خلاف ورزی کر گزرے، بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل قرآن و سنت کے فلاں حکم کے خلاف تھا، تو اس صورت میں ظہور حکم کے بعد وہ مال حلال نہیں رہتا اگرچہ سابقہ غلطی کو معاف بھی کر دیا جائے (نور الانوار) اگر قضا و قدر میں مال غنیمت کے مباح ہونے اور امت محمدیہ کے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی بات موجود نہ ہوتی تو پھر تمہیں مال غنیمت لینے اور کسی بات کی وضاحت سے پہلے قیدیوں سے فدیہ لینے پر تمہیں سزا دی جاتی، اس لیے اب تم غنیمتوں کا مال کھاؤ اور قیدیوں کو چھوڑنے کا فدیہ کھاؤ یہ تمہارے لیے حلال ہے، اللہ کے احکامات کی حفاظت کرو، اللہ کے دین اور شریعت کی پیروی کرو، اللہ اپنے بندوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربانی کرنے والا ہے۔

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۷۰} وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ {۷۱} (الأنفال)

جواب ترجمہ: اے نبی! اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور پھر گناہ معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ کی خیانت کا ارادہ کریں سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا۔ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ بدر کے ان قیدیوں سے فرمادیں جنہیں انہوں نے گرفتار کیا ہے کہ جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس پر غم گین اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اگر اللہ کے علم میں ہوا کہ تمہارے دلوں میں نیک نیتی ہے تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں پورا فرمایا۔

شان نزول: کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عباس بن عبد المطلب، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قید کیے گئے تو ان کے پاس بیس اوقیہ چاندی تھی جسے وہ میدان بدر کی طرف لے کر نکلے تاکہ لوگوں کو اس سے کھلائیں یہ ان گیارہ لوگوں میں شامل تھے جو اہل بدر کے کھانے کے کفیل بنے تھے، لیکن اس کی نوبت نہ آئی کہ یہ چاندی سمیت پکڑے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے وہ چاندی لے لی یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں بات کی کہ وہ بیس اوقیہ چاندی جو مجھ سے چھین لی گئی ہے وہی میرے فدیہ کے طور پر رکھ لی جائے لیکن

آپ ﷺ نے اسے مسترد کر دیا۔ جو چیز آپ ہمارے خلاف لے کر نکلے تھے اسے فدیہ کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا اور مجھے میرے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کے فدیے بیس اوقیہ چاندی کا ضامن بھی بنا دیا میں نے آپ سے کہا کہ آپ نے مجھے ایسا فقیر کر کے چھوڑا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے قریش اور دوسروں سے مانگتا ہی رہوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ سونا کہاں جائے گا جو تو نے بدر کی طرف نکلتے وقت ام فضل کو دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو یہ عبد اللہ، فضل قثم اور تیرے لیے ہے۔

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا آپ کو اس کے متعلق کس نے بتلایا؟ آپ نے فرمایا اللہ نے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے سچ کہا، یقیناً میں نے ام فضل کو (آتے وقت) سونا دیا تھا اور اس کے بارے میں اللہ کے سوا کسی کو علم نہ تھا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو مجھ سے لیا گیا اللہ نے اس سے بہتر مجھے عطا فرمایا جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ بیس اوقیہ چاندی کے بدلے میں بیس غلام جو سب کے سب بہت مال والے تھے اور اس کے ساتھ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید کرتا ہوں۔ (نیشاپوری، قرطبی، ابن کثیر)

جس رات بدری قیدی گرفتار کر کے لائے گئے اس رات نبی کریم ﷺ کو نیند نہیں آ رہی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں پریشانی کا اظہار فرمایا کہ مجھے قیدیوں میں اپنے چچا عباس کے رونے کی آواز آئی، اس لیے مجھے نیند نہیں آ رہی، اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کھول دیا تھا، تو آپ ﷺ کو نیند آ گئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری صحابی نے گرفتار کیا تھا۔

جب بدری لوگ گرفتار کر کے لائے گئے تو قتل کی بات پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میرے چچا عباس کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی، اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا پھر ہمارے اعزہ و اقربا کو قتل

کیا جائے گا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طیش میں فرمایا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت ہو تو میں ایسا کہنے والے کی گردن اڑادوں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت مال دار آدمی تھے، بدری قیدیوں میں انہوں نے اپنا فدیہ سوا وقیہ پیش کیا تھا، انصار نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بھانجے عباس کو بغیر فدیہ لیے چھوڑ دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاف و مساوات نے اسے قبول نہیں کیا، فرمایا کہ ایک دھیلہ بھی کم نہ لینا، پورا فدیہ لینا۔

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا بھی کہ یارسول اللہ! میں تو مسلمان ہی تھا آپ نے فرمایا مجھے آپ کے اسلام کا علم ہے اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے تو اللہ آپ کو اس کا بدلہ دے گا لیکن چونکہ احکام ظاہر پر ہیں اس لیئے آپ اپنا فدیہ ادا کیجئے بلکہ اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی۔ نوفل بن حارث بن عبد المطلب کا اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا جو بنو حارث بن فہر کے قبیلے سے ہے، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! میرے پاس تو اتنا مال نہیں۔

آپ نے فرمایا وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور ام الفضل نے زمیں میں دفنایا ہے؟ اور تم نے کہا ہے کہ اگر اپنے اس سفر میں کامیاب رہا تو یہ مال بنو الفضل اور عبد اللہ اور قثم کا ہے؟ اب تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ فَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ صَادِقٌ وَأَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، واللهِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ، وَلَقَدْ دَفَعْتُهُ إِلَيْهَا فِي سَوَادِ اللَّيْلِ، وَلَقَدْ كُنْتُ مُرْتَابًا فِي أَمْرِكَ، فَأَمَّا إِذْ أَخْبَرْتَنِي بِذَلِكَ فَلَا رَيْبَ

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ سچے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے سوا اس کا کسی کو پتا نہیں تھا، میں نے تو اپنی بیوی ام الفضل کے سپرد یہ مال رات کے اندھیرے میں کیا تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پہلے شک میں تھا، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اطلاع دی تو اب کوئی شک نہیں رہا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اچھا یوں کیجئے کہ میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا آپ کے لشکریوں کو ملا ہے اسی کو میرا زر فدیہ سمجھ لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر گز نہیں وہ مال تو ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے دلوا ہی دیا، چنانچہ اب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا اور اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اگر تم میں بھلائی ہے تو اللہ اس سے بہتر بدلہ دے گا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کا یہ فرمان پورا اترا اور ان بیس اوقیہ کے بدلے مجھے اسلام میں اللہ نے بیس غلام دلوائے جو سب کے سب مالدار تھے ساتھ ہی مجھے اللہ عزوجل کی مغفرت کی بھی امید ہے۔ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی زیادہ خوشی مجھے اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے مجھ سے جو لیا گیا واللہ اس سے سوحصے زیادہ مجھے ملا اور مجھے امید ہے کہ میرے گناہ بھی دھل گئے۔

جب بحرین کا خزانہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا وہ اسی ہزار کا تھا آپ نماز ظہر کے لیے وضو کر چکے تھے پس آپ رضی اللہ عنہ نے ہر ایک شکایت کرنے والے کی اور ہر ایک سوال کرنے والے کی داد رسی اور نماز سے پہلے ہی سارا خزانہ راہ اللہ لٹا دیا۔ حضرت عباس کو حکم دیا کہ لے اس میں سے لے اور گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ پس یہ ان کے لیے بہت بہتر تھا۔

یہ خزانہ ابن الحضرمی نے بھیجا تھا اتنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہیں آیا۔ سب کا سب بوریوں پر پھیلا دیا گیا اور نماز کی اذان ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے مسجد کے نمازی بھی آ گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو دینا شروع کیا نہ تو اس دن ناپ تول تھی نہ گنتی اور شمار تھا، پس جو آیا وہ لے گیا اور دل کھول کر لے گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تو اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! ذرا اونچا کر دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اتنی کہ دانت چمکنے لگے۔ فرمایا کچھ کم کر دو جتنا اٹھے اتنا ہی لو۔

چنانچہ کچھ کم لیا اور اٹھا کر یہ کہتے ہوئے چلے کہ الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات تو پوری ہوتی دکھا دی اور دوسرا وعدہ بھی انشاء اللہ پورا ہو کر ہی رہے گا۔ اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا۔

حضور ﷺ برابر اس مال کو تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے ایک پائی بھی نہ بچی آپ ﷺ نے اپنے اہل کو اس میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی۔ پھر نماز کے لیے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ اس سے پہلے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت دور فرما دیئے اور وہ در حقیقت اسی وقت سے مسلمان ہو گئے۔ مگر ان کا بہت سا روپیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا۔ اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا اس لئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر حضور ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔ (معارف القرآن)

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ: الخ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور یقین دہانی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ (خصوصاً جنگی قیدیوں اور معاہدہ کرنے والوں میں سے بعض) ظاہری طور پر وفاداری کا اظہار کریں مگر دل میں خیانت کی نیت رکھیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے بھی وہ اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، اسی خیانت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کے مقابلے میں شکست دی، کچھ قتل ہوئے اور کچھ قیدی بنے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر وہ دوبارہ خیانت کا راستہ اختیار کریں گے تو انجام بھی ویسا ہی ہو گا، کیونکہ اللہ اپنے دین اور رسول ﷺ کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سب کے دلوں اور نیتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کے تمام فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، وہ جس کے لیے نرمی بہتر جانتا ہے، اس کے لیے نرمی کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جس کے لیے سختی ضروری ہو، اس پر گرفت فرماتا ہے۔

یہ آیت مسلمانوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ دشمن کی ظاہری باتوں سے دھوکا نہ کھائیں، مگر ساتھ ہی اللہ پر کامل اعتماد رکھیں، خیانت کرنے والوں کا انجام اللہ کے علم و حکمت کے مطابق طے ہوتا ہے اور بالآخر نصرت و غلبہ اہلِ ایمان ہی کے حصے میں آتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ کَبِیۡرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا مَعَکُمۡ فَاُولٰٓئِکَ مِنۡکُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۷۵﴾ الانفال

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی مدد لازم ہے۔ سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ ان میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم

ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی حقیقت میں ایمان والے ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں، اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ: الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہلِ ایمان کہا ہے، کیونکہ روئے زمین پر ان آیات کے سب سے اولین مخاطب وہی لوگ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف طبقات اور ان کے باہمی تعلقات کو واضح فرمایا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ سعادت مند لوگ تھے جو اللہ پر اس وقت ایمان لائے جب اہل مکہ بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، لات منات، عزیٰ اور ہبل ان کی امیدوں کے مرکز تھے، مختلف قبائل اور خاندان شرک میں مبتلا تھے، یہ لوگ اس گندے شرکیہ ماحول سے بڑی جرأت کے ساتھ نکل کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بڑی جرأت، بسالت اور شجاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، یہ وہ زمانہ تھا جب ابو جہل، ابو لہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں میں مشکلات و مصائب کے کانٹے بکھیرتے، گالیاں دیتے، ساحر و جادوگر کے طعنے دیتے، لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کم کرنے کی ناپاک کوشش کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے شریعت کے مطابق زندگی اختیار کی، کفر کے ماحول کو چھوڑ کر اسلام کے ماحول کی طرف ہجرت کی، یا ایسے مقام کی طرف نکلے جہاں امن کے ساتھ اللہ کی عبادت ممکن ہو اور پھر اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے اپنے مال اور اپنی جانیں قربان کیں اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی، یہ سب آپس

میں ایک دوسرے کے حقیقی مدد گار اور معاون ہیں، نصرت اور تعاون میں ان کے درمیان مضبوط دینی رشتہ قائم ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ: الخ اس کے برخلاف جو لوگ ایمان تو لائے مگر دارالکفر سے ہجرت نہ کی، ان کی نصرت اور حفاظت اس وقت تک اہلِ ایمان پر لازم نہیں ہوتی جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں، البتہ اگر ایسے مظلوم اہلِ ایمان کفار کے ظلم کا شکار ہوں اور مدد طلب کریں تو ان کی مدد واجب ہوگی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی قائم شدہ معاہدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ہر عمل کا بدلہ دینے والا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ: الخ مقابلے میں کفار کا حال یہ ہے کہ وہ کفر کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مدد گار بنتے ہیں، اگر اہلِ ایمان بھی آپس میں اسی طرح مضبوط دوستی، اخوت، بھائی چارہ اور دینی اتحاد قائم نہ کریں اور کفار سے واضح برأت اختیار نہ کریں تو اس کا نتیجہ زمین میں فتنہ اور بڑے فساد کی صورت میں ظاہر ہوگا، کیونکہ اس سے اہلِ ایمان کمزور پڑ جائیں گے اور اللہ کے دین سے روکنے کے راستے کھل جائیں گے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی (جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور)

نظر ثانی، اضافات جدیدہ وترمیمات: ۶ فروری ۲۰۲۶ء جمعۃ المبارک